حکومت اور رعایا

مصنف

محمد انور قمر [illegible]

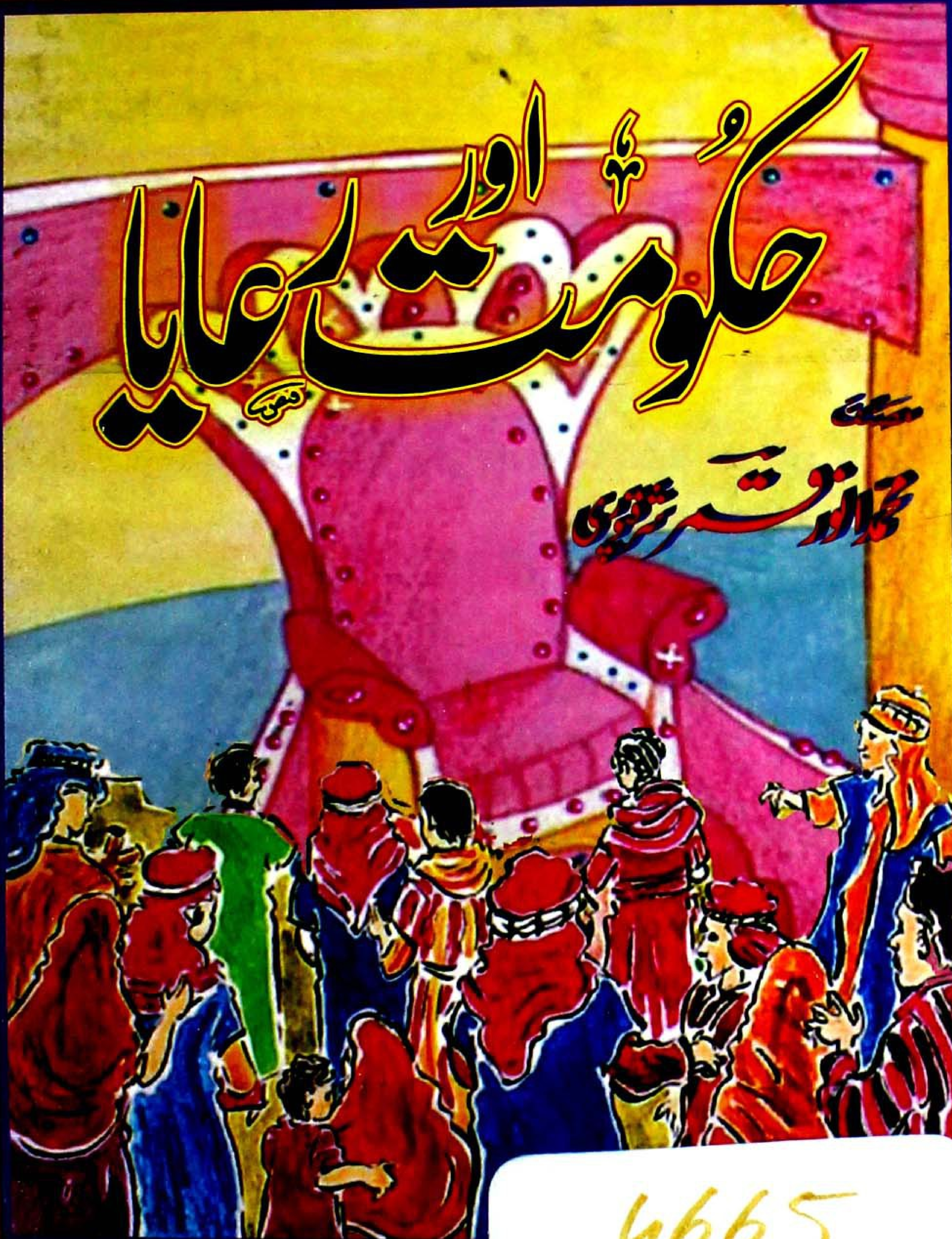

4665

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی۔ پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

حکومت اور رعایا

4665

مصنّف

محمد انور قمر شرقپوری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی - پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

88041

F03691

نام کتاب	حکومت اور رعایا
مصنف	محمد انور قمر شرقپوری
تاریخ اشاعت	نومبر 2000ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	120/- روپے

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7220479-7221953

فیکس نمبر:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:۔ 7225085

14۔ انفال پلازہ، اردو بازار، کراچی

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Marfat.com

4665

إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ
النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . (ص:٢٦)

بے شک ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا پس
لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ
جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

Marfat.com

ہر راعی سے اس کی رعایا سے متعلق پوچھا جائے گا۔

(الحدیث)

Marfat.com

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

(اقبال)

Marfat.com

فہرست

انتساب	9
پیش لفظ	10
روبرو	20
جرأت	21
مزدور	23
کھری بات	25
عمل کی کسوٹی	27
لکڑیاں	29
پل	31
احساس و فکر	34
محفل سرود و نغمہ	35
افطاری	37
قندیلیں	39
غلام	41
شراب	43
حجلہ عروسی	45
آمدنی	46
ہدایت نامہ	47
ترازو کی کان	49
بیگار	51
ٹھوکر	53
بچوں کا وظیفہ	55
بیوی	57
ضمانت	59
سودا	62
عظمت انسان کا احترام	65
انسان دوستی	67
حق شفعہ	69
نیند کا احساس	71
معذرت	73
چھٹی	75
تخت خلافت	77
درخواست	79
بھیک	81
خیمہ	83
شراب	85
معافی	88
معزولی	90
فیصلے	93
زیورات	94
سواری	97
گائے	99

Marfat.com

فتح	101
رقعہ	104
عدالت	106
فرش بہار	108
تقریر	110
شورش پسند	112
غاصب	113
دوشیزہ	115
بوڑھا مسافر	118
سردار	120
لٹریچر	122
جرأت گفتار	124
فتویٰ	125
مسجد میں تخت	127
مسجد	129
تردید نبوت	131
تنخواہ	135
خطبہ	138
چادریں	140
قتل	143
عقل وخرد	145
مدد	147
دو فہرستیں	150
عادل گواہ	152
صاحب المصلی	155
شادی کا تحفہ	158
استقامت	160
ملاح	163
معیار حیات	165
گواہ	167
شہد	169
دریافت	171
قیدی	174
عدل وانصاف	176
لبیک	177
برابری	179
اخراج مقدمہ	182
خصوصی عدالت	185
قطعہ اراضی	187
جزیہ	189
فیصلہ	191
انصاف کا تقاضا	194
جرم وسزا	197
گستاخیاں	198
پٹائی	200
گانا	203
بار	205
عدل فاروقی	208

Marfat.com

دیہاتی 211
درہ فاروقی 213
جلوس 215
اشرفی 217
آنکھیں 219
تصویریں 222
عامل 224
رشوت 227
تحفہ 228
تحفے 230
تحفوں کا مال 233
رشوت 235
پیش بندیاں 239
تحفظ 240
شکایتیں 242
ٹیکس 244
زیادتی 246
محصول 248
یاددہانی 250
روزینہ 252
قسم 254
خدمت 258
ہنڈیا 259
دعوت 261
زچگی 263
وظیفہ 265
پیاس 267
خلیفۃ الرسول ﷺ 269
پہرہ 271
خدمت 273
مساوات 275
گرفت 276
آقا اور غلام 278
زمانہ قحط 281

Marfat.com

انتساب

کتاب موسومہ "حکومت اور رعایا" کا انتساب
اپنے پیر و مرشد فخر المشائخ صاجبزادہ حضرت میاں جمیل احمد صاحب
شر قپوری نقشبندی مجددی مدظلہ العالی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد رحمتہ اللہ علیہ شر قپوری
کی ذات والا صفات کے نام ہے۔ جن کی نظر فیض نے بندہ کو تحریر کے میدان
میں متعارف کرایا ہے۔
گر قبول افتد زہے عزو شرف

محمد انور قمر شر قپوری
نقشبندی مجددی

Marfat.com

پیش لفظ

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے جھٹ سے کہا کہ کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین پر فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کرے۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح، حمد اور تقدیس بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی اس گفتگو پر فرمایا میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

انسانی تاریخ کا یہ ایک بڑا اہم واقعہ ہے جو قرآن مجید میں سورہ بقرہ میں مذکور ہے۔ اس سے تین باتیں بڑی واضح ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ مشورہ کرنے سے پاک ہے اسے کسی مشورے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے مگر تخلیق آدم کے معاملہ میں فرشتوں سے پوچھا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنا رہا ہوں۔ یہ اس لئے تھا کہ پہلے انسان کو پتہ چل جائے کہ اہم معاملات میں مشورہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

2۔ دوسری بات فرشتوں کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ تو جس کو پیدا کرے گا وہ تو زمین میں فساد بھی پھیلائے گا اور خون ریزیاں بھی کرے گا۔ فرشتوں کا یہ گمان اس لئے تھا کہ جن اجزاء سے انسان کا ڈھانچہ بنایا جا رہا ہے ان میں شر و فساد کا مادہ موجود ہے۔ اور دوسرے یہ کہ چونکہ زمین پر جنات زیادہ ہیں جو فساد ہی تو پھیلا رہے ہیں۔ یہ خلیفہ بھی یقیناً وہ کام کرے گا جو جنات کر رہے ہیں۔ اور جب جنات سے اس کا تصادم ہو گا تو خون ریزی اور فساد ضرور ہو گا۔

3۔ اور تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ اس امر سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اختیارات سونپنے والے کو اس شخص کے بارے میں کافی سے زیادہ معلومات ہوتی ہیں جسے اختیارات سونپے جا رہے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انسان خون ریزیاں نہیں کرے گا یا فساد نہیں پھیلائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ اے فرشتو! میں اس بات کو جانتا ہوں کہ اگر انسان نے خون ریزیاں کیں تو ان کا تدارک میں نے کیسے کرنا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی زمین کو شر و فساد اور خون ریزیوں سے بچانے کے لیے بعض ایسے بندے چن لیے جن میں انبیاء، اولیاء اور صلحاء بھی تھے۔ اور ایسے حکمران بھی جن کی گرفت خون ریزیاں

Marfat.com

کرنے والوں پر مضبوط تھی۔ ان کے پاس ایسے اختیارات ایسی صلاحیتیں اور ایسی قوتیں تھیں جو فساد پھیلانے والوں کی نسبت زیادہ تھیں۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے دو نظام رائج کر دیئے ایک روحانی نظام اور دوسرا مادی نظام۔ شر و فساد کا زیادہ امکان مادی نظام میں تھا۔ اسے روحانی نظام کے تابع رکھا۔ اس طرح مادی نظام والوں کو قدم قدم پر روحانی نظام والوں سے راہنمائی کی ضرورت پیش آتی رہی۔ اس نظام کے تحت حکمرانی یا حکومت یا جہانبانی کے اصول اور ضابطے وضع کیئے گئے۔ جن حکمرانوں نے ان ضابطوں کے تحت حکومت کی انہوں نے فرشتوں کی بات کو غلط ثابت کر دیا۔

حکومت کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی نظر اندرونی معاملات اور بیرونی معاملات پر رہے۔ بیرونی معاملات پر نظر رکھنے سے ملک کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانا بھی ہے۔ اور بیرونی گندی تہذیب کے داخلے کو روکنا بھی ہے۔ کسی اسلامی ملک میں اس بیرونی تہذیب کا ٹکراؤ اسلامی تہذیب سے ہو سکتا ہے۔ اسلام کی منفی تہذیب بیرونی حملہ آوروں سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس تہذیب کے ناسور پوری ملت کو تباہ کر کے رکھ دیتے۔ یہ غیر ملکی تہذیب کسی ملک کے اندرونی معاملات میں اس وقت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جب لوگوں کی عزت مال اور جان کو تحفظ نہ مل رہا ہو۔

حکومتوں کی اس توجہ سے عوام کو محروم رکھنے کے لئے بیرونی قوتیں اس قدر الجھا دیتی ہیں کہ عوام بالکل لاوارث ہو جاتے ہیں جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو کمزور۔ قوت والوں کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں۔ ان شکنجوں سے لوگوں کو نجات دلانا حکومت وقت کا کام ہے۔

اچھے حکمران عوام کے خادم بن جاتے ہیں۔ ان کا رابطہ عوام کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے۔ وہ تکلیف میں مبتلا ہونے والے کی آمد اور اطلاع کا انتظار نہیں کرتے۔ بلکہ خود اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور پھر اس کے دکھ درد میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ اسے تکلیف میں مبتلا کرنے والوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔

حکومت بنانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ عوام کو سکون مہیا ہو اور عوام کے حقوق کی حفاظت کرے۔ نہ دن کے اجالے میں ان کے ساتھ کوئی زیادتی ہو اور نہ رات کے اندھیرے میں انہیں کوئی لوٹے۔ حکومت کی ہر کوشش رعایا کے امن و سکون کی خاطر ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے جو

Marfat.com

قانون بنایا جائے اس کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

انسان شر وفساد کی صفت ساتھ لے کے آیا ہے اس شر وفساد کی بیخ کنی کے لئے حکومت کی تشکیل کی جاتی ہے۔ برائی کسی قوم کے لئے بیماری ہوتی ہے۔ یہ معلوم کرنا کہ یہ بیماری کیسے اور کیوں لگی ایک تشخیص کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سے قوم کو چھٹکارا دلانا اس بیماری کا علاج ہے۔ اور یہ علاج اخلاص کے ساتھ کرنا پرہیز ہے۔ اگر تشخیص صحیح ہو اور علاج اور پرہیز صحیح نہ ہو تو مرض میں افاقہ کی بجائے۔ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ جن حکومتوں کو اپنی رعایا کی روز افزوں خرابیوں کا احساس ہے اور ان کے انسداد کے لئے قانون پر قانون بناتی چلی جائیں اور قانون کی اثر پذیری نہ دیکھیں وہ اپنی رعایا کو اس بیماری سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ نرا قانون اس وقت تک نہ تو کوئی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ جرائم کی روک تھام۔ جب تک کہ دیانت۔ امانت۔ تقویٰ اور خدا ترسی کے جذبات اس کی پشت پناہی نہ کریں۔

1965ء میں ایوب حکومت میں اسمبلی کے اجلاس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ ہم معاشرتی برائیوں پر کس طرح قابو پا سکتے ہیں۔ اس کے لئے کس نوعیت کی قانون سازی کی جائے، کیسے حکام کا انتخاب کیا جائے۔

ایک سادہ سے مولوی اٹھے فرمایا۔ قانون سازیوں پر کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔ قانون آپ کے پاس بنا ہوا ہے صرف عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ کہا۔ میرے آقا نے فرمایا۔

(مَنْ رَاٰی مِنکُمْ مُنکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)

"تم میں سے جو برا کام دیکھے اس کو قوت وطاقت سے بدل دے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے کہے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔"

ویسے تو یہ ہر شخص کے لئے عام دعوت ہے۔ مگر اس دعوت میں تین قوتوں کے استعمال کرنے کی فکر بھی ہے۔

1۔ ڈنڈا۔ 2۔ وعظ ونصیحت (زبان) 3۔ نفرت۔

ڈنڈا ہر شخص نہیں پکڑ سکتا البتہ جن کے پاس ڈنڈا ہے یعنی حکومت وہی اگر اسے دیانت داری کے ساتھ استعمال کرے تو برائی سر نہ اٹھا سکے۔ زبان سے کام علماء لے سکتے ہیں اور لے رہے ہیں

Marfat.com

مگر ان کی زبان ڈنڈے والے بند رکھنا چاہتے ہیں۔ اور نفرت کرنے والوں میں عوام شامل ہیں۔ وہ بازاروں میں۔ گلیوں میں اور کوچوں میں برائی سے نفرت کرتے رہتے ہیں۔ انہیں کے ساتھ تو زیادتیاں ہوتی ہیں ان کی نفرتیں تو چیخوں میں بدل جاتی ہیں ان کی ایک ایک چیخ اور پکار درخواستوں۔ اخباروں اور رسالوں کی وساطت سے اپنا سفر جاری رکھتی ہے مگر ڈنڈار کھنے والوں کے کان کچھ اور ہی سننے میں مشغول ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں افق کی دوسری جانب دیکھنے میں لگی رہتی ہے کسی ملک میں برائیوں کی ابتداء جلب منفعت سے ہوتی ہے۔ یہی بات رشوت کا دروازہ کھولتی ہے۔ ناجائز کام ہونے لگتے ہیں۔ نااہل لوگوں کو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ رشوت کی مختلف صورتیں ہیں۔ بڑے لوگوں کو تقریبات میں بلانا ان کی دعوتیں کرنا۔ اور انہیں تحفے تحائف بھیجنا بھی اکثر اوقات رشوت بن جاتے ہیں۔

ابن جریر ازدی کی روایت کے مطابق ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ وہ ہر سال آپ کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران بھیجا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے۔ تو بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اتفاق سے اس شخص کا ایک مقدمہ آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا۔

اے امیر المؤمنین ہمارے درمیان ایسے فیصلہ کر دیجئے جیسے اونٹ کی ران منفصل ہوتی ہے۔

1۔ منفصل کے معنی جدا اور الگ کے ہیں۔ اس شخص کی بات دو مفہوم رکھتی تھی۔ کہ اے امیر المؤمنین! جس طرح اونٹ کی ران خصوصی طور پر آپ کی خدمت میں الگ بھیجا کرتا تھا ایسے ہی آپ میرے ساتھ خصوصی طور پر رعایت کرتے ہوئے فیصلہ فرمائیے۔

2۔ جس طرح اونٹ کی ران الگ ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی آپ دوستانہ مراسم سے ہٹ کر فیصلہ فرمائیے۔ یعنی ایک اعتبار سے دوست اپنے حاکم دوست کو مشورہ دے رہا ہے کہ انصاف و عدل کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے فیصلہ فرمائیے۔ جبکہ پہلی صورت سے یہ احتمال ہوتا تھا کہ انصاف و عدل کا گلا دبا دیجئے اور دوستانہ مراسم کا خیال رکھتے ہوئے میرے ہی حق میں فیصلہ فرمائیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے دوست آپ کا شکریہ آپ نے بڑا اچھا مشورہ دیا ہے۔ آپ نے عدل و انصاف سے کام لیا اور فیصلہ کر دیا۔ اور تمام حاکموں کو لکھا کہ

Marfat.com

(لَا تَقْبَلُوْا الْهَدْيَۃَ فَاِنَّمَا رِشْوَۃٌ)

"ہدیہ قبول نہ کیا کرو۔ یہ اب رشوت ہے۔"

لیکن اگر کام ختم ہو چکا ہو اور آئندہ کے لیے بھی اس کو کوئی کام نہ ہو تو اس پر ہدیہ یا تحفہ جو کچھ بھی دیا جائے وہ جائز ہے۔ کیونکہ

(هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان)

احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

اعلیٰ حکام کو تحفے اور ہدیے دینے کا دستور قدیم دور سے چلا آرہا ہے۔ دور حاضرہ نے اس دستور میں عطیہ DONATION کا اضافہ کیا ہے۔ اگر عطیہ از راہ اخلاص ہے تو جائز اور حلال ہے اگر بنائے اغراض ہے تو ناجائز اور حرام ہے۔

عنان حکومت سنبھالنے کے بعد بانی پاکستان حضرت قائداعظم نے ملک کو رشوت ستانی، خویش پروری اور اقربانوازی سے پاک کرنے اور صحیح معنوں میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے جس شدت سے اعلانات کیے ان سے بدمعاش، بدقماش، بدکردار اور بداطوار عنصر میں ایسا خوف وہراس پیدا ہو گیا کہ اس نے خود بخود دست تعدی روک لیا۔ اور جرائم کی تعداد خلاف معمول روز بروز گھٹنے لگی۔ پہلی ششماہی کے خاتمہ پر گزشتہ سالوں کے مقابلے میں جرائم اتنے گھٹ گئے کہ نہ صرف عوام بلکہ حکام بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔

پھر حالات بد سے بدتر ہوتے گئے یہاں تک کہ

حلال و حرام میں سرے سے تمیز ہی نہیں کی جاتی۔

حلال کو حرام بنانے اور حرام کو حلال ثابت کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی جاتی۔

قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر قربان کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا جاتا۔

خویش پروری۔ اقربانوازی پر اہلیت اور قابلیت کو ترجیح نہیں دی جاتی واقفیت۔ رشوت یا سفارش کے بغیر کسی کا کام نہیں کیا جاتا۔

ملاوٹ چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کے سوا چین و قرار نہیں آتا۔

برائی اور بے حیائی کے کاموں کے سوا کوئی بات پسند نہیں آتی۔

غرضیکہ شرافت و دیانت کے ساتھ جینا مشکل بنا دیا گیا ہے۔

Marfat.com

جو لوگ یہ حالات پیدا کر رہے ہیں وہ نہ صرف اپنی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہے ہیں بلکہ حکومت کی پریشانیوں اور مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں اور ملک و ملت کے لیے ایک ہولناک عذاب لا رہے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کی وجہ صرف جلب منفعت ہے جسے مقصود زندگی اور قومی شعار بنالیا گیا ہے۔ یہ حالات محض اس وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں کہ لوگوں کی نظر صرف مفادات پر ہے۔ ان سے وابستہ خطرات پر نہیں۔ اگر ان خطرات سے عوام کو احسن طریق سے آگاہ کیا جائے اور ان کے سامنے ان کی صحیح تصویر رکھی جائے تو بالیقین بہت سے لوگ ان باتوں سے باز آجائیں۔

ہر ملک ہر ملت اور ہر معاشرہ کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ اس تاریخ میں اس ملت کی روایات محفوظ ہیں۔ یقیناً ان روایات پر اس ملت کو ناز بھی ہے اور فخر بھی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک ایک ورق تابناک ہے۔ ہمارے حکمرانوں نے رعایا کے خادم بن کر حکومت کی۔ اور جونہی کسی حاکم نے اس اصول جہانبانی سے انحراف کیا یا ظلم کی تلوار نیام سے باہر نکالی اس کی حکومت کے دن جلدی گن دیے گئے۔

تعمیر پاکستان کی بنیادوں میں ہمارے اسلاف کا وہ جذبہ موجود ہے کہ یہ ملک اسلام کا قلعہ ہو گا مثالی اسلامی حکومت قائم کی جائے گی لیکن بدقسمتی سے اس نوکاشتہ پودے کی تیاری ان ہاتھوں میں رہی جو اسلام کے جذبے کے مطابق حالات پیدا نہ کر سکے۔

کہا جاتا ہے تاریخ کی کتاب کے سارے اوراق بالکل صاف تھے۔ لوگ آتے رہے اور ان پر لکھتے چلے گئے۔ یوں ہر آنے والے دور کو ایک تاریخ ملتی گئی۔ آج کی تاریخ سینکڑوں ہزاروں سالوں پر محیط ہے۔ مگر اس کے بہت سے صفحات اب بھی خالی پڑے ہیں۔ جنہیں ہم رقم کریں گے۔ اور ہمارے بعد میں آنے والے اور بھی لوگ لکھیں گے۔ ہر دور کے لوگوں نے جو کچھ تاریخ کو دینا چاہا تاریخ نے اپنا دامن ان کے آگے پھیلا دیا ہے۔ اچھا کردار دیا ہے اس نے وہ بھی سنبھال لیا ہے۔ بدنامی کے داغ دیئے ہیں اس نے وہ بھی محفوظ کر لیے ہیں کسی کے ساتھ اس نے نہ زیادتی کی ہے نہ خیانت۔

اس تاریخ میں ہر قوم و ملت کا سرمایہ محفوظ ہے۔ ایسی کتابوں کا اگر ہم جائزہ لیں تو اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کی روایات بڑی تابناک ملیں گی۔ جنہیں پڑھیں تو دل عش عش کر

Marfat.com

اٹھتا ہے۔

چند نمونے دیکھئے۔

1۔ حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے نیک خلیفہ کے بارے میں ایک بڑھیا نے کہا جا کر اسے کہ دو حکومت محلوں میں بیٹھ کر نہیں کی جاتی۔ غریبوں کے دکھوں میں شریک ہوا کرے۔

صفحہ　　روبرو　　پل

2۔ جنگل میں ایک جھونپڑی میں رہنے والی عورت نے کہا کہ

خلیفہ ہماری بات کب سنے گا۔ کتنے دنوں سے قحط کے مارے یہاں پڑے ہیں اس نے ہماری (وات) خبر تک نہیں لی۔ کیا یہ اس کا فرض نہیں بنتا کہ وہ بھوکوں کی خبر گیری کرے۔

صفحہ　　احساس و فکر　　بچوں کا وظیفہ

3۔ ایک بڑھیا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا

وہ کیسا خلیفہ ہے کہ اسے حاجت مندوں کی خبر تک نہیں۔ وہ جب سے خلیفہ بنا ہے مجھے ایک کوڑی بھی بیت المال سے نہیں ملی۔

صفحہ　　احساس و فکر　　سودا

4۔ شاہ سلجوق الپ ارسلاں کے گھوڑے کی لگام پل پر کھڑی بڑھیا نے پکڑ کے پوچھا کہ

میری گائے تم اس پُل پر دو گے یا اس پُل پر۔

صفحہ　　فیصلے　　گائے

5۔ مدینہ پاک سے باہر پڑے ہوئے تجارتی قافلے کا پہرہ دینے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا رہے ہیں۔ رستے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملتے ہیں انہوں نے کہا آپ کیوں یہ تکلیف برداشت کرتے ہیں قافلہ والے خود باری باری رات کو پہرہ دے لیا کرتے ہیں مگر آپ نے فرمایا

بے شک وہ اپنی حفاظت کا انتظام کریں گے مگر بحیثیت خلیفہ میرا بھی فرض بنتا ہے کہ ان کے مال و جان کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھوں۔

صفحہ　　خدمت　　پہرہ

6۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ جب کسی بھی عہدے پر فائز نہ تھے۔ سلیمان بن

Marfat.com

عبد الملک سے کہا

خلیفہ کو عالی ظرف ہونا چاہیے اپنی ذات کی ناراضگی پر نیچی سطح پر اتر آنا حاکم وقت کے لیے زیبا نہیں ہے۔

صفحہ	جرأت گفتار	قتل

راجہ باز بہادر کے دربانوں نے جب دیہاتی بوڑھے سے کہا کہ راجہ اس وقت آرام کر رہا ہے تو بوڑھے نے کہا

اگر راجہ نے سو کر حکومت کرنی ہے تو راجہ کیوں بنا تھا۔ لوگوں پر ظلم ہو رہا ہے اور راجہ آرام کر رہا ہے۔

صفحہ	جرم و سزا	آنکھیں

زیر نظر کتاب ایسے ہی واقعات کا ایک حسین مرقع ہے۔ یہ واقعات مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔ ہم نے انہیں یکجا کر کے ایک اچھے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ واقعات صرف پڑھنے کی حد تک جمع نہیں کیے گئے۔ بلکہ عوام اور حکومت کو ایک نئی فکر دیں گے شائد کوئی ان کے باعث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کردار ادا کر سکے۔ یا عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کے اسوہ پر عمل کر سکے۔ کوئی صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ کی سیرت کو اپنا سکے۔

دوران تالیف تلخی حالات کے ستائے ہوئے بعض لوگ مجھے کہتے رہے کہ ان واقعات پر اب کون توجہ دے گا۔ آج کے انسان کا خون اس قدر سفید ہو گیا ہے کہ اسے نہ احساس زیاں ہے نہ احساس فرض۔ ہم نے بہر حال اچھی نیت سے یہ کاوش کی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں آئے تو اگر آپ کا تعلق والا اچھے اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہے تو اسے اس کتاب کے پڑھنے کا مشورہ ضرور دیں۔ کیا خبر آپ کی ایسی کوشش سے کوئی رستہ بھولا ہوا جادہ مستقیم پر آجائے۔

آپ اس کتاب میں بعض ایسے واقعات بھی پڑھیں گے جن میں ہمارے اعلیٰ حکمرانوں نے گورنروں کو نہایت سادہ زندگی گزارنے پر مجبور کیا ہے۔ سادگی ہمیں کئی قباحتوں سے بچاتی ہے۔ بلند معیار زندگی اختیار کرنے کے لیے معاشی وسائل ڈھونڈنے پڑیں گے۔ ایسے اکثر مالی وسائل

Marfat.com

سے خرابیاں جنم لینے لگتی ہیں۔ روحانی معیار زندگی خرابیوں کو ختم کردے گا مادی معیار زندگی مادہ پرستی کی فضا پیدا کرے گا۔

بعض محکموں سے برائیاں وابستہ ہوتی ہیں۔ وہاں سے کمائی کرنا اس کے متعلقہ افراد وافسران اپنا بنیادی حق بنا لیتے ہیں۔ پھر جو بھی اس منصب پر تعینات ہوتا ہے وہی اپنا فطری حق سمجھتا ہے اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ ایک برے کام میں ملوث ہے۔

آج بہت سے ملکوں پر مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں۔ مگر رعایا کو سکون میسر نہیں وہ اضطراب، کرب، اور بے قراریوں کا شکار ہیں ایسے حالات کے ذمہ دار ان ملکوں کے حکمران ہیں۔ ایسے لگتا ہے ان کی تعلیم وتربیت ایسے اداروں میں ہوتی ہے جہاں اسلامی تاریخ کے علاوہ کوئی دوسری تاریخ پڑھائی جاتی رہی ہے۔

مسلمان حکمران تحفظ دین کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ بات ہر وقت اس کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ دین اسلام کے پیروکار اس کے ملک میں اس کے حاشیہ نشینوں سے زیادہ ہیں اگر وہ اسلام کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کریں گے تو انہیں تحفظ دینے والے زیادہ لوگ ہوں گے۔ لہٰذا انہیں بے فکر ہو کے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے جو لوگوں کی غیرت ایمانی کے منافی ہو۔

اگر کسی اسلامی ملک میں کوئی غیر مسلم رہتا ہے تو اسے اس کے اپنے مذہب کے مطابق تحفظ نہ دیا جائے بلکہ مذہب اسلام کے مطابق دیا جائے مثلاً اگر کوئی غیر مذہب شراب پینا چاہتا ہے یا زنا کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے تو اس کا اپنا مذہب گو اجازت دیتا ہوگا مگر چونکہ اسلام اجازت نہیں دیتا لہٰذا اسے اس ملک میں رہ کر ان افعال کی اجازت نہیں دینی ہوگی۔ ایسے اگر کوئی غیر مذہب اپنے کسی عہدہ دار کی سنگین غلطی پر نہیں پوچھتا تو اسے اسلامی قانون کے مطابق جرم کرنے والوں کی صف میں کھڑا ہونا پڑے گا۔

انسان کا انسان کے کام آنا بہت بڑی خدمت ہے۔ حاکم وقت کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسے انسانی خدمت کے لیے چن لیا ہے۔ اور انسانوں کے کام آنے کی توفیق بخشی ہے۔ اس اعزاز کو لہو ولعب میں پڑ کر یا بھول کر ضائع نہ کیجئے۔

انسانوں کی خدمت کرنے والے ہمارے سابقہ حکمران نے ایک عام آدمی کا روپ دھار کے لوگوں کے پاس گئے ہیں۔ ان کی تکالیف میں کام آتے اور ان کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا پتہ

Marfat.com

لگاتے اور پھر زیادتیاں کرنے والے کو اپنے انجام تک پہنچایا کرتے۔ جبکہ آج ایسا نہیں ہے۔ آج کے لوگ تشہیر پسند ہیں فرائض کی ادائیگی میں خوب تشہیر چاہتے ہیں۔اس طرح یہ لوگ تشہیر میں مصروف رہتے ہیں اور جرائم کرنے والے اپنے کام میں مگن رہتے ہیں۔

ان تاریخی واقعات کو ایک اچھے پیرائے میں لکھنے کی سعی کی گئی ہے امید ہے آپ کے ذوق مطالعہ پر پورے اتریں گے واقعات کو زیادہ سے زیادہ صحت بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاہم اگر کہیں سُقم دکھائی دے تو بندہ عاجز کو ضرور مطلع کریں ہم شکر گزار ہوں گے۔

ناچیز
محمد انور قمر شرقپوری

Marfat.com

روبرو

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی
اقبال

Marfat.com

جرأت

بچے اپنے بچپنے میں کھیل کھیلا ہی کرتے ہیں۔ کھیل کھیلنا ان کا حق ہوتا ہے۔ مگر ان کے کھیلوں پر نگاہ رکھنا ان کے والدین کا حق اور فرض ہوتا ہے۔ تا کہ وہ ایسے کھیلوں میں نہ لگ جائیں جن سے نہ جسمانی فائدہ ہو اور نہ ہی اخلاقی۔ بچے چونکہ ان کھیلوں میں تخصیص نہیں کر سکتے کہ کون سے کھیل اچھے ہیں اور کون سے برے۔ انہیں یہ مشاہدہ ضرور ہوتا ہے کہ کھیلوں کو بڑے بزرگ پسند نہیں کرتے۔ اس لیے جب وہ کھیل رہے ہوتے ہیں تو اگر ان کا کوئی بزرگ آ جائے تو بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں مدینہ پاک کی ایک شاہراہ کے کنارے کچھ لڑکے اپنی پسند کا کھیل کھیل رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ کہ اچانک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ لڑکوں نے انہیں دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں کھڑے رہے۔ انہوں نے قطعاً بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کی طرف چل دیئے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب بھاگ جائیں۔ مگر وہ اب بھی نہیں بھاگے۔ اور نہ ہی ان کے چہرے پر کسی پریشانی کے اثرات نمودار ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گئے۔

پوچھا۔ بیٹا! مجھ سے تو شیطان ڈرتا ہے۔ دنیا کے سلاطین کانپ جاتے ہیں۔ مگر تم ایک کم سن بچے ہو کر بالکل نہیں ڈرے۔ جبکہ آپ کے دوسرے ساتھی سب بھاگ گئے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کہ اس کے خوف سے بھاگ جاتا۔ دوسرے سڑک اتنی چوڑی ہے کہ میرے نہ جانے یا ہٹنے کے باوجود بھی آپ گزر سکتے ہیں۔ تو پھر میں کس لیے بھاگوں؟

Marfat.com

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بے باکی کے ساتھ خلیفہ وقت سے باتیں کر رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوتے بڑے خوش ہوئے۔ اور انہیں سینے سے لگالیا۔

پھر پوچھا عبداللہ! تم کو اتنی جرأت کے ساتھ خلیفہ سے باتیں کرتے وقت کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔

بالکل نہیں۔ اگر ہم جرأت کے ساتھ اپنے حکمرانوں کے ساتھ بات نہ کر سکیں گے تو اپنے حقوق کا مطالبہ کیسے کر سکیں گے۔ اور خلیفہ کو اس کی غلطیوں سے کیسے آگاہ کر سکیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شاباش دی اور ان کی پیٹھ ٹھونکی۔

تاریخ نے ثابت کر دیا کہ یہ وہی نوجوان تھا جس نے 73 سال کے بڑھاپے میں دنیا کے سفاک اعظم حجاج بن یوسف سے دو دو ہاتھ کر دکھائے اور تن تنہا دس ہزار کی فوج سے دو دن تک مقابلہ کرتا رہا۔

یہ حوصلہ اور جرأت حق و صداقت کو اختیار کرنے والوں میں ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور انہیں ہر قسم کی آلودگیوں سے اپنے دامن کو پاک کرنا ہوتا ہے۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوصلے کی قدر ان کے بچپنے میں نہ کرتے تو شائد حجاج بن یوسف کو کھری کھری سنانے والا کوئی نہ ہوتا۔

آج کل ایسی جرأت کون کرنے دیتا ہے۔ امیر سلطنت تو کیا ضلع کا حاکم اگر کسی عدالت میں چلا جائے تو اکثر افسر جلیس کرسی عدالت چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

88041

Marfat.com

مزدور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن امرائے سلطنت کے درمیان بیٹھے تھے۔ (بعض کے نزدیک مسند خلافت پر بیٹھے تھے) امور ریاست پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں اسود عنسی (جھوٹا مدعی نبوت) نے آگ میں ڈال دیا تھا اور آگ ان پر گلزار بن گئی تھی۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیرت و کردار اور ریاست کے معاملات میں مشورے دیا کرتے تھے۔

آپ آئے تو آتے ہی فرمایا۔

السلام علیکم !اے مزدور!

حاضرین میں سے ہر ایک نے سر اٹھایا۔ اور ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ کہ انہوں نے یہ الفاظ کیسے کہے ہیں۔ انہوں نے ایسا کہنے کو برا محسوس کیا۔ سب یک زبان ہو کر بولے۔

اے ابو مسلم خولانی! ایسا انداز تخاطب بے ادبی کا حامل ہے۔ آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا۔

السلام علیکم !اے امیر المومنین!

حاضرین نے دیکھا تو ابو مسلم خولانی کے لبوں پر تبسم تھا۔ آپ نے پھر فرمایا۔

السلام علیکم !اے مزدور۔

جب دوسری بار پھر ابو مسلم خولانی نے وہی الفاظ دھرائے۔ تو قبل اس کے کہ حاضرین محفل انہیں دوبارہ منع کریں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقیقت حال کو سمجھ گئے آپ نے لوگوں کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ فرمایا۔

ابو مسلم نے جب بھی کوئی بات کہی ہے پُر از حقیقت کہی ہے۔ اسے نہ روکو۔ کہ وہ کیا کہتا ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر ہی کہہ رہے ہیں۔

سب لوگ چپ ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ اب وہ

Marfat.com

چاہتے تھے کہ ابو مسلم اپنی بات کی وضاحت کریں گے۔

اب آپ نے فرمایا اے معاویہ بن ابو سفیان! کیا تم اس سے زیادہ کچھ اور ہو کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو اجرت پر رعایا کی نگہبانی کے لئے اسی طرح مقرر کیا ہے۔ جس طرح بکریوں کی نگہبانی کے لئے کوئی چرواہا ہوتا ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر جھکا دیا۔ فرمایا۔ ابو مسلم تم سچ کہتے ہو۔ میں واقعتہً ایک مزدور ہی ہوں۔

مگر حاضرین میں سے کسی نے کہا۔ ابو مسلم! اگر آپ کی طرح سب لوگ خلیفہ وقت کو مزدور کہنا شروع کر دیں تو خلیفہ کا احترام دل سے نکل جائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے آپ سے نہیں کہا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مزدور ہے۔ اور نہ ہی میں نے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تو بس آپ کے خلیفہ کو یہ بات یاد رکھنے کے لئے کہا ہے کہ اپنے آپ کو ایک مزدور سمجھے رکھنا۔ مزدور کی چھٹی کسی وقت بھی ہو سکتی ہے۔ مگر جو مزدور اجرت سے زیادہ کام کرے۔ اسے مالک لمبی مدت تک کام پر لگائے رکھتا ہے۔

لوگوں نے دیکھا تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

اللہ اکبر! ایک مخلص مشیر نے کس انداز سے راز شاہی بتا دیا۔ آج کے حکمران یہ جانتے ہوتے بھی کہ وہ اگلے انتخابات تک ہیں پھر بھی مطلق العنان بن کے بیٹھتے ہیں۔ ان کی طبع نازک پر ذرا سی راست گفتاری بھی گراں گزرتی ہے۔

ایسے لگتا ہے حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہنے جو بات کہی اس کے پیش نظر قرآن حکیم کے یہ اصول اور اعتقاد تھا۔ کہ حکومت اللہ کی امانت ہے اور تم صرف امین و نگہبان ہو۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

کھری بات

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک اپنے بیٹے ایوب بن سلیمان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ بھی تشریف لے آئے (آپ خلیفہ سلیمان کے چچازاد بھائی ہیں) بڑے خوشگوار ماحول میں گفتگو ہونے لگی۔ کہ ایک اور شخص آیا جو امراء سلطنت میں سے تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سلیمان بن عبد الملک اس نووارد کی طرف متوجہ ہوا۔

پوچھا۔ کیا کسی خاص اور اہم امر پر کوئی بات کرنی ہے؟

اس نے کہا۔ بعض خلفاء کی بیویاں وراثت کا مطالبہ کرتی ہیں۔

خلیفہ نے کہا تو پھر؟

میرے خیال کے مطابق انہیں ان کی وراثت ملنی چاہیے۔

نہیں۔ انہیں کہہ دیں۔ ان کے لئے وراثت نہیں۔ جائداد میں عورتیں ورثہ نہیں پاتیں۔ وراثت کے حق دار صرف بیٹے ہوتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہوگئے فرمایا۔

سلیمان! سبحان اللہ۔ قرآن مجید کی نص کے خلاف بات کرتے ہو۔ اور قرآن مجید کہاں ہے۔ میں آپ کو بیویوں کی وراثت کا پتہ دیتا ہوں۔

سلیمان نے غلام سے کہا۔ جاؤ عبد الملک نے اس کے متعلق جو تحریر لکھی ہے وہ اٹھا لاؤ۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ نے طنزاً کہا گویا آپ عبد الملک کا قرآن منگوائیں گے۔

یہ طعنہ بیٹے ایوب بن سلیمان کو برا لگا۔ وہ آگ بگولہ ہو گیا کہنے لگا۔ امیر المؤمنین کی خدمت میں ایسی طنزیہ باتیں اچھی نہیں ہیں۔ اگر دوبارہ کوئی ایسی بات کرے گا تو چشم زدن میں اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ نے ذرا کرخت آواز میں کہا۔ ایوب! سنو! شاید باپ کے بعد تم خلیفہ بنو۔ اگر تم ایسی غلط باتوں کی حمائت کرو گے تو رعایا کو تمہارے باپ کی نسبت زیادہ صدمہ

Marfat.com

پہنچے گا۔

خلیفہ وقت بولے۔ ایوب تم چپ رہو۔ عمر سے ایسی باتیں نہ کرو عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اسے یہ باتیں کرنے دو۔ میں حق کے معاملے میں ان سے مرعوب نہیں ہوں گا۔ ہر بات کا جواب کھری بات سے دوں گا۔ اور میں خلیفہ پر بھی یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قرآن و سنت کے خلاف ایک بات بھی عمر کے ہوتے ہوئے برداشت نہیں کی جائے گی۔

کہا۔ میں پھر اس مقام پر آتا ہوں جہاں سے اس تلخ کلامی کا آغاز ہوا ہے۔ خلفاء کی بیویوں کا وراثت میں حصہ نص قرآنی سے بنتا ہے۔ اگر آپ نہیں دیں گے تو خدا کے ہاں مجرم ہوں گے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

(وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ)

"ترجمہ اور تمہاری عورتوں کے تمہارے متروکہ سے چوتھائی ہے اگر نہ ہو تمہاری اولاد۔ تو اگر ہو تمہاری اولاد تو انہیں آٹھواں ملے گا۔"

حاکم وقت کو تو چاہیے کہ ایسی عورتوں کے ترکے ان لوگوں سے لے کر دے جو دبائے بیٹھے ہیں چہ جائیکہ خود حاکم وقت دبا بیٹھے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمن خان

Marfat.com

عمل کی کسوٹی

زیاد بن سفیان جب بصرہ کے گورنر بنے تو انہوں نے اپنا اولین خطبہ بصرہ کی جامع مسجد میں دیا۔ خطبہ کے آخر میں انہوں نے اعلان کیا کہ

لوگو سنو! اگر تم راہ راست پر آ گئے تو میں تمہارا خادم ہوں۔ میرے دروازے ہر سائل۔ ہر حاجت مند اور ہر شکایت کرنے والے پر کھلے ہیں۔ جس وقت چاہو میرے پاس آؤ۔ میں تمہاری ہر شکایت سنوں گا۔ اور تمہارے ساتھ انصاف کروں گا۔

مصر کے ممتاز لوگوں اور امراء میں سے عبداللہ بن اتم بھی اس محفل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملانے اور خوشامد کرنے کی عادت تھی۔ جونہی گورنر نے اپنی بات مکمل کی۔ وہ کھڑے ہو گئے بولے۔

اے امیر بصرہ! میں خدا کو شاہد مان کر کہتا ہوں کہ حکمت اور خطابت کے پورے جواہر آپ کو عطا ہوئے ہیں۔ کیا بات ہے؟ آپ نے خوش کر دیا ہے۔ اور پھر یہ وعدہ کہ آپ سائلوں اور حاجت مندوں پر اپنے دروازے کھلے رکھیں گے۔ کس قدر خوش کرنے والا اور حوصلہ افزاء ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں ہمارا ہر طرح کا تعاون اور حوصلہ آپ کو حاصل رہے گا۔

ابھی عبداللہ بن اتم اپنی بات ختم کر کے بیٹھا ہی تھا کہ گورنر زیاد بن سفیان پھر کھڑا ہو گیا۔

کہا۔ زیاد! جو تم نے میرے حسن خطابت کی تعریف کی ہے۔ وہ تمہارے جھوٹ پر دلالت کرتی ہے۔ خطابت کی خوبیاں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بخشی تھیں۔ میں تو بس ایک عاجز بندہ ہوں۔

گورنر بصرہ کی تقریر سننے والوں میں ایک عام شہری احنف نامی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کھڑا ہوا اور کہا۔

اے سردار بصرہ! آپ نے جو اپنی دونوں تقریروں میں باتیں کی ہیں وہ ٹھیک بھی ہو سکتی ہیں اور غلط بھی۔ لہٰذا ہم آپ کی ان باتوں پر فی الحال یقین نہیں رکھتے۔ کیونکہ ابھی ہم نے آپ کی باتوں کو عمل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔ آپ نے جو فرمایا ہے۔ خدا کرے ٹھیک ہو۔ مگر جب آپ

Marfat.com

ان باتوں پر عمل کر کے دکھائیں گے تو ہمیں آپ انشاءاللہ اپنا دست وبازو پائیں گے۔

زیاد بن سفیان اٹھا اور اس سادہ سے آدمی (احنف) کے قریب گیا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا۔

میرے دوست تم نے کتنی اچھی بات کہی ہے۔ میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ آپ یقین جانیں مجھے ہر معاملے میں آپ اپنے ساتھ پائیں گے۔

احنف نے کہا۔ لیکن یہ یقین بھی آپ کے عمل سے پختہ ہوگا۔

خوشامدی لوگ حکام کے مزاج کو بگاڑتے ہیں۔ خوشامد کی آڑ میں جتنا مفاد وہ خود حاصل کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ نقصان عوام کا ہوتا ہے۔ وہ حکام کو الٹے سیدھے ایسے مشورے دیتے ہیں جن سے رعایا کا خون چوسنے میں تقویت ملتی ہے۔ اور ان کے ان کاموں کی تعریف کرتے چلے جاتے ہیں جن کے نتائج سراسر عوام کے خلاف ہوتے ہیں۔ حکام چونکہ ایسے ہی لوگوں کی خوشامدوں کے پردے کے پیچھے رہتے ہیں۔ اور عوام کے احوال اور مسائل سے بے خبر۔ اس طرح عوام اور حکام دونوں ہی اندھیرے میں پھنسے رہتے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

ککڑیاں

خلیفہ معتضد باللہ کسی سفر میں جارہا تھا۔ فوجی سپاہیوں کی ایک خاصی تعداد اس کے ساتھ تھی۔ رستے میں ککڑیوں کے کھیت تھے۔ پیلے رنگ کی ککڑیوں کی خوشبو ہر گزرنے والے کو دعوت خوردن دے رہی تھی۔

سپاہیوں کے اژدہام اور ان کے گھوڑوں کے چلنے سے اٹھنے والے گرد و غبار نے بعض سپاہیوں اور بادشاہ کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا تھا۔ کچھ سپاہی چلتے چلتے جلدی سے نیچے اترے اور حسب منشاء ککڑیاں چوری کر لیں۔ ایسے بہت سے سپاہیوں کی اس حرکت کو کھیت کے مالک نے دیکھ لیا۔

وہ بھاگا آیا۔ دیکھا تو گزرگاہ کے قریب کوئی بھی پکی ہوئی ککڑی نہ تھی۔ اب کھیت کے مالک نے شور مچایا۔ معتضد نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں۔ اور شور مچانے والے کا آنے تک انتظار کیا۔ معتضد نے اس سے شور مچانے کی وجہ پوچھی۔

کسان نے کہا آپ کے سپاہیوں نے میرے کھیت کا ستیاناس کر دیا ہے۔ معتضد نے پوچھا کیا تم کھیت کو نقصان پہنچانے والوں کو جانتے ہو؟

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

معتضد نے کہا پہچان کر بتاؤ۔

کسان نے تین سپاہیوں کی نشان دہی کی۔

معتضد نے انہیں قید میں ڈال دیا۔

اگلے دن بغداد کے ایک چوک میں لوگوں نے تین لاشیں پھانسی پر لٹکی ہوئی دیکھیں۔ ہر ایک نے یہی گمان کیا کہ ان سپاہیوں کی لاشیں ہیں جنہوں نے ککڑیاں توڑی تھیں۔ بہتوں نے اتنی زیادہ سزا کو ناپسند کیا۔ اور بعض کہنے لگے بگڑے ہوئے معاشرے کے برے لوگوں کو ایسی ہی سزا دینی چاہیے۔ تاکہ غریبوں کو سکون میسر ہو۔ علی ہذا القیاس ایک ہفتہ تک خوب چہ میگوئیاں

Marfat.com

ہوتی رہیں۔اور تبصرے بھی ہوتے رہے۔

معتضد کے قریبی حلقے میں ایک امیر نے دبی زبان میں کہا کہ دو چار ککڑیوں کی چوری میں تین سپاہیوں کو پھانسی پر لٹکا دینا بادشاہ کی نادانی پر محمول ہوتا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔ہاں واقعی جرم کے مقابلے میں ایسی سزا زیادہ سخت ہے۔ مگر تم اس بات کو راز میں رکھنا کہ جن سپاہیوں نے ککڑیاں توڑیں وہ قید میں بند ہیں۔اور جن کی تم نے لاشیں دیکھی ہیں وہ قتل کے مجرم تھے۔ان پر قصاص واجب تھا۔انہیں ہر حال میں قتل کیا جانا تھا۔

میں نے راتوں رات ایک آدمی بھیج کر ان کو قید سے منگوایا اور پھانسی دلوادی۔اور فوجی سپاہیوں کو ڈرانے کے لئے مشہور کر دیا کہ انہیں چوروں کو پھانسی دی گئی ہے۔ تاکہ رعایا کے مال پر دست درازی اور ان پر زیادتی کرنے کی جرات آئندہ نہ کریں۔

پھر ککڑیاں چرانے والوں کو قید سے منگوا کر دکھایا۔ازاں بعد یہ بات راز میں رہی اور اس کا لوگوں کے دلوں پر اچھا اثر پڑا۔

آج چوری، ڈکیتی اور قتل تک کے واقعات ہوتے ہیں۔ مگر اولاً تو ایسی وارداتیں کرنے والے پکڑے نہیں جاتے اور اگر پکڑے بھی جائیں تو باعزت طور پر بری کر دیے جاتے ہیں۔اور ایسے لوگوں کو پھر سے اس طرح کی وارداتوں سے کا موقع مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

پُل

امیہ بن زید قرشی فرامین شاہی لکھا کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریبی حلقوں میں بیٹھا کرتے۔ اس قربت نے انہیں کچھ بے تکلف بھی کر دیا۔ ایک دن وہ خلیفہ سے کہنے لگے۔

اے امیر المومنین! مسلمانوں پر اللہ کریم کا یہ بڑا احسان ہے کہ انہیں آپ جیسا نیک خلیفہ مل گیا ہے۔ آپ کی پرہیز گاری۔ ثقاہت۔ رحمدلی اور بردباری و حلم مثالی ہے۔ مگر آج رات کو میں نے جو خواب دیکھا ہے اس سے میں سہم گیا ہوں۔

کیوں۔ کیا ہوا۔ کیا خواب دیکھا ہے؟

عرض کیا۔ درگاہ خداوندی میں آپ کو سزا ملنے کا خواب۔ میں تو پریشان ہو گیا کہ یہ عمر نہیں ہو سکتے۔ اتنے نیک خلیفہ کو سزا کیسے؟ اگر یہ سزاؤں کے مستحق ہیں تو دوسروں کا کیا حشر ہو گا۔ میں تو پہچانتا رہ گیا کہ یہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نہیں ہو سکتے۔ مگر نقشہ مہرہ آپ کا ہی نظر آتا رہا۔

امیر المومنین مسکرا دیئے۔ فرمایا امیہ! تم نے درست خواب دیکھا ہے۔ واقعی مجھ سے ایسی بھول ہو گئی تھی جو یقیناً قابل سزا تھی۔ مگر اب مجھے یقین ہے کہ مجھے میرا رب اس سزا سے محفوظ رکھے گا۔

کیسی بھول اے امیر المومنین!

فرمایا۔ بات یوں ہوئی کہ شہر کے باہر والے پُل میں ایک چھوٹا سا سوراخ بن گیا تھا۔ ایک گڈریا اپنی بھیڑیں اور بکریاں لے کے گزرا تو اس کی ایک بکری کا پاؤں اس سوراخ میں پھنس گیا۔ جسے بکری نے نکالنے کی کوشش کی مگر نہ نکلا بلکہ ٹوٹ گیا۔ بکری نے چیخنا شروع کر دیا۔

گڈریئے نے اس کے پاؤں کو باہر نکالا۔ پھر مجھے کوسنے لگا۔ مجھے سخت سست کہنے لگا۔ کہ یہ کیسا خلیفہ ہے۔ کہ اسے پل کے ٹوٹنے کی خبر تک نہیں ہے۔ یہ تو میری بکری کا پاؤں ٹوٹا ہے۔ کسی انسان کی ٹانگ بھی ٹوٹ سکتی تھی۔

Marfat.com

مجھے پتہ چلا تو میں ایک عام آدمی کے روپ میں اس کے پاس گیا۔اس کی خیریت دریافت کی۔وہ ابھی غصے میں تھا۔اس نے پھر میرے سامنے مجھے کوسنا شروع کیا۔اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ جسے برا بھلا کہہ رہا ہے۔وہ خود اس کے سامنے کھڑا ہے۔میں نے بڑے تحمل سے کام لیا۔اس کی بکری کی مرہم پٹی کرنے میں اس کی مدد کی۔اس کے نقصان کا معاوضہ ادا کیا۔اب وہ مجھے دعائیں دینے لگا۔

اس نے کہا۔آپ جیسا شخص خلیفہ ہونا چاہئے۔وہ عمر (عمر بن عبدالعزیز) تو ویسے ہی خلیفہ بن گیا ہے۔اسے کیا خبر رعایا کی خبر گیری حاکم وقت کے فرائض میں شامل ہے۔

میں نے اس سے کہا۔بابا! تم خواہ مخواہ خلیفہ پر ناراض ہو رہے ہو۔وہ تو بہت نیک شخص ہے۔

کہنے لگا۔ہوگا نیک۔نمازیں پڑھتا ہوگا۔نمازیں پڑھنے سے آدمی نیک تھوڑا بن جاتا ہے۔بندوں کے کام آنے میں اصل نیکی پوشیدہ ہے۔دیکھو تم نے میری مدد کی ہے۔تم نیک ہو۔تم کو خلیفہ ہونا چاہئے۔اللہ تمہیں امیر المومنین بنائے۔

میں نے اس سے کہا۔بابا! کیا تم میرے اس کام سے بہت خوش ہو۔

کہنے لگا۔ہاں ہاں...... میں آپ سے بہت خوش ہوں۔اللہ تمہیں جنت نصیب کرے۔

میں نے کہا اگر تم مجھ پر خوش ہو تو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا قصور معاف کردو۔

اس کا غصہ پھر بیدار ہو گیا کہا۔

کیوں معاف کردوں۔وہ تمہارا کیا لگتا ہے۔میں تو اسے قیامت تک معاف نہیں کروں گا۔

وہ میرا دوست ہے۔خدا کے لئے اسے معاف کردو۔

کہنے لگا۔اچھا آپ کی خاطر اسے معاف کرتا ہوں۔مگر اسے سمجھا دینا کہ حکومت محلوں میں بیٹھ کر نہیں کی جاتی۔غریبوں کے دکھوں میں شریک ہوا کرے۔

پھر میں نے اسے مزید کچھ رقم دی۔یہ رقم اس کے معاف کرنے کا انعام تھی وہ بہت خوش ہو گیا۔مگر برا ہوا ابراہیم بن عقبہ کا کہ اچانک آکر مجھے امیر المومنین کہہ کے آداب بجالایا۔اب اس گڈریئے کو پتہ چل گیا۔کہ میں ہی وہ شخص ہوں جسے تھوڑی دیر پہلے وہ کوس رہا تھا۔اب اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑنے لگا۔اس نے میرے آگے ہاتھ باندھ دیئے۔معافیاں مانگنے لگا۔

تاہم میں نے اسے سمجھایا کہ میں خلیفہ نہیں ہوں۔خلیفہ تو آپ کا عمر بن عبدالعزیز ہے۔

Marfat.com

میرا نام تو محض عمر ہے۔اور ابراہیم کو بھی مجھے سمجھنے میں دھوکہ ہوا ہے۔

اے امیہ! چونکہ میرے اس دوست گڈریئے نے میرا قصور مجھے معاف کر دیا ہے۔ لہٰذا میرا اللہ بھی مجھے معاف کر دے گا۔ میرے لئے بہتر دعا کرنا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ حکومت اور رعایا کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔ ٹی وی اور اخبارات باہم ملاقات کرواتے ہیں۔ مگر اس حد تک کہ وہ عام آدمی کے روپ میں عوام تک پہنچ کر اس کے حالات سے آگاہ نہ ہو سکیں۔اور انہیں بھی خود ساختہ مسائل سے کہاں فرصت ہے۔ کہ وہ حاجت مندوں کی تکالیف سے آگاہ ہو سکیں۔یا کارپردازان وقت کی زیادتیوں کو بے حجابانہ دیکھ سکیں۔

فضائل عمر بن عبد العزیز
از عبد الرشید شیخ

Marfat.com

احساس و فکر

لا پھر اک بار وہی بادہ جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
اقبال

Marfat.com

محفل سرود و نغمہ

سلجوقی فرمانروا ملک شاہ نغمہ وسرود سے بھی ذوق رکھتا تھا۔ اور اچھے مغنیوں کو انعامات سے بھی نوازا کرتا تھا۔ انہیں دنوں ایک مصری مغنیہ کا بڑا شہرہ تھا۔ اس کا گانا بڑی اونچی محفلوں میں خاص اہتمام سے سنا جاتا تھا۔ ملک شاہ کے کانوں میں جب اس کے حسن اور آواز کی شہرت کی خبر پہنچی تو اسے اپنے دربار میں بلانے کا پروگرام بنایا گیا۔

یہ پروگرام دو محفلوں کا تھا۔ ایک عمومی محفل اور دوسری خصوصی محفل عمومی محفل میں امراء وزراء کی شمولیت ہو سکتی تھی۔ مگر خصوصی محفل صرف ملک شاہ کے لئے تھی۔

مغنیہ آئی تو واقعۃً وہ حسن کی دیوی تھی۔ گوری رنگت کے گال ستواں ناک۔ موٹی موٹی آنکھیں اور سیاہ لمبی زلفیں ہر اہل نظر کو دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ لمبی صراحی نما گردن کہ پانی پئے تو ایک ایک گھونٹ حلق سے نیچے اترتا دکھائی دے۔ اور پھر آواز کی نغمگی میں کیا جادو بھرا تھا کہ قبروں کے مردے بھی قیامت سے قبل جاگ پڑتے تھے۔

عمومی محفل میں مردوں کی تاک جھانک اور چھیڑ چھاڑ خوب رہی جسے ملک شاہ نے پسند نہیں کیا۔ یہ ناپسندیدگی اس لئے نہ تھی کہ مردوں کی یہ حرکت زیبا نہیں ہے بلکہ اس لئے تھی کہ اس مغنیہ میں خود ملک شاہ دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا اس سے چھیڑ چھاڑ کرے۔ یہی وجہ تھی کہ اس محفل کو مختصر کر کے جلدی ختم کر دیا گیا۔

اب کھانا وانہ کے بعد ملک شاہ کے ذاتی کمرے میں یہ محفل جمی۔ اس محفل میں صرف ملک شاہ اور مغنیہ تھے۔ سلطان کی نیت میں فتور آ گیا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ مغنیہ کو اپنے بازوؤں میں لے لینا چاہتا تھا۔ مگر مغنیہ نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا بلکہ کہا۔

ایسے لگتا ہے میرا حسن سلطان کو اچھا لگنے لگا ہے۔

سلطان نے کہا ہاں بالکل درست ہے۔ تو نے میرے دل کی بات بوجھ لی ہے۔

مگر میں سلطان سے عرض کروں گی جو چیز اسے پسند آ گئی ہے اسے دوزخ کی آگ میں جھلنے

Marfat.com

سے بچائے۔اور پھر میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ مجھے پسند کرنے والا بہادر بادشاہ کا پُر وجاہت چہرہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے۔ سلطان اس بات سے یقیناً آگاہ ہوگا۔ کہ حلال وحرام کے درمیان صرف ایک بول کا فاصلہ ہے۔اگر سلطان زبردستی کرے گا تو اس کی رعایا کی کوئی بہو بیٹی محفوظ نہیں رہے گی۔اس کی رعایا کی ہر عورت یا تو اس کی ماں ہے یا بہن یا بہو ہے یا بیٹی۔ یہ سب رشتے بڑے مقدس ہیں حکمران ان رشتوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں پائمال کرنے والے نہیں۔

سلطان کے دل میں یہ بات اتر گئی کہا کہ تم سچ کہتی ہو۔ واقعی حرام و حلال میں ایک بول کا فاصلہ ہے۔

اسی وقت قاضی کو بلا کر اس سے نکاح کر لیا۔ یہی حرام اور حلال کے درمیان ایک بول (نکاح) کا فاصلہ تھا۔

نغمہ وسرود کا فن اگرچہ روح کی غذا بنتا ہے مگر فحاشی کا عنصر شامل ہو جائے تو بربادی کی حدیں زیادہ دور نہیں ہوتیں۔اس نغمہ وسرود نے تاج وتخت کو دوسروں کے حوالے کر دیا ہے۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

طاؤس ورباب کو اگر آخر میں بھی مقام دیں تو بھی مصری مغنیہ کی بات پر عمل کرنا ہوگا۔

آج ہمارے معاشرے پر اس سرود و نغمہ سے پیدا ہونے والی بے حیائی مسلط کر دی گئی ہے۔ سوچیں اس کا ذمہ دار کون ہے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

افطاری

خلیفہ قادر باللہ کی زندگی کا معمول تھا کہ وہ رمضان کے مہینے میں افطاری کا بہت سا سامان منگوالیتا۔ اس کے تین حصے کرتا۔ ایک حصہ اپنے لئے رکھتا تھا۔ دوسرا حصہ جامع رصافہ میں اور تیسرا حصہ جامع بغداد میں رہنے والے مسکینوں کے لئے بھیجتا تھا۔

اس کے اپنے حصے میں محل کے سارے افراد شامل ہوتے جن میں کنیزیں، لونڈیاں، غلام اور ملازم ہوتے تھے۔

جیسے جیسے خلیفہ کی اس عادت کا لوگوں کو پتہ چلتا گیا جامع رصافہ اور جامع بغداد میں افطاری کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ مگر خلیفہ نے کبھی بھی اس کام سے ہاتھ نہیں کھینچا۔ بلکہ سامان رسد میں اضافہ کرتا رہا۔

ایک دن خلیفہ کو یہ اطلاع ملی کہ جامع رصافہ کے ایک نوجوان نے خلیفہ کے بھیجے ہوئے سامان افطار میں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا ہے۔ خلیفہ کو بڑی حیرانی ہوئی۔ کہ اس نوجوان نے ایسا کیوں کیا ہے۔ شائد یہ نوجوان زیادہ متوکل ہو اور شاہی سامان افطار اس کی نظر میں مشکوک ہو۔

دوسرے دن خلیفہ خود بھی ایک مسکین کے روپ میں جامع رصافہ میں پہنچا وہ اس نوجوان کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔

خلیفہ کے کارندے جب افطار کا سامان لے کر جامع رصافہ میں آئے تو سارے مساکین اونچے ہو ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ اور جب یہ سامان تقسیم ہونے لگا۔ تو بے شمار ہاتھ کھڑے ہو گئے۔ مگر ایک نوجوان بڑے سکون کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جب اسے اس کا حصہ دیا جانے لگا تو اس نے آج بھی انکار کر دیا۔ خلیفہ تو اس نوجوان کی تلاش میں تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ دن بھر کا بھوکا نوجوان کیا کھاتا ہے۔ یہ روزہ کس سے افطار کرتا ہے۔ خلیفہ اس کے قریب ہو کے بیٹھ گیا۔ جب روزہ افطار ہوا تو خلیفہ نے چند کھجوریں اس کے آگے رکھیں اور افطار کی دعوت دی۔ نوجوان نے پڑھا۔ (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ) اور کھجوریں کھالیں۔

Marfat.com

نماز پڑھنے کے بعد نوجوان مسجد سے باہر نکلا خلیفہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ نوجوان نے ایک دروازے پر دستک دی اور کچھ کھانے کو مانگا۔

خلیفہ بڑا حیران ہوا کہ معاملہ کیا ہے۔ میرا بھیجا ہوا کھانا تو یہ کھاتا نہیں ہے مگر بھیک مانگ کے کھانے کو ترجیح دیتا ہے۔

گھر کی خاتون نے اسے کھانا دیا اور وہیں بیٹھ کے کھانے لگا۔ اب خلیفہ اس کے قریب گیا۔ پوچھا۔

نوجوان! آپ کے اس عمل میں کیا بھید ہے کہ جو کھانا خلیفہ کے پاس سے آپ کی مسجد میں آتا ہے۔ اس سے تو تم ہاتھ کھینچ لیتے ہو مگر بھیک مانگ کے کھاتے ہو جبکہ بھیک مانگنا ہمارے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

نوجوان نے کہا۔ کہ خلیفہ جب کھانا بھیجتا ہے اس وقت روزہ کے افطار میں آدھا گھنٹہ باقی ہوتا ہے۔ اس وقت مجھے کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ مگر جب مجھے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت خلیفہ کا کھانا تقسیم ہو چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا بھوک کی احتیاج کے تحت میں مانگ لیتا ہوں۔

یہ بات سن کر خلیفہ رو دیا۔ پھر فراش سے کہا کہ ایسے لوگوں کا دھیان رکھا کرو۔ ان کا کھانا قبول کرنے کو غنیمت سمجھو اور افطار کے وقت تک ٹھہرے رہا کرو۔

اب فراش کا معمول بن گیا کہ افطار کے وقت اس نوجوان کو کھانا دے کر واپس آتا۔ مگر ایسا کرنے سے وہ فراش خود وافر کھانا کھانے سے محروم رہ جاتا تھا۔ ایک دن اس نوجوان کا کھانا کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دیا کہ افطاری کے وقت اسے دے دے۔ اور خود چلا گیا۔

خلیفہ نے جب اسے افطاری سے قبل شاہی کارندوں کے درمیان میں دیکھا تو خلیفہ اس پر بڑا برہم ہوا اور اسے نوکری سے چھٹی دے دی۔

ظاہری طور پر معمولی سی کوتاہی پر یہ سزا زیادہ لگتی ہے مگر اچھے حکمران فرائض میں معمولی کوتاہی بھی برداشت نہیں کرتے۔ اس سے بہت سے دوسرے لاپرواہ ملازم بھی چوکنے رہتے ہیں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

قندیلیں

عباسی خلیفہ منصور کی فرد حساب میں اسراف و تبذیر کی کوئی حد نہ تھی۔ بلکہ اس کی احتیاط بخل تک پہنچ گئی تھی۔ اپنے گھر والوں کو ہدایت کرتا تھا کہ اپنے مال کی حفاظت کرو اس کو بچاؤ اور بے کار ضائع نہ کرو۔ اس کا یہ رویہ صرف گھر تک محدود نہ تھا بلکہ تمام شعبہ ہائے حکومت میں بھی اس کا یہی طرز عمل تھا۔

اخراجات میں احتیاط کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ایک مرتبہ محل کے پھاٹک میں داخل ہوا تو تین قندیلیں روشن تھیں۔ منصور وہیں کھڑا ہو گیا۔ سوچنے لگا۔ پھاٹک کے رستے میں تین گنا روشنی کے لئے تین گنا تیل جلانے میں کیا تک ہے۔ ایک چراغ کی روشنی بھی گزرنے والوں کی خوب رہنمائی کر سکتی ہے۔ اسی وقت حکم دیا کہ پھاٹک میں صرف ایک قندیل روشن کی جایا کرے۔ دوسری دو قندیلیں اسی وقت بجھا دی گئیں۔

یہ بات قہرمان نے بھی سن لی۔ اس نے سوچا جس طرح بادشاہ تین گنا روشنی کو پسند نہیں کرتا اسی طرح ناشتہ کا خرچ بھی اگر دو تہائی کم کر دیا جائے تو یقیناً بادشاہ خوش ہو گا۔ اور مجھے شاباش ملے گی۔

اس نے واقعتہ دو تہائی کھانا ناشتہ کے لئے کم تیار کیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ صبح کا ناشتہ وابستگان دولت کو پورا نہ آ سکا دو تہائی لوگ ناشتہ نہ کر سکے۔ ایک شور مچ گیا۔

بادشاہ کو اس صورت حال کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً قہرمان کو طلب کیا اور پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

اس نے جواب دیا۔ آپ نے شب کو قندیلوں پر اعتراض کیا تھا میں نے خیال کیا جب تیل کی مقدار مقرر کر دی گئی ہے۔ تو ممکن ہے کھانے کی مقدار بھی مقرر کر دی گئی ہو۔

منصور نے بگڑ کر کہا تم بیکار تیل جلنے اور کھانے میں فرض نہیں کر سکتے۔ زیادہ پکا ہوا کھانا صرف بچ سکتا ہے۔ ضائع نہیں ہو گا کسی دوسرے کے کام آ سکتا ہے یا کسی دوسرے وقت کے لئے

Marfat.com

رکھا جاسکتا ہے۔ مگر تیل تو بہر حال ضائع ہو گا۔ مجھے حیرانی اس بات کی ہو رہی ہے کہ تمہیں اس کام پر کیوں کر مقرر کیا گیا ہے۔ اسے اسی وقت سات کوڑے لگوائے اور باورچی خانے کے کام سے فارغ کر دیا گیا۔

اندازہ کریں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری تقریبات میں کس قدر فضول چراغاں کیا جاتا ہے۔ اور کس قدر توانائی بے کار جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دفاتر میں صرف ایک افسر کے لئے اے۔ سی کا خرچہ ترقی پذیر ملک کے خزانے پر کس قدر بوجھ ہے۔ اور پھر بڑے افسروں کے دفاتر کی ڈیکوریشن پر اٹھنے والے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ ان اخراجات کو کم کر کے قومی خزانے کو مستحکم کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر سرکاری دفاتر میں بعض ایسے ملازم بھی ہیں جن کی عقل مفقود ہے۔ ان سے بھی نجات حاصل کرنی چاہیے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

غلام

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جنگی انتظامات کے معائنہ کے بعد کھانا کھاتا تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ظہر کی نماز پڑھتا تھا اور اس کے بعد ایک صحبت ہوتی جس میں حدیث یا فقہ پڑھی جاتی تھی۔ اس معمول میں کبھی کوتاہی نہ ہوتی تھی۔

برج عیون کے معرکہ میں ایک دن جنگی کام کے معائنہ میں خاصی دیر ہو گئی جب خیمہ میں آیا تو آرام کا وقت گزر چکا تھا۔ کھانا اس نے کھایا نہیں تھا۔ نماز ظہر کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ لہٰذا جلدی جلدی دستر خواں بچھایا اور چند لقمے حلق سے نیچے اتارے۔ نماز ظہر ادا کی۔ تھکاوٹ مجبور کر رہی تھی کہ آرام کرے مگر چند مقربین خاص بھی بیٹھے تھے۔ جن کی موجودگی میں آرام کرنا معیوب خیال کیا۔

اسی اثناء میں ایک غلام کسی مجاہد کی درخواست لے کر حاضر ہوا اس نے سلطان کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ایسی حالت میں وہ درخواست پیش کرے یا نہ کرے۔

چونکہ غلام اس بات سے آگاہ تھا کہ آپ بڑے حلیم الطبع اور بردبار ہیں اس لئے غصہ نہیں فرمائیں گے۔ اس نے یہ درخواست آگے بڑھادی۔

سلطان نے درخواست پڑھے بغیر کہا۔ میں اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں کل اس پر غور کریں گے۔

غلام نے عرض کیا حضور کارروائی خواہ کل کریں مگر اسے پڑھ لیں تاکہ اس پر سوچ بچار کا وقت مل سکے۔

سلطان نے درخواست دیکھی اس میں کوئی خاص بات نہ لکھی گئی تھی۔ درخواست گزار نے اپنے کسی استحقاق کا مطالبہ کیا تھا۔

سلطان نے کہا۔ ہاں یہ اس کا حق بنتا ہے۔ حق دینے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

غلام نے عرض کیا۔ اگر مستحق ہے تو ابھی حکم صادر فرمادیں۔

Marfat.com

سلطان نے کہا اس وقت قلم دوات میرے پاس نہیں ہے۔

غلام نے عرض کیا قلم دوات خیمہ میں پڑی ہے۔ اگر اجازت ہو تو لے آؤں۔

ہاں جاؤ پکڑ لاؤ۔

چنانچہ اسی وقت احکام صادر فرما دیئے گئے۔

یہ دیکھ کر ایک مصاحب نے کہا سلطان کا اخلاق خلق نبوی ﷺ کا نمونہ ہے۔

سلطان نے کہا اس کام کرنے میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا اور ایک شخص کی حاجت جلد پوری ہو گئی ہے۔

آج مختلف امور (نوکریاں، تبادلے، داخلے، شکایات اور استحقاق وغیرہ) کی درخواستیں مانگ تو لی جاتی ہیں لیکن عمل محض اس لئے روک دیا جاتا ہے کہ رشوت کی بھاری رقوم ملیں۔

اس سے بے چینیاں بڑھتی ہیں۔ اور محکمے بدنام ہوتے ہیں اور جلدی سے درخواست پر عمل کر دیا جائے تو اس عہد حکومت کی نیک نامی ہو۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

شراب

الملک الصالح کا انتقال 577ھ میں ہوا اس وقت اس کی عمر 19 سال کی تھی۔ اس نے صرف ڈیڑھ سال تک حکومت کی۔ مگر وہ بڑا سعید حکمران تھا۔ بڑا پاکدامن تھا۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا اور حکماء اس کے علاج معالجے میں مصروف ہوئے تو ایک حکیم نے تجویز کیا کہ ملک الصالح کی بیماری سے صحت یابی میں شراب کا استعمال ضروری ہے۔ اس کے لیے اس نے دوسرے حکیموں سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی کہا کہ آپ کی تحقیق درست لگتی ہے۔ مگر سلطان اس کی حرمت کے پیش نظر استعمال نہیں کرے گا۔

یہ تو ٹھیک ہے مگر سلطان کی زندگی بھی بڑی عزیز ہے۔

دوسرا حکیم جھٹ سے بولا اگر علماء سے فتویٰ حاصل کر لیا جائے تو یقیناً سلطان کو اسے بطور دوا استعمال کرنے میں اعتراض نہیں ہوگا۔

چنانچہ بادشاہ سے مشورہ کیے بغیر علماء سے فتویٰ حاصل کر لیا گیا۔ کہ اگر کوئی جان خطرے میں ہو تو شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

شراب کے استعمال میں حکیموں کی تجویز اور علماء کے فتویٰ کی اطلاع کسی طرح سے بادشاہ کو ہو گئی۔

سلطان نے سارے حکیموں کو طلب کر لیا۔ فرمایا

یہ بات میرے علم میں آئی ہے کہ آپ میری دوائیوں میں ایک جزو شراب کو بھی استعمال کرنے والے ہیں۔ یاد رکھو اگر تم نے شراب کو استعمال کیا تو صحت یاب ہونے کے بعد میں سب سے پہلے تم پر حد قائم کروں گا۔

ایک حکیم نے مولویوں کا فتویٰ پیش کر دیا

سلطان نے فرمایا۔ ہاں مجھے آپ کے اس طرز عمل کا پتہ بھی چل گیا ہے مگر میں آپ سے اور مولوی حضرات سے یہ ضرور پوچھوں گا۔ کہ کیا اس شراب کے استعمال سے میری موت کا

Marfat.com

وقت ٹل سکتا ہے

فقہاء نے کہا۔ نہیں۔

ملک الصالح نے کہا جب موت کا وقت ٹل نہیں سکتا تو تم میرے جسم میں اس چیز کو داخل کیوں کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

اور سنو! میرا گمان ہے کہ شراب کے استعمال کے بغیر میں اللہ سے مل سکتا ہوں اور شائد میری بے بسی کے پیش نظر میرا اللہ مجھے معاف کر دے مگر شراب کے استعمال سے تو اللہ مجھے اپنے قریب تک نہ آنے دے گا۔ جب قربت نہ ہو گی تو میری بے بسی پر اسے کیسے ترس آئے گا۔ لہٰذا اگر میری موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ تو مجھے مرنے دو۔ اور بغیر شراب کے مرنے دو۔ اب اس دنیا میں میری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ذمے جو کام اللہ نے سونپے تھے وہ ختم ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اس دنیا سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔

آج یہ کہا جاتا ہے کہ انگریزی ادویات میں شراب کو ضرور شامل کیا جاتا ہے متقی لوگ انگریزی ادویات کا استعمال نہیں کرتے۔ اور پھر عام حالات میں شراب کا استعمال کرنے والوں کے لیے اس واقعہ میں لمحہ فکریہ ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

حجلہ عروسی

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ نے 579ھ میں اپنے سب سے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقہ کرک پر فوج کشی کی۔ اور بڑی جلدی کرک کا محاصرہ کر لیا۔ اس کی شہر پناہ بڑی سنگین اور مستحکم بنی ہوئی تھی۔ ریجی نالڈ کو یقین تھا کہ اس کی تسخیر بڑی مشکل ہے۔ سلطان اس پر گولہ باری کر کے تہس نہس کر دینا چاہتا تھا۔ مگر کسی ذریعہ سے سلطان کو خبر ہو گئی کہ آج رات بادشاہ یروشلم امالی مارک کی سوتیلی بہن از بیلا کی شادی کی تقریب کا جشن منایا جا رہا ہے۔ دولہا اور دلہن یہیں تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ نے فوجوں کو منع کر دیا کہ آج ہرگز شہر پر گولہ باری نہ کی جائے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ عمل ناگزیر بن جائے تو جس برج میں دولہا اور دلہن ہیں وہاں ہرگز ہرگز تیر نہ پھینکے جائیں۔

حالانکہ یہ ایسا موقعہ تھا کہ کرک شہر تسخیر کیا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ بعد میں اس کے خلاف ہوا کہ فرنگی فوجوں کی آمد پر یہ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

یہ بات گو جنگی حکمت عملی کے خلاف ہوئی مگر اخلاقی اعتبار سے اسلامی سپاہ کے سپہ سالار کا کردار ضرور تاریخ میں محفوظ ہو گیا

آج کے بدکردار لوگ ایسے موقعوں (شادی۔ بیاہ) پر ڈاکے ڈال کر گھروں کو لوٹ لیا کرتے ہیں۔ اور مہندی لگی دلہنیں جہیز سے محروم رہ جاتی ہیں۔ یا بعض حالات میں ان دلہنوں کے سہاگ بھی لوٹ لیے جاتے ہیں۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ نے دشمن کی ایسی خوشی کو پائمال نہیں کیا۔

تاریخ از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

آمدنی

نور الدین زنگی رحمتہ اللہ بیت المال کی حفاظت میں اس کا اہتمام خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمونہ تھا۔ ایسی عظیم الشان سلطنت اور اس کے وسیع ذرائع دولت اور بے شمار آمدنی سے اپنے لیے صرف اس قدر لیتا تھا کہ جتنا از روئے شریعت علماء نے اس کی اجازت دی تھی۔ اس سے ایک حبہ بھی زیادہ نہ لیتا تھا۔ اس محدود آمدنی میں اپنے اخراجات پورے کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی تھوڑی سی ذاتی ملکیت تھی جو اس نے مال غنیمت سے خریدی تھی۔ لیکن اس کی آمدنی بھی محدود تھی کہ اس کے اخراجات پورے نہ ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ اس کی بیوی نے کہلا بھیجا کہ سلطان جو گھر کے مصارف کے لیے رقم دیتا ہے وہ اخراجات کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس میں کچھ اضافہ کیا جائے۔

یہ سن کر نور الدین زنگی کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے جواب میں کہا۔ کہ اس سے زیادہ کہاں سے لاؤں۔ اگر وہ (بیوی) سمجھتی ہے کہ میرے پاس جو مال ہے وہ میرا ذاتی ہے تو غلط ہے۔ یہ سب مسلمانوں کا مال ہے۔ اور ان ہی کے مصالح کے مصارف کے لیے ہے۔ میں صرف اس کا خزانچی اور امین ہوں۔ اس میں خیانت کر کے اس کے لیے جہنم کا ایندھن نہیں بنوں گا۔

حمص میں میری کچھ دکانیں ہیں جو میری ذاتی ملکیت ہیں۔ ان کا کرایہ اس قدر تھوڑا ہے کہ میں وہ بھی گھریلو اخراجات میں شامل کر دیتا ہوں۔ میری بیت المال کی آمدنی کا تم کو پتہ ہے۔ آج کے بعد میں حمص والی دکانیں آپ کے نام ہبہ کر رہا ہوں۔ پھر ان سے جو کرایہ وغیرہ وصول ہو وہ اپنی مرضی سے خرچ کرنے میں تم مختار ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

گھریلو اخراجات اور بیوی کی فرمائشیں انسان کو اس قدر مجبور کر دیتی ہیں کہ انسان حلال و حرام میں امتیاز کرنا بھول جاتا ہے۔ لیکن ہمیں فخر ہے کہ ہمارے اکابر نے ایسی ایسی مثالیں پیش کر کے ہمارے سر بلند کر دیئے ہیں۔ اللہ کرے ہم بھی ان کے اسوہ سے سبق حاصل کریں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

ہدایت نامہ

عباسی خلیفہ منصور (ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور) ذی الحجہ 95ھ میں پیدا ہوا ذی الحجہ 136ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اسے وہم ہو گیا تھا کہ اس کی موت ذی الحجہ میں ہو گی۔ اس لیے وہ ہر سن کے ذی الحجہ سے قبل اپنے معاملات کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگتا۔ اور مہدی (محمد بن منصور الملقب بہ مہدی) کو امور مملکت کے بارے میں وہ باتیں جو کار حکومت کے منافی ہوتیں انہیں ترک کرنے کی تلقین کرتا۔ چنانچہ 158ھ کے ذی الحجہ سے بہت پہلے ایک مرتبہ مہدی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے جانور ہیں اور کس قسم کے ہیں۔

مہدی نے کہا۔ مجھے پتہ نہیں۔

منصور نے کہا یہ تمہاری بڑی تقصیر ہے۔ تم مستقبل قریب میں ایک عظیم سلطنت کے سر براہ بننے والے ہو۔ جب تمہیں جانوروں کا حال معلوم نہیں تو خلافت کو تم اور بھی ضائع کر دو گے۔ کسی سلطنت میں مختلف طبائع کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے تقاضے اور خواہشیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کی نفسیات کو سمجھنا ہوتا ہے۔ یہ باتیں تم کو اب تک جانوروں کے کھیل سے جان لینی چاہیں تھیں۔

علاوہ ازیں جونہی ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا منصور نے ایک ہدائت نامہ مہدی کو دیا اور خود حج کے قصد سے نکل گیا۔ واقعتہً ایسا ہی ہوا۔ اس کا وہم صحیح نکلا۔ راستہ میں بیمار ہوا اور بیئر معونہ پہنچ کر مر گیا۔ اس وقت وہ احرام باندھ چکا تھا اس لیے برہنہ سر دفن کیا گیا۔

اس کی وفات کے بعد جب مہدی تخت پر بیٹھا تو اس نے جب مہدی (باپ) کا ہدائت نامہ نکالا اور پڑھا تو وہ یوں تھا۔

بیٹا! محمد ﷺ کی امت کی حفاظت کرنا اس کے بدلہ میں خدا تمہارے کاموں کی حفاظت کرے گا۔ حرام اور خونریزی سے ہمیشہ بچنا کہ یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ اور دنیا میں بھی ایسا عار ہے جو کبھی نہیں مٹتا۔ حلال کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ کیونکہ اس میں تمہارے لیے آخرت میں

Marfat.com

بھی ثواب ہے۔اور دنیا میں بھی بھلائی ہے۔اعتدال سے نہ بڑھنا کہ اس میں ہلاکت ہے۔اگر خدا کو حدود کے علاوہ دوسری ایسی چیز معلوم ہوتی جو اس کے مذہب کے لیے زیادہ موزوں اور اس کے گناہوں پر تنبیہ کرنے والی ہوتی تو اپنی کتاب میں ضرور اس کا حکم دیتا۔خدا کا غضب سب سے زیادہ اپنی بادشاہت کے لیے تیز ہے۔اس لیے اس نے ایسے شخص کے لیے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہوں نے عذاب اور عتاب کا حکم دیا ہے۔چنانچہ فرماتا ہے۔

(اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ) (المائدہ:33)

”ترجمہ:وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے۔اور زمین (ملک) میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں،یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں۔یا زمین سے دور کر دیئے جائیں۔دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

پس بیٹا! بادشاہت خدا کی حبلِ متین اس کا عروہ الوثقیٰ اور دین قیم ہے اس کی حفاظت کرنا۔اسے مضبوط کرنا۔اس کے لیے مدافعت کرنا اس میں فتنہ ڈالنے والوں کو سزا دینا۔اس سے بھاگنے والوں کی بیخ کنی کرنا۔اور نکلنے والوں کو عذاب دے کر اور مثلہ کرنا لیکن خدا نے جو قرآن میں حکم دیا ہے۔اس سے تجاوز نہ کرنا۔عدل کے ساتھ حکومت کرنا اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا۔کیونکہ یہ باتیں شور و فتن کو روکنے والی۔دشمن کو تباہ کرنے والی۔اور کارگر دوا ہیں۔

جب مہدی تخت نشین ہوا تو اس نے سب سے پہلے اس وصیت کی تعمیل کی،اور قیدیوں کو رہا کر کے انہیں انعام و اکرام سے نوازا اس کا اثر عام رعایا پر بہت اچھا پڑا۔

جن حکمرانوں نے حکومت کرنے میں اللہ کی کتاب سے رہنمائی حاصل کی ہے انہوں نے بڑے سکون کے ساتھ عوام کی خدمت کی ہے۔اور جنہوں نے ظالم مشیروں کو رہنما بنایا وہ خسارے میں رہے ہیں۔آج ہم امریکی ہدایات کے مطابق کار حکومت چلا رہے ہیں لہٰذا استحکام نہیں ہے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

ترازو کی کان

حضرت امام ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق خلیفہ الظاہر بامر اللہ نے ایک سال سے بھی کم عرصہ تک حکومت کی۔ مگر خلفائے راشدین کے ادوار کی روایات عدل وانصاف کو زندہ کر دیا۔ انہوں نے لوگوں کا وہ تمام مال واملاک جو اس کے باپ دادا نے ضبط کیا تھا۔ یا خرچ کیا تھا ان کے اصل مالکان یا بصورت موت ان کی اولاد کو واپس کر دیا۔ ان کے لگے ہوئے اضافی ٹیکس منسوخ کر دیئے

اس خلیفہ کے زمانہ میں ایک مستحق امداد کو بیت المال میں سے غلہ دیا گیا۔ اس نے گھر جا کر جو اس کا وزن کیا تو غلہ کم نکلا۔ یہ کمی کوئی زیادہ کمی نہ تھی کل وزن بیس سیر کا تھا مگر کمی صرف 12 رتی کی تھی۔ اس نے وہ غلہ اٹھایا اور خلیفہ کے پاس لے گیا۔

عرض کیا۔ حضور! مجھے بیت المال سے جو غلہ دیا گیا ہے۔ اس کا وزن کم ہے۔ خلیفہ نے یہ نہیں پوچھا کتنا کم ہے۔ فوراً غلہ تولنے والے کو بلایا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ ترازو ساتھ لے کر آئے۔

خلیفہ کے سامنے جب اس کا وزن کیا گیا تو وزن پورا نکلا۔ شکائت کرنے والا شرمندہ ہو گیا۔
عرض کیا۔ حضور! مجھے معاف فرمایا جائے شائد میری ترازو میں فرق ہو۔
ترازو کے فرق کی بات ہوئی تو خلیفہ نے فرمایا اب ذرا پلڑے تبدیل کر کے وزن کرو۔ اب شکائت کنندہ کی بات درست ہوئی۔ وزن واقعی کم تھا۔

ترازو کو دیکھا تو اس میں نصف قیراط (3 رتی) کی کان تھی۔ خزانہ کا عملہ ایک مدت سے یوں کر رہا تھا کہ غلہ لیتے وقت ہلکے پلڑے سے تول لیتا تھا اور دیتے وقت بھاری پلڑے سے تول کر دیتا تھا۔

خلیفہ نے افسر خزانہ کو ہدائت کی کہ ان سب لوگوں کو بلا کر ان کے غلوں کی کمی پوری کی جائے۔ جن کو کم وزن دیا گیا ہے۔

Marfat.com

وزیر خزانہ نے بیت المال سے دیئے گئے ایسے غلے کی کمی کا حساب لگا کر رپورٹ بھیجی تو اس میں لکھا کہ ترازو کی یہ کمی ایک عرصہ سے چلی آرہی ہے اس اعتبار سے 35 ہزار دینار دینے پڑتے ہیں۔ اس بات سے وزیر خزانہ کا خیال یہ تھا کہ اتنی کثیر رقم سن کر خلیفہ اپنے ارادہ سے باز رہے گا۔

مگر خلیفہ نے جواب میں لکھا کہ پینتس ہزار کیا اگر پینتس کروڑ دینار بھی واپس دینا پڑیں تو تامل نہ کریں۔

خلیفہ کے دور اقتدار سے پہلے کی ترازو میں یہ کان تھی۔ جس کا علم صرف افراد خزانہ کو تھا۔ اور وہی اس سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ مگر جب یہ بات خلیفہ کے علم میں آئی تو آخرت میں اس کے حساب کی فکر خلیفہ کو ہو گئی۔ وہ دنیا میں ہی یہ حساب بیباق کرنے کی فکر کرنے لگا۔

آج اولاً تو ترازو کی ایسی کان کو کان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ دوسرے یہ کہ بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ ہمارے معاملات سے اس کا تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے کارندے جو ترازو اور اوزان چیک کر کے پاس کرتے ہیں اس میں ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ یا حساب کتاب میں جمع و تفریق کی غلطی کا احساس اگر ادائیگیوں کے بعد ہو تو اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ بینکوں میں اب اکثر روپوں کے اوپر والے پیسے نہیں دئے جاتے۔ نہ جانے دنوں مہینوں اور سالوں کے بعد یہ رقم کہاں تک پہنچتی ہو گی۔

12 رتی کم غلہ لینے والے شخص کی بات شکائت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ خلیفہ نے اس کا شکریہ ادا کیا، کہ اس نے یہ بات اس کے علم میں لا کر اس کی آخرت سنوارنے میں مدد کی ہے۔

مگر آج ایسی بات کو کون برداشت کرتا ہے۔ ایسی بات کرنے والے کو یا تو کمینہ یا سفلہ کہا جائے گا یا شکائت سمجھ کر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے۔ اور اسلاف کی سیرتوں سے سبق لینے کی توفیق بخشے۔

داستان عمل۔ از ایم عبدالرحمن خان

Marfat.com

بیگار

ایک دن خلیفہ مامون الرشید اپنے خفیہ نویسوں کی ڈاک دیکھ رہا تھا۔ کہ اسے ایک رپورٹ اس نوعیت کی ملی کہ فلاں سپاہی نے ایک شخص کو بیگار پر لے جانے کے لیے مجبور کیا۔ مگر اس نے کہا کہ وہ بیگار پر نہیں جا سکتا کیونکہ اگر وہ اس کے ساتھ جائے گا۔ تو اس کے بیوی بچے بھوکے رہ جائیں گے۔

اس کا انکار سپاہی کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس پر زور زور سے کوڑے برسانے شروع کر دیئے۔

اس غریب شخص نے بڑے درد بھرے لہجہ میں چلا کر کہا ہائے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم کہاں ہو؟

اسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور یاد آ گیا۔ جبکہ ایسی بیگاریں نہیں لی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ ایسے واقعات کی خبریں فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ جاتی تھیں۔ یہ ندا دینے میں اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ اس ظالم سپاہی کی زیادتی کی خبر خلیفہ وقت مامون الرشید تک کیوں نہیں پہنچ رہی ہے۔

اس رپورٹ پر خلیفہ مامون الرشید کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے فوراً دونوں کو طلب کیا۔ وہ غریب آدمی کانپ رہا تھا۔ کہ نہ جانے کہ خلیفہ اس کے ساتھ کیا کرے؟

خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ یہ جو تم نے "واعمر! یعنی ہائے عمر تم کہاں ہو" کہا ہے۔ تو کیا تمہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عدل یاد آیا تھا۔

اس نے "ہاں" میں سر کو ہلا دیا۔

مامون الرشید نے کہا۔ اے شخص اگر میری رعایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رعایا جیسی ہوتی تو میں بھی وہی عدل کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر کہا۔ آؤ! ادھر میرے پاس آؤ۔

وہ آہستہ قدموں کے ساتھ آگے بڑھا۔ خلیفہ نے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ کہا۔ سپاہی کا

Marfat.com

ظلم میری وجہ سے آپ پر ہوا ہے۔ اگر سپاہی کو میرے کوڑے کا علم ہوتا۔ تو وہ اپنا کوڑا آپ پر نہ برساتا۔ آئندہ آپ ایسا نہیں دیکھ پائیں گے۔ یہ قصور خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔

خلیفہ نے قصور معاف کروالیا۔ تو ایک تھال میں بہت سی نقدی اس کی خدمت میں پیش کی۔ فرمایا۔ جس فراخ دلی کے ساتھ تم نے میرا قصور معاف کیا ہے۔ اسی فراخ دلی کے ساتھ اسے قبول کر لو۔

اس غریب آدمی نے یہ ساری دولت اپنی جھولی میں ڈال لی۔ اور چلا گیا اب خلیفہ نے سپاہی کو بلایا۔ پوچھا۔ جانتے ہو تمہیں کس مقصد کے لیے ملازم رکھا گیا ہے۔

سپاہی چپ تھا۔

خلیفہ نے کہا۔ اگر نہیں جانتے ہو تو سنو! تم نے مظلوم کو ظالم کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ مگر تم تو خود ظالم بن گئے ہو۔ تمہاری ایسی خدمات کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ جاؤ آج سے تم فارغ ہو۔

سپاہی نے ہاتھ باندھ کر بار بار عرض کیا کہ ایک بار اس کا قصور معاف فرمادیں مجھے بحال رکھیں۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ مگر خلیفہ نہیں مانا۔ بلکہ کہا۔ اگر تم جیسے دوسرے ملازمین کا ایک ایک قصور معاف کرتا رہوں تو بہت سے لوگ جوان کے ظلموں کا شکار ہوں گے مجھے اچھے لفظوں میں یاد نہیں کریں گے۔ جاؤ میں نے تم پر زیادہ سختی نہیں کی ورنہ جتنے کوڑے تم نے اسے مارے ہیں اتنے ہی تمہیں مارے جاتے۔ پھر اسے واپس گھر بھیج دیا گیا۔

آج کی حکومتیں اپنی رعایا سے بدگمان رہتی ہیں۔ وہ رعایا کی تکلیف دور کرنے کی بجائے اپنی حکومت کے استحکام کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ وہ اپنی پولیس سے اپنی حکومت کے استحکام کے کام لیتی ہیں اور خفیہ پولیس کے کارندے بھی رعایا کی تکلیف کی خبریں حاکم وقت تک نہیں پہنچاتے بلکہ وہ وہ خبریں پہنچاتے ہیں جو حکومت کے مفاد میں ہوتی ہیں۔ عہدے تو وہی سابقہ اچھی حکومتوں والے ہیں مگر سوچ اور کام بالکل بدل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سوچ اور درست فکر عطا فرمادے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمن خان

Marfat.com

ٹھوکر

ایک بار حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت مسجد میں تشریف لائے۔ ابھی خوب اندھیرا تھا۔ آنکھوں کے سامنے ہر چیز واضح دکھائی نہ دیتی تھی۔ مسجد میں کوئی شخص سویا ہوا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ نہ چلا آپ نے اس سے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے سنبھلے۔ کہ وہ شخص بولا

ارے کیا تو اندھا ہے؟

خلیفہ وقت کو مشتعل کرنے کے لیے یہ الفاظ کافی تھے۔ مگر یہ عالی ظرف خلیفہ بڑے تحمل سے بولا۔

بھائی میں اندھا تو نہیں ہوں۔ اندھیرے کی وجہ سے غلطی ضرور ہو گئی ہے۔ اسی غلطی سے ٹھوکر کھائی ہے۔

وہ شخص بڑی سختی سے بولا۔ غلطی کیوں کی۔ ٹھوکر کیوں کھائی۔ تمہاری اس غلطی سے خواہ میری جان نکل جاتی۔ دیکھتے نہیں ہو۔ کس قدر بوڑھا ہوں۔ ہڈیوں کا پنجر بنا ہوا ہوں۔

بس بابا جی غلطی ہو گئی ہے۔ میں اعتراف کر رہا ہوں۔ اور آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ خدارا میرا قصور مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ محتاط رہوں گا۔ دیکھ کر چلا کروں گا۔ اور قدم پھونک کر رکھا کروں گا۔

وہ شخص بولا۔ آپ معافی مانگ رہے ہیں۔ اور احتیاط کرنے کا وعدہ بھی کر رہے ہیں۔ اگر میں آپ کا قصور معاف نہ کروں تو تم کیا کرو گے۔

فرمایا۔ میں تمہاری منتیں بھی کروں گا۔ خوشامد بھی کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کو معافی پر رضامند کر لوں گا۔

اس بوڑھے نے کہا۔ آخر کیوں؟

فرمایا۔ تاکہ قیامت کے دن حق عباد کا مجھ سے مواخذہ نہ ہو۔ اور مجھے آتش دوزخ کا ایندھن

Marfat.com

نہ بننا پڑے۔

اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصور معاف کر دیا۔ اور آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور نوافل پڑھنے لگے۔ اور ایک دوسرا شخص جو دوسرے کونے میں یہ گفتگو سن رہا تھا۔ اس بوڑھے بابا کے پاس آیا کہنے لگا۔

بابا! جانتے ہو جس پر تم ناراض ہو رہے تھے۔ وہ کون تھا۔

بابا نے کہا۔ مجھے کیا خبر کون تھا؟ مجھے ٹھوکر لگانے والا۔

وہ امیر المومنین تھے۔

بابا نے کہا۔ اچھا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ چلو اچھا ہوا۔ یہ ٹھوکر لگی اس کے کام آئی۔ خلافت احتیاط سے کرے گا۔

بابا کو اس بارے میں ذرا بھر افسوس نہیں ہوا کہ اس کی سخت گفتگو سے خلیفہ کوئی انتقامی کاروائی کریں گے۔ بلکہ خوش ہوا کہ وہ ٹھوکر کھا کر اس کے کام آیا ہے۔ یعنی خلیفہ وقت کو آئندہ محتاط رہنے کا احساس دلایا ہے۔

ایسے حاکم اور رعایا کے لیے آفرین ہے۔ کہ اتنے عظیم خلیفہ میں رعونت نہیں ہے۔ وہ ایک عام آدمی سے تحمل سے اور عاجزی سے گفتگو کرتے ہیں۔ اور وہ عام آدمی (بوڑھا بابا) حاکم وقت سے خائف نہیں ہے۔ اور پتہ چل جانے پر بھی کوئی پریشانی اور پشیمانی نہیں ہے۔

مگر آج ایسے لوگ کہاں! سائیکلوں۔ موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں پر چلنے والے لوگ رستے کے کتنے بچوں اور بوڑھوں کو روند جاتے ہیں۔ روند کر ان کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ اور اگر پکڑے جائیں تو قصور انہیں کا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خود اپنی غلطی اور بے احتیاطی کا اعتراف نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ کوئی امیر۔ عہدہ دار یا حاکم ہو۔ وہ تو ایسے غریبوں کے زخموں کی پرواہ کیا کریں گے۔ الٹا گاڑی کے نقصان کا مطالبہ کریں گے۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمٰن خان

Marfat.com

بچوں کا وظیفہ

قحط کے دنوں میں مدینے کے گرد و نواح کی بستیوں کے کچھ لوگ مدینہ کی عید گاہ میں خیمے لگائے بیٹھے تھے۔ رات کے وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیمہ بستی کی طرف آئے۔ تو ایک خیمہ کے اندر ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بچے کی والدہ کی طرف گئے۔ اور کہا کہ آپ کا بچہ رو رہا ہے۔ اسے چپ کراؤ۔

ماں نے بچے کو بہلانا شروع کر دیا۔ بچے کو بہلانے کے سوا ماں کے پاس اور کیا کام ہو سکتا ہے۔

دونوں آگے بڑھ گئے مگر اس بچے کی آواز برابر آتی رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا کہ بچہ کی ماں سے کہیں کہ وہ بچے کو رونے نہ دیں۔ وہ جو چیز مانگتا ہے اسے دیدے۔

پھر جب یہ دونوں صاحب واپس آئے تو دور سے ہی اس بچے کے رونے کی آواز انہوں نے سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا دکھ ہوا کہ نہ جانے اس بچے کو کیا تکلیف ہے۔ کہ روتے ہی جا رہا ہے۔ یقیناً اس کے پیٹ میں درد ہو گا۔

دونوں پھر اس بچے کی ماں کے پاس یہ بتانے کے لیے آئے کہ اس کے بچے کے پیٹ میں کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ آخر آپ کا بچہ اس قدر کیوں روتا ہے۔

عورت نے جل بھن کر کہا۔ آخر آپ لوگ مجھ سے کیوں بچے کے رونے پر سوال کرتے ہیں ٹھیک ہے میرا بچہ ہے آپ کو اس سے کیا لینا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ نہیں۔ خاتون! بچوں سے اللہ کے رسول کو بڑی محبت تھی۔ انہیں ان کا رونا تکلیف دیتا تھا۔ بچے کے رونے پر تو مسلمان کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔

Marfat.com

اب عورت نے کہا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ میں اس بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

کیا قبل از وقت

ہاں۔ وقت سے پہلے۔

مگر کیوں؟ کیا وجہ ہے۔ اس سے آپ کو کیا فائدہ دکھائی دیتا ہے؟

چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دودھ پیتے بچوں کا وظیفہ نہیں لگاتے۔ بچے کا دودھ چھڑاؤں گی۔ تو اس کا وظیفہ لے سکوں گی اور پھر اس وظیفے سے ہماری بھی گزر ہوتی رہے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت افسوس ہوا۔ کہ غریب لوگوں کے بچے محض اس وجہ سے پوری مدت تک دودھ نہیں پی سکتے کہ ان کے نام پر وظیفہ حاصل کر سکیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو ہی آنسو تھے۔

اس عورت سے کہا۔ صبح خلیفہ عمر کے پاس آنا۔ آپ کے بچے کا وظیفہ لگ جائے گا۔

خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری بات کب سنے گا۔ کتنے دنوں سے قحط کے مارے یہاں پڑے ہیں۔ اس نے ہماری وات تک نہیں لی۔ کیا یہ اس کا فرض نہیں بنتا کہ وہ بھوکوں کی خبر گیری کرے۔

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور افسوس ہوا۔ بہر حال دوسرے دن وہ عورت اپنے بچے کو ساتھ لے کر آئی۔ اور آپ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ آئندہ ہر شیر خوار بچے کا وظیفہ لگا دیا جائے۔ اور کوئی ماں پوری مدت دودھ پلائے بغیر دودھ نہ چھڑائے۔

ماں کا دودھ بچے کی عین طبیعت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں رحم اور محبت کا عنصر بھی ہوتا ہے۔ اور مردانہ شجاعت کا جوہر بھی۔ اچھی صحت اور بہتر بڑھوتری اسی دودھ سے زیادہ ممکن ہے۔ جو مائیں اپنا دودھ پلانے سے گریز کرتی ہیں۔ وہ بچوں پر ظلم کرتی ہیں۔

بچوں کی زندگی پر نئی نسل اور نئی ملت کا انحصار ہے۔ حکومتیں بچوں کی جان اور صحت کے منصوبے بناتی ہیں۔ مگر آج کی حکومتیں آبادی کے خوف سے بچوں کی پیدائش پر پابندی لگا رہی ہیں۔ اگر والد کے دو ہاتھ بچوں کی کفالت آج کرنے سے عاجز ہیں تو کل اس کے اپنے بچوں کے زیادہ ہاتھ خاندان کی قسمت اور تقدیر سنوار سکتے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

بیوی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب عراق فتح ہوا تو مال غنیمت میں آنے والی کنیزیں جو مسلمان مجاہدین کے حصے میں آئیں ان میں سے اکثر عیسائی مذہب پر قائم رہیں۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز بڑی خوبصورت عورت تھی۔ آپ نے اس سے نکاح کر لیا۔ مگر اس کنیز نے نکاح کے وقت یہ شرط رکھی کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہے گی۔

اس شرط کو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول کر لیا تھا۔ ایسے ہی بعض دوسرے مسلمانوں نے ان کنیزوں سے شادیاں کیں جو عیسائی ہی رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان شادیوں کی اطلاع پہنچی۔ تو آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا میں ایسی مخلوط شادیوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس خط کے جواب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ امیر المومنین کی یہ ناپسندیدگی شرعی حکم کے تحت ہے یا خلیفہ کی ذاتی رائے ہے۔

جواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ کہ یہ میری ذاتی رائے ہے شرعی حکم نہیں ہے۔

اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ اے امیر المومنین ہم مسلمان ہیں آپ کی ذاتی رائے کے پابند نہیں ہو سکتے۔

آپ نے مزید اصرار نہیں کیا۔ تاہم اپنی دو یہودی عورتوں کو نکاح سے خارج کر دیا۔ کہ وہ مسلمان ہونے پر رضامند نہیں ہوتی تھیں۔

اسلام مذہبی آزادی پر پابندی نہیں لگاتا۔ تاہم پسند یا ناپسند کا معیار کسی شخص کا اپنا ہے۔ جس عورت کو بیوی بن کے آپ کی زندگی میں داخل ہونے سے اتنی قربت مل جائے اس کے لیے آپ کے قیمتی راز چرانا کوئی مشکل نہیں ہیں۔ غیر مسلم دنیا میں عورت کو اس مقصد کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ لہٰذا احتیاط بہت ضروری ہے۔

Marfat.com

کسی ملکی سربراہ کے پاس زیادہ قیمتی راز ہوتے ہیں۔ اور ایسی عورتیں انہیں کی زندگی میں داخل ہوتی ہیں ان کی مسکراہٹ طرز ادااور ظاہری فداکاری کے مقابلے میں شائد ایسے رازوں کی قیمت آپ کے نزدیک کچھ نہ ہو مگر قومی اعتبار سے کیا خبر وہ کتنے گراں قدر ہوں۔

دربار عمر کے فیصلے

Marfat.com

ضمانت

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں دو آدمی ایک نوجوان کو پکڑ کر لائے۔ کہ وہ ان کے باپ کا قاتل ہے۔

عرض کیا۔ اے امیر المؤمنین ہمیں انصاف چاہیے۔

اس نوجوان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ نوجوان! کیا تم ان دونوں کا استغاثہ سن رہے ہو۔ تمہیں ان کے الزام کا جواب دینا ہوگا۔ یا اپنی صفائی پیش کرنا ہوگی۔ اگر موجود ہو۔

ملزم نے کہا۔ ہاں۔ ان کے باپ کا قتل میرے ہی پتھر سے ہوا ہے۔ میں کسی امر کی وجہ سے آتش غضب میں تھا۔ میں نے پتھر کسی اور پر پھینکا تھا۔ مگر ان کے باپ کو لگ گیا اور وہ مر گیا۔

آپ نے فرمایا۔ گویا آپ نے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔ تم مجرم ہو۔ ایک شخص کے قاتل ہو۔ آپ پر قصاص لازم ہے۔ اور آپ کو قتل کیا جائے گا۔ یا اگر ورثا خون بہا طلب کریں تو وہ آپ کو دینا ہوگا۔

نوجوان نے کہا کہ خون بہا تو میں ادا نہیں کر سکتا۔ البتہ جان حاضر ہے۔ جب چاہیں میرا سر اڑا دیں۔ مگر ایک التجا ہے کہ میرا چھوٹا بھائی نابالغ ہے۔ اس کی امانت کا سونا جو میرے باپ نے اس کے حصے کا دیا تھا۔ وہ میں نے ایسی جگہ پر چھپا کر رکھا ہوا ہے جس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں ہے۔ مجھے تین دن کی مہلت دیں میں اسے کسی ایسے شخص کے سپرد کر آؤں جو اس کے بالغ ہونے پر اسے لوٹا دے۔ تاکہ قیامت کے دن اس کی ذمہ داری میرے سر نہ رہے۔

آپ نے فرمایا۔ اگر آپ اپنے واپس آنے کی ضمانت دیدیں تو آپ جا سکتے ہیں۔

نوجوان نے سارے حاضرین کو دیکھا کہ کسے ضامن بنایا جائے۔ ان حاضرین میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ نوجوان نے انہیں دیکھ کر عرض کیا کہ میری ضمانت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیں گے۔

خلیفہ وقت نے پوچھا کہ کیا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ضمانت دینا قبول

Marfat.com

کرتے ہیں۔ آپ نے اقرار کر لیا۔ اور وہ نوجوان چلا گیا۔

تین دن گزر گئے۔ چوتھا دن اس کے آنے کا تھا۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا مگر اس نوجوان کے آنے کے آثار دکھائی نہ دے رہے تھے۔

دربار فاروقی میں مجلس قائم ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس مجلس میں بیٹھے ہیں۔ آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔

اے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا آپ اس نوجوان سے واقف ہیں۔ اس کے گھر والوں کا تمہیں علم ہے۔

وہ کہنے لگے۔ نہیں۔ میں نے تو اسے اسی دن پہلی بار دیکھا تھا۔

تو آپ نے اس کی ضمانت کیوں دی۔

محض اس لیے کہ اس نے سب حاضرین میں سے مجھ سے ضمانت مانگی۔ اسے یہ اعتماد تھا کہ میں اس کی ضمانت دے دوں گا۔ میں نے اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔

اگر وہ نوجوان نہ آیا تو قصاص آپ سے لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں اس کے لیے حاضر ہوں۔

اس جواب نے سارے حاضرین کو حیران کر دیا۔ ایک نامعلوم قاتل کی ضمانت دینے پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصاص لیا جائے گا۔ وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ زیادتی ہے۔ بعض لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ لوگو! آپ کے نزدیک ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے گناہ ہیں۔ قصاص میں ان کی گردن مارنے پر مجھے بھی بڑا افسوس ہوگا۔ مگر چونکہ انہوں نے اس شخص کی ضمانت دی ہے جو قاتل تھا۔ اور ابھی تک نہیں آیا۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی کہتا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن کاٹ دی جائے۔

اچانک مشرق کی طرف سے گرد اٹھتی ہوئی دکھائی دی۔ جس میں سے وہ نوجوان گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے بڑی جلدی اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ عرض کیا۔

اے خلیفۃ المومنین! میں اپنے بھائی کے سونے کا انتظام کر آیا ہوں۔ میں نے وہ سونا اور بھائی اس کے ماموں کے سپرد کر دیا ہے۔

Marfat.com

یہ صداقت اور راست بازی دیکھ کر ان دونوں آدمیوں (مقتول کے دونوں بیٹوں) نے اس نوجوان کو معاف کر دیا۔

مگر خلیفہ وقت نے کہا میرے بھائیو! آپ کا باپ قتل ہوا ہے۔ بے شک آپ نے قتل معاف کر دیا ہے۔ مگر میں اس کا خون بہا بیت المال سے ادا کروں گا۔ ان لوگوں نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔

آج کی عدالتیں اکثر اوقات اصلی قاتل تک پہنچنے میں ناکام رہتی ہیں۔ گواہیاں اور وکلاء کیس میں اس طرف کا الجھاؤ پیدا کر دیتے ہیں کہ قاتل بری کر دیا جاتا ہے۔ قاتل بے شک بری ہو گیا مگر قتل کس نے کیا۔ وہ مسئلہ جوں کا توں رہتا ہے۔ مقتول کے وارث مالی اعتبار سے اس قدر کھوکھلے ہو چکے ہوتے ہیں کہ دوبارہ عدالت میں جانے کی ہمت نہیں رکھتے۔ بعض اوقات یہ سوچ بھی قاتل کی مدد کر جاتی ہے۔ کہ ایک شخص تو مر گیا اب دوسرا شخص کیوں مارا جائے اس طرف قتلوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دربار عمر کے فیصلے

Marfat.com

سودا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر شام سے واپس آئے۔ تو مختلف لوگوں کے پاس جا کر اپنی اس عدم موجودگی کے دوران میں مدینے کے حالات پوچھنے لگے۔ کیا کسی غریب کے ساتھ کسی طاقت والے نے زیادتی تو نہیں کی۔ کوئی بے بس سرکاری اہل کار کی زیادتیوں کا نشانہ تو نہیں بنا۔ کیا کسی شر پسند نے اس وقت سے کوئی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھایا۔

اس طرح آپ کی ملاقات ایک بڑھیا سے ہوئی۔ بڑھیا کو یہ تو علم تھا کہ ان کے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مگر یہ نہیں پتہ تھا کہ آج وہ جس شخص سے مخاطب ہے وہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور وہ بڑھیا بھی شائد کچھ دن مدینہ سے باہر رہ کے آئی تھی۔

بڑھیا نے عرض کیا۔ بیٹا! کچھ دن باہر رہ کے آئی ہوں مجھے بتاؤ کہ عمر کا کیا حال ہے؟

آپ نے فرمایا۔ اماں جی! آپ کس عمر کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔

بیٹا! وہی عمر (رضی اللہ عنہ) جنہیں مسلمانوں کا خلیفہ بنایا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کل ہی تو وہ شام کے سفر سے واپس آئے ہیں۔ کیا آپ کو اس سے کوئی کام ہے۔

کام وام کی چھوڑو۔ میں تو کہتی ہوں اسے اس کے کسی بھی اچھے کام کا اجر نہ ملے۔ آپ نے فرمایا۔ کیوں ماں جی! آپ اپنے امیر کے حق میں یہ بددعا کر رہی ہیں۔ کیا اس نے آپ کو کوئی بہت زیادہ تکلیف دی ہے؟ تمہیں اپنے خلیفہ سے کیا شکائت ہے؟

دیکھو بیٹا! میں ایک بے سہارا بڑھیا ہوں۔ وہ میرے حالات سے آج تک بے خبر ہے۔ وہ کیسا خلیفہ ہے۔ کہ اسے حاجت مندوں کی خبر تک نہیں ہے۔ وہ جب سے خلیفہ بنا ہے۔ مجھے ایک کوڑی بھی بیت المال سے نہیں ملی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ایسا لگتا ہے۔ انہیں شائد آپ کا علم نہیں ہے۔ یا شائد وہ آپ کے بارے میں جانتے ہی نہ ہوں۔

Marfat.com

بڑھیا نے کہا۔ خلیفہ مجھے جانتے نہ ہوں! یہ آپ نے خوب بات کہی ہے۔ وہ خلیفہ کاہے کو ہوا۔ جسے اتنی معمولی سی بات کا بھی علم نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ مگر شام کے اندھیرے کے باعث بڑھیا ان بھیگی ہوئی آنکھوں کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ دل میں کہہ رہے تھے۔ کہ عام لوگ بھی کس قدر فقیہہ ہیں کہ اپنے حق کی خاطر مجھ سے جھگڑا کرنے لگے ہیں۔ اور میں کس قدر قرآن کے احکام اور قوانین سے ناواقف ہوں اے عمر! تجھ پر حیف ہے۔

پھر بڑھیا سے فرمایا۔ ماں جی! کیا تم کسی طرح اپنی اس داد خواہی سے دست بردار ہو سکتی ہو۔

بڑھیا نے کہا۔ کیا مطلب؟ بیٹا! میں آپ کی بات کا مطلب سمجھی نہیں ہوں۔ میں اپنی اس داد خواہی سے دست بردار کیسے ہو جاؤں۔ یہ تو اسے خدا کے ہاں پتہ چلے گا کہ کس طرح غریبوں سے اغماض رکھا جاتا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ ماں جی! اپنی داد خواہی سے دست برداری سے میری مراد یہ ہے کہ تم اسے میرے ہاتھ پر بیچ دو۔ بتاؤ اس کی کیا قیمت طلب کرتی ہو۔

بیٹا! لگتا ہے۔ تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ کیا تمہیں مجھ بڑھیا سے ایسے مذاق زیبا ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ماں جی! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ اور نہ ہی دل لگی کر رہا ہوں۔ بلکہ متانت سے بات کر رہا ہوں۔ یعنی میں تمہاری داد خواہی خریدنا چاہتا ہوں۔ بڑی بی! میری بات کا یقین کرو۔ اچھا میں۔ آپ کی اس داد خواہی کی قیمت بیس درہم مقرر کرتا ہوں۔ کیا تم قبول کرلو گی۔ آپ کے لئے یہ نقصان کا سودا تو نہیں ہوگا۔

دوسرے لمحے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بیس درہم نکال کے بڑھیا کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

ابھی یہ بڑھیا ان درہموں کو سنبھال ہی رہی تھی کہ اچانک دو نوجوان ادھر سے گزرے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ وہ جلدی سے آگے بڑھے اور تعظیم کرتے ہوئے کہا۔

السلام علیکم یا امیر المؤمنین! یہ نوجوان حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما تھے۔ اب اس بڑھیا پر راز کھلا کہ وہ جس شخص سے مخاطب تھی وہ تو خلیفہ

Marfat.com

المسلمین تھے یعنی جن کی وہ شکایات کر رہی تھی۔اس کے چہرے پر پشیمانی کا پسینہ آ گیا۔اور اس کے دل میں خوف بھی پیدا ہوا۔اب وہ درہم واپس کرنے لگی۔اور معافیاں مانگنے لگی۔

آپ نے فرمایا۔ماں جی؟ آپ حق پر ہیں۔ آپ کی شکایت درست تھی۔ خلیفہ کو واقعۃً آپ کے حالات سے خود بخود واقف ہونا چاہئے تھا۔اور یہ درہم تو اس سودا کے بدلے میں ہیں جو آپ نے ابھی ابھی مجھ سے کیا ہے۔اگر آپ کو گھاٹا دکھائی دیتا ہے تو میں اور قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔

پھر ایک تحریر لکھی گئی جس پر حضرت علی ابن ابی طالب اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہمانے دستخط کئے۔ تحریر کی عبارت یوں تھی۔ کہ یہ تحریر اس امر کی ہے کہ عمر ابن الخطاب نے سعیدہ بڑھیا سے اپنے عہد خلافت میں اس کی داد خواہی بیس درہم کے عوض خرید لی ہے۔اب اگر بڑھیا بروز حشر دامن یا گریبان پکڑے اور دعویٰ کرے تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ گواہ ہیں۔

ہر عہد حکومت میں غریبوں کو اپنے حکمرانوں سے ایسی شکائتیں رہتی ہیں مگر وہ حاکم ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ شائد اس لئے کہ حشر میں ان سے اس بے توجہی کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔اور یہ احساس یقیناً اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کی نسبت دنیوی اور مغربی تعلیم کے خوگر ہیں۔ جن حکمرانوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ ہر راعی سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تو وہ اتنی لاپرواہی نہیں دکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔اور ہر سطح پر جو ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسے ادا کرنے کا احساس پیدا کرے۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمن خان

Marfat.com

عظمت انسان کا احترام

خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں ایک مہمان رجا بن حیواۃ آئے ہوئے تھے۔ کمرے میں باتیں کرتے کرتے باتیں لمبی ہو گئیں۔ عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ نے خادم سے کہا آپ کے آرام کا وقت ہو گیا ہے۔ جا کر سو جاؤ۔ خادم ان کے پہلو میں بے فکر ہو کر لیٹ گیا۔ نیند کی شہزادی نے تھپکیاں دیں اور وہ گہری نیند سو گیا۔ یہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رات زیادہ بیت گئی۔ پھر دفعۃً چراغ جھلملانے لگا۔ اس کی روشنی مدھم ہونے لگی۔ شائد وہ بھی جل جل کر تھک گیا تھا۔ اور زبان حال سے کہنے لگا کہ آپ بھی سو جائیں اور مجھے بھی آرام کرنے دیں۔

مگر نہیں ایسا نہیں تھا۔ کام کرنے والے لوگ روشنی ساری ساری رات بیدار رکھتے ہیں۔ اسے مدھم نہیں ہونے دیتے۔ یہ حضرات بھی چراغ سے روشنی کی اور خدمت لینا چاہتے تھے۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز فوراً اٹھا۔ دیکھا تو چراغ میں تیل بالکل ختم ہو گیا تھا۔ وہ جلدی سے تیل ڈھونڈنے لگا۔

رجا نے کہا۔ خادم کو جگا دوں؟

فرمایا۔ نہیں۔ اسے سونے دو۔ یہ اس کا ایسا حق ہے جو اسے اللہ نے دیا ہے۔ اسے اس حق کو صرف اپنی جان پر استعمال کرنا چاہئے۔ دوسروں کے لئے اس حق کی قربانی ٹھیک نہیں ہے۔

رجا نے کہا تو پھر آپ بیٹھیں میں تیل ڈھونڈ کے چراغ میں ڈال دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے۔

ان کے کندھے پر چادر تھی۔ جو تیل کی تلاش میں بار بار کندھے سے گر رہی تھی۔ انہوں نے چادر اتار پھینکی اور تیل کی تلاش میں لگ گئے۔ ان کی کوشش کامیاب ہوئی۔ انہیں زیتون کے تیل کا برتن مل گیا۔ برتن میں سے تیل نکال کر چراغ میں ڈالا۔ اسے ٹھیک کر کے واپس پلٹے تو فرمایا۔

Marfat.com

رجا! جب میں اٹھا تھا۔ تب بھی عمر بن عبد العزیز تھا۔ جب پلٹا ہوں تب بھی عمر بن عبد العزیز ہوں۔

حکام وقت اور امراء خود کام کریں تو ان کے مقام و مرتبے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ ان پر دقتیں۔ مشقتیں اور تکلیفیں واضح ہو جاتی ہیں۔ جو دوسروں کو ان کی خاطر کام کرنے میں پیش آتی ہیں۔ اور ان کی بے اختیار غلطی پر بہت زیادہ سزاؤں کے مستحق بن جاتے ہیں۔

رجا نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین! آپ کی بات کی صداقت میں کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اگر ہر شخص اس اصول پر کام کرنے لگے تو ملازموں اور خادموں کی ضرورت پیش نہ آئے۔ تو جو لوگ محض اس خدمت کے معاوضہ میں گھر کے اخراجات چلا رہے ہیں وہ کیا کریں گے۔

ملازمین اور خدام رکھنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں۔ کیونکہ آقا جب وہ کام کر رہا ہوتا ہے جو اس کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تو اس دوران میں وہ کام ملازمین کو کرنے ہوتے ہیں جو آقا کے کام میں آسانی پیدا کرتے ہیں۔

یہ بات کس قدر مضحکہ خیز بن جائے گی کہ آقا محض اس لئے فارغ بیٹھا رہے کہ ملازم آئے تو اس کے قلم میں سیاہی بھر کے دے۔ یا وہ آئے تو الماری میں سے فائل نکال کر ٹیبل پر رکھے۔ اس سے تو کام کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔

مزید کہا خدام بے شک خدمت کرنے کی خاطر ہوتے ہیں۔ مگر ان کی جسمانی ضروریات کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اگر ان کا خیال نہ رکھا جائے گا۔ تو یہ آقا ظالمین میں شمار ہو سکتا ہے۔ اے رجا! زندگی کا اصول بنالو۔ کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا عبادت ہے۔

آج کتنے ہی امراء اور حکام ہیں جو اس اصول سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ایسے ہر دلعزیز حکمرانوں کی سیرت سے فائدہ اٹھائیں تو یہ ہر دلعزیزی ان کے بھی قدم چومنے لگے۔ بلکہ آج تو فارغ بیٹھنے کی سب کی عادت بن گئی ہے۔ افسر بھی فارغ رہنا چاہتے ہیں اور ماتحت تو چاہتے ہی ہیں کہ ان کو دیکھنے والی آنکھ بس سوتی رہے۔ غالباً یہ نظام ہمیں اس لئے مل گیا ہے کہ ہمارے حکمران (صدر۔ وزیر اعظم) حکومت کی پوری مشینری کو چلانے والوں پر بے جا سختیاں کرتے ہیں۔ جن کے یہ رد عمل ہمیں دکھائی دے رہے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمن خان

Marfat.com

انسان دوستی

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتنا عظیم انسان تھا۔ کہ اس کی عظمت کی ایک ایک مثال پر دل جھوم جھوم جاتا ہے۔ پوری عرب دنیا پر حکومت اس لئے نہیں کر رہا ہے کہ وہ ان کا حکمران ہے۔ بلکہ اسے یہ احساس ہے۔ کہ اس کی رعایا کے ایک ایک فرد کے آرام میں اگر اس کی بے توجہی سے خلل پڑا تو اس سے پوچھا جائے گا۔

خلیفہ اپنے کمرے میں ایک گرم دوپہر کو لیٹا ہوا ہے۔ اس کی ایک لونڈی اسے پنکھا کر رہی ہے۔ دونوں کی آنکھوں میں نیند کی مستی آنے لگی۔ لونڈی بار بار اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے مل مل کر نیند کو بھگا دینا چاہتی ہے۔ تاکہ خلیفہ کے آرام کی حالت میں وہ برابر پنکھا کرتی رہے۔ مگر نیند تو سولی پر بھی آجایا کرتی ہے۔ لونڈی کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ خلیفہ کی نسبت زیادہ تھا۔ اس کی آنکھ پہلے لگ گئی۔ اس کا پنکھے والا ہاتھ نیچے جھک گیا۔ پنکھا خلیفہ کے بازو پر لگا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو لونڈی نیند کی دیوی کی آغوش میں جا چکی تھی۔

اس نے آہستہ سے وہ پنکھا لونڈی کے ان ہاتھوں سے لے لیا جن کی گرفت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ پھر بیٹھ کر لونڈی کو اس سے آہستہ آہستہ ہوا دینے لگے۔ لونڈی پر نیند کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ خلیفہ اسے پنکھا کر رہا ہے اور دیکھ بھی رہا ہے۔ جو تھوڑی دیر پہلے محض اس کی ایک لونڈی تھی۔ کنیز اور نوکرانی تھی۔ اب تو وہ بادشاہ کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ وہ ایک شہزادی بن کر سوئی ہوئی ہے۔ اور خلیفہ اس کا نوکر بن کر اسے پنکھے کی ٹھنڈک دے رہا ہے۔

لونڈی اتنی گہری نیند سوئی کہ شائد اس کی اپنی نیند کے علاوہ خلیفہ کی نیند بھی اسے مل گئی تھی۔ خلیفہ کی آنکھوں میں اب بالکل نیند نہیں تھی۔ ایک دو بار لونڈی نے کروٹ بدلی بادشاہ کو افسوس ہوا کہ شائد اس کے پنکھا کرنے میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہے۔ کہ اس نے بے چینی محسوس کی ہو۔

Marfat.com

لونڈی کافی دیر تک سوتی رہی۔ جب وہ جاگی تو اس کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ میں کہاں ایک نوکرانی اور کہاں خلیفہ وقت کا اسے پنکھا کرنا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور شور کیا پاؤں پر گر گئی۔ عرض کیا۔

حضور! مجھے معاف کر دیجئے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آنسو تھے۔

وہ جونہی خلیفہ کے پاؤں پر گری۔ بادشاہ نے جلدی سے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ کہا۔

بیٹی! کچھ بھی نہیں ہوا۔ اتنا پریشان کیوں ہوتی ہو۔

کچھ بھی نہیں ہوا۔ میری اتنی بڑی غلطی اور کوتاہی پر آپ کہتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نادم ہوں۔ شرمندگی سے تو میرا سر نہیں اٹھ رہا ہے۔

نہیں بیٹی شرمندہ مت ہو۔ میری آنکھوں میں جھانکو۔ دیکھو! ان آنکھوں میں کوئی غصہ نہیں ہے۔ کوئی نفرت نہیں ہے۔ دیکھتی ہو نا تم میری آنکھوں میں بیٹھی ہوئی ہو۔ بالکل بیٹیوں والا پیار لئے ہوئے۔

مزید کہا۔ دیکھو بیٹی! تو بھی میری طرح ایک انسان ہے۔ میری طرح تجھے بھی گرمی محسوس ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے چاہا جس طرح تو نے مجھے پنکھا کیا ہے میں بھی تجھے پنکھا کر دوں۔

ایسی محبت بھری مثالیں اور انسان دوستی کے واقعات اگر ملتے ہیں تو مسلمان حکمرانوں کی سیرتوں میں ملتے ہیں۔ غیر مسلم حکمرانوں میں شائد نہ مل سکیں۔

جن حکمرانوں نے اتنی محبت دکھائی ہے۔ انہوں نے انسانوں کے دل جیت لئے ہیں۔ انہیں احساس محرومی اور احساس کمتری سے محفوظ کر لیا ہے۔ اگر حکمرانوں کی طرف سے عوام کے ساتھ ایسے سلوک ہوں تو رعایا اپنے گھر کے ماحول کی طرح رہنے لگتی ہے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

حق شفعہ

قرطبہ کی جامع مسجد اپنے حسن اور خوبصورتی میں دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسے آٹھویں صدی میں 756ء کے بعد تعمیر کیا گیا۔ مسجد تعمیر ہو رہی تھی۔ اس میں ایک خوبصورت نوجوان مزدوروں کی طرح کام کیا کرتا تھا۔ مزدوری کرتا مگر مزدوری نہ لیتا تھا۔ اس طرح اس نے شروع سے آخر تک اس مسجد میں کام کیا۔

یہ نوجوان ہشام بن عبد الرحمٰن تھا۔ یعنی خلیفہ وقت کا بیٹا۔ عبد الرحمان اول ہی اس مسجد کو تعمیر کروا رہا تھا۔

اس طرح ہشام بن عبد الرحمٰن کے دل میں ابتدا سے ہی رفاہ عامہ کے کام کرنے کا جذبہ تھا۔ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے چھوٹے لوگوں والے کام کر کے جان لیا تھا۔ کہ ایسے کام کرنے سے کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔

اپنے باپ (عبد الرحمٰن اول الداخل) کے مرنے کے بعد یہی شہزادہ تیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے رعایا کی فارغ البالی اور خوشحالی کو ہی اپنا مقصد زندگی بنا لیا تھا۔ وہ اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتا تھا۔ علماء کی صحبت میں بیٹھتا اور بہتر طرز زندگی کے رازوں سے آگاہ ہوتا۔ رات کو شہر کی گلیوں اور کوچوں میں پھر کر لوگوں کی ضروریات معلوم کر کے ان کی حاجت روائی کرتا جن تک خود نہ پہنچ سکتا ان کو اپنے پاس بلاتا تھا۔

یہ اپنے وقت میں العادل کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے اپنے اوپر بھی محاسب مقرر کر رکھے تھے۔ جو خفیہ طور پر اس کے کام دیکھا کرتے۔ اور خفیہ طور پر اسے بتاتے کہ اس کے فلاں فلاں کام پر لوگ یہ یہ باتیں کرتے ہیں۔ اس طرح اسے اپنے کاموں اور فیصلوں پر نظر ثانی کرنے کا موقعہ مل جاتا۔

ایک بار خلیفہ ہشام بن عبد الرحمٰن کو سرکاری ضرورت کے تحت ایک مکان خریدنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس مقصد کے لئے اس نے جو مکان پسند کیا وہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ مگر اس

Marfat.com

کے خفیہ نویسوں نے اسے اطلاع دی کہ اس مکان پر اس کے ایک ہمسائے کا حق شفعہ بنتا ہے۔ جسے اس نے خریدنے کی خواہش ترک نہیں کی۔ مگر وہ محض اس وجہ سے اپنا جائز اور شرعی حق حاصل کرنے میں محروم ہو کر چپ ہے کہ یہ مکان خود شہنشاہ وقت خریدنا چاہتا ہے۔

ہشام بن عبدالرحمٰن کو یہ مکان اس قیمت سے زیادہ پر مل رہا تھا جو قیمت اس کا ہمسایہ دیتا تھا۔ مالک مکان بھی ہشام کو یہ مکان دینے پر خوش تھا۔ مگر جب اسے پتہ چلا کہ میری نسبت ہمسائے کا حق زیادہ فائق ہے تو اس نے اسے خریدنے سے صاف انکار کر دیا۔

ان حکمرانوں کے لئے کیسا سبق ہے جو بعض اوقات سرکاری ضروریات کے لئے مکان خود تعمیر کرنے کی بجائے بعض قوانین کی رو سے رعایا کے مکانات اپنے تصرف میں لے لیتے ہیں۔ جن سے لوگوں کو یقیناً تکلیف ہوتی ہے۔

ہمارے اسلاف نے دوسروں کے حقوق کی حفاظت کی ہے مگر اب حکمران تو کجا حکومت کے کارندے لوگوں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلاف کے طرز عمل کو اپنانے کی توفیق عطا فرمادے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

نیند کا احساس

قاضی محمد یحییٰ بڑے ہی انصاف پسند قاضی تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید ان کے کام سے بڑے مطمئن تھے۔ ان کے عہدہ قضاء کی ذمہ داریوں کے علاوہ امور سلطنت میں ان سے مشورے بھی لیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے خلیفہ سے ان کی بڑی قربت تھی۔ بلکہ بے تکلفی ہو گئی تھی۔

قاضی محمد یحییٰ اکثر رات گئے تک ہارون الرشید سے محو گفتگو رہتا تو وہیں ان کے کمرے میں شب باش ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دن رات کا آدھا حصہ گزار دیا جو سوئے تو نیند کی شہزادی انہیں تھپکیاں دینے لگی۔ قاضی یحییٰ کی آنکھیں ابھی مکمل طور پر محو خواب نہیں ہوئی تھیں۔ کہ ہارون الرشید کو کھانسی شروع ہو گئی۔ اس نے جلدی سے اپنی قمیص کی آستین سے اپنا منہ بند کر لیا۔ مگر کھانسی شدت اختیار کرنے والی تھی۔ وہ اٹھے اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ وہ دیر تک کھانستے رہے۔

قاضی محمد یحییٰ کو نیم خوابی کی حالت میں خلیفہ کے کھانسنے کی ہلکی ہلکی آواز محسوس ہوتی رہی۔ جو اس کی نیند میں خلل انداز ہونے والی نہ تھی۔ تاہم اس نے آنکھ کھول کے دیکھا تو خلیفہ اپنے بستر پر نہ تھا۔ دوسرے کمرے سے اس کے کھانسنے کی آواز برابر آرہی تھی۔ قاضی حیران ہو کر اٹھ بیٹھا کہ خلیفہ کو کہیں زیادہ تکلیف تو نہیں ہے۔ اس نے کھانس کر اپنی بیداری کا احساس خلیفہ کو دلایا۔ شائد یہ آواز خلیفہ تک پہنچ گئی تھی کہ وہ تیسرے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں سے اس کے کھانسنے کی آواز بالکل نہیں آتی تھی۔ پھر قاضی سو گیا۔

قاضی نماز تہجد کے لئے اٹھا تو خلیفہ کا بستر اب بھی خالی تھا اسے تشویش تو ہوئی مگر یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا کہ شائد کسی دوسرے کمرے میں نماز میں مشغول ہو۔

صبح جب وہ دونوں ناشتہ پر بیٹھے تو قاضی نے پوچھا۔

اے امیر المومنین رات کو گھر میں خیریت تھی کسی کے کھانسنے کی آواز رات بھر آتی رہی ہے۔ یہ تکلیف کسے تھی۔ کیا زبیدہ خاتون کو کھانسنے کی تکلیف تھی۔

خلیفہ نے کہا اس کا مطلب ہے۔ کھانسنے نے آپ کو آرام سے سونے نہیں دیا۔

نہیں نہیں میں آرام سے سویا تھا۔ مگر گاہے گاہے ہلکی ہلکی آواز آہی جایا کرتی تھی۔ اور صبح

Marfat.com

جب میں اٹھا ہوں تو آپ بستر پر بھی نہ تھے۔

خلیفہ نے کہا۔ دوست! مجھے معاف کرنا میری کھانسی کی وجہ سے آپ سکون کی نیند سو نہیں سکے ہیں۔ جب میں سویا تھا تو میں نے گلے میں کچھ خرخشی محسوس کی۔ میں نے آستین سے منہ بند کر لیا۔ کہ کھانسنے کی آواز سے آپ بے آرام نہ ہو جائیں۔ مگر اس کی شدت نے مجھے کھانسنے پر مجبور کر دیا۔ اور میں اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں میں کھل کے کھانستا رہا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ میرے کھانسنے سے آپ بیدار ہو گئے ہیں۔ تو میں تیسرے کمرے میں چلا گیا جہاں سے میرے گمان کے مطابق کھانسی کی آواز آپ کے آرام میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی۔ اس طرح میں نے کھانستے کھانستے رات گزار دی ہے۔ تاہم اللہ کا شکر ہے کہ صبح کی نماز کے وقت طبیعت بحال ہو گئی۔

قاضی نے کہا اگر آپ اپنے کمرے میں رہتے تو میرے پاس کھانسی کے لئے ایک مجرب دوا تھی۔ جو یقیناً آپ کے کام آتی اور آپ سکون سے سو جاتے۔ آپ کے کھانسنے کی آواز تو مجھے آتی تھی۔ مگر چونکہ آپ دوسرے کمرے میں تھے۔ میں نے وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے اپنی بد قسمتی پر افسوس ہو رہا ہے کہ میرے دوست نے اپنی رات بے چینی اور بے آرامی میں گزاری ہے۔ اور میں اس کے کام نہیں آسکا ہوں۔

خلیفہ نے کہا۔ میرے دوست مجھے معاف کرنا میری وجہ سے آپ کی رات کی نیند خراب ہوئی ہے۔ مجھے اللہ نے جو ذمہ داریاں سونپی ہیں اس کی روح یہی ہے کہ میری رعایا میں ہر شخص سکون سے سوئے۔ اور آرام کی زندگی بسر کرے۔ مگر میں کیسا خلیفہ ہوں کہ میرے پاس اور میرے ہی کمرے میں سونے والا شخص بھی آرام سے نہ سو سکے۔ اس کا افسوس مجھے زندگی بھر رہے گا۔

آج کے حالات پر ہم نگاہ ڈالیں تو حیرانی ہوتی ہے کہ ہم دوسروں کے آرام و سکون کا کس قدر خیال رکھتے ہیں اونچی آواز سے اپنے ریڈیو اور ٹیپیں لگائے رکھتے ہیں۔ نہ کسی طالب علم کی پڑھائی کا خیال ہے نہ کسی بیمار کی تکلیف کا احساس۔ نہ کسی عابد و زاہد کی عبادت و ریاضت کا خیال کرتے ہیں۔ کوئی لٹ جائے۔ برباد ہو جائے۔ جس کی چیخیں ایک پورے ماحول میں ہلچل مچا دیں۔ اس پر بھی کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

کاش کہ ہم اپنے اسلاف کے کردار سے سبق حاصل کریں۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمٰن خان

Marfat.com

معذرت

ملک اور رعایا کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے واقعہ نگاری اور پرچہ نویسی کے محکموں کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہوئی۔ اس کے بعد ہر عادل خلیفہ اور بادشاہ نے اسے نہایت ہی اچھا خیال کرتے ہوئے جاری رکھا۔

اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ بادشاہ ایسے ہی حکمرانوں میں شامل تھے۔ جس نے اس محکمے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اس محکمے کو ایسے محتاط اور دیانت دار اشخاص کے سپرد کیا کہ اسے ایک ایک لمحے کی خبر بڑی جلدی پہنچ جاتی تھی۔

یہ 1089ھ کی بات ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ حسن ابدال کے سفر پر روانہ ہوا۔ راستہ میں اسے ایسے باغ میں چند دن قیام کرنا پڑا جس میں سے ایک نہر گزرتی تھی۔ اس باغ سے گزر کر اس نہر کا پانی باغ کی دیوار کے قریب ہی یکدم ایک گہرائی میں گر کر آگے جاتا تھا۔ یہیں ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ بڑھیا نے ایک پن چکی بنائی ہوئی تھی۔ جو اس پانی کے جھرنے سے چلتی تھی۔

جب اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ اور لشکری اس باغ میں ٹھہرے تو انہوں نے نہر کے پانی کو بند کر دیا۔ نہر کا پانی بند کیا ہوا؟ بڑھیا کی پن چکی بھی نہ چل سکی۔ اور پھر اس کی مدد سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ رک گئی۔ یہ بندش بڑھیا کے لئے بھوک اور فاقوں کی مصیبتیں بھی لے کے آئی۔ مگر کیا کرتی قانونی طور پر اس نہر پر اس کا کوئی حق نہ تھا۔ اور اگر حق ہوتا بھی تو اس بندش سے ہونے والی تکالیف کی شکایت بادشاہ سے کرتی۔ مگر نہر کے پانی کو بند کرنے والے تو خود بادشاہ کے لشکری تھے۔ اب وہ کس سے شکایت کرتی۔ بس صبر کے گھونٹ پیتی رہی۔ مگر یہ تکلیف اسے زیادہ لمبے دنوں کے لئے برداشت نہیں کرنی پڑی۔

بادشاہ کے خفیہ نویسوں نے بڑی جلدی اس کی اطلاع اس تک پہنچادی۔ بادشاہ نے اسی وقت نہر کا پانی کھلوادیا۔ اور جب رات کھانا کھانے لگا تو کھانے سے بھرے ہوئے دو قاب (بڑے تھال)

Marfat.com

اور پانچ اشرفیاں بڑھیا کے ہاں ابوالخیر کے ہاتھوں بھجوائیں۔ اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ نہر کی بندش سے جو آپ کو تکلیف پہنچی ہے بادشاہ اس کے لئے معذرت خواہ ہے۔

اب کھانا سامنے پڑا تھا۔ مگر بادشاہ کھانا نہیں کھا رہا تھا۔ بس ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ دستر خوان پر بیٹھے دوسرے امراء بھی اس انتظار میں تھے کہ بادشاہ کھانا شروع کرے تو وہ بھی کھانے میں ہاتھ ڈالیں۔ مگر بادشاہ کھانے سے ہاتھ کھینچے ہوئے تھا۔ زیادہ بے تکلف امراء نے کھانا ٹھنڈا ہو جانے کی طرف توجہ دلائی۔

بادشاہ نے کہا۔ ہاں۔ میں جانتا ہوں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ آپ کو زیادہ بھوک ہے تو کھالیں۔ مجھے ابوالخیر کے آنے کا انتظار ہے وہ آئے گا تو کھانا کھاؤں گا۔

مطلب یہ کہ بادشاہ اس انتظار میں تھا کہ بڑھیا اور اس کے بچوں کے کھانا کھانے سے پہلے کیوں کھائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوالخیر آیا تو کھانا کھایا گیا۔

صبح ہوئی تو بادشاہ نے بڑھیا کے لئے پالکی بھیجی۔ اسے بلوا کر حرم میں بھیجا۔ اور اپنے ساتھ بٹھا کر اسے کھانا کھلانا چاہا۔ مگر بڑھیا کہنے لگی میں یہ کھانا اپنے ساتھ گھر میں لے جاتی ہوں۔ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤں گی۔

اس گفتگو سے بادشاہ کو پتہ چلا کہ بڑھیا کی دو بن بیاہی بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ بڑھیا جانے لگی تو اسے دو سو روپے عنایت فرمائے۔ بیگمات نے بھی زر و جواہرات سے مالا مال کر دیا۔ دو تین دن کے بعد بادشاہ نے بڑھیا کو پھر بلوایا۔ اور لڑکی کی شادی کے لئے دو ہزار روپے عنایت کئے۔ اور بیگمات و شہزادوں نے بھی بڑھیا پر اشرفیوں کی بارش کی۔ اس طرح چند دنوں میں بڑھیا امیر بن گئی۔

بادشاہ جب تک اس باغ میں قیام پذیر رہا۔ روزانہ بڑھیا کی خیر خیریت دریافت کرتا رہتا۔ جب اسے خبر ملتی کہ وہ بڑی خوش ہے اور اسے دعائیں دیتی ہے تو بادشاہ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہتا۔ اس طرح اورنگ زیب عالمگیرؒ کے ملازموں کے ہاتھوں اس بڑھیا کو جو تکلیف پہنچی اس کی تلافی کے لئے بادشاہ نے خود بھی معافی مانگی۔ اور نقصان سے کئی گنا زیادہ معاوضہ بھی ادا کیا۔

لیکن آج کی ذہنی تبدیلی نے حسن اخلاق کی دولت کو چھین لیا ہے۔ اب مظلوموں اور ستم رسیدوں کی خبریں کہاں حکام تک پہنچتی ہیں۔ اگر در و دیوار کو چیرتی ہوئی پہنچ بھی جائیں تو دادرسی کی امید مفقود ہے۔ معاوضہ اور انعام واکرام تو دور کی بات ہے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

چھٹی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو مدینہ پاک کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے۔ تا کہ دیکھ سکیں کہ کون کس حال میں ہے۔ کیالوگ چین اور سکون سے شب بسری کرتے ہیں یا نہیں اور یہ بھی دیکھ سکیں کہ پہرہ دینے والے اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے کرتے ہیں یا کوئی سرکاری اہل کار کسی کو بے جا تنگ تو نہیں کرتا۔

چنانچہ ایک رات ایک گلی میں سے گزر رہے تھے کہ ایک مکان کے اندر فراق و ہجر سے بھرپور اشعار کی آواز آرہی تھی۔ ان اشعار کا مفہوم کچھ اس طرح سے تھا۔

میرے پیارے یہ ستاروں بھری رات کس قدر سہانی ہے۔ تارے کتنی محبت سے تاریک راہوں کو روشن کر رہے ہیں۔ مگر تمہاری راہیں کیوں مسدود ہیں۔ تمہیں اپنے گھر کا راستہ کیوں دکھائی نہیں دیتا۔ سونے والے کس سکون کے ساتھ سوگئے ہیں۔ اور جاگنے والے جاگنے والوں کے ساتھ کیسے جاگ رہے ہیں۔ میرے ساتھ کوئی بھی کھیلنے والا نہیں ہے۔ میرے جذبات مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں بھی اپنے دل کے ارمان پورے کروں۔ مگر خدا کی قسم اگر اللہ کے عذاب کا مجھے خوف نہ ہوتا تو میری چارپائی کی چولیں رات بھر ہلتی رہتیں۔ لیکن میں تو اپنے نگہبان اور موکل سے ڈرتی ہوں اور اس نفس کو وہ کام نہیں کرنے دیتی جس کا کاتب ایک ایک بات لکھنے سے نہیں تھکتا۔ میں خوف خدا اور حیاء کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں اپنے خاوند کی اس سواری پر کسی کو سوار نہیں کر سکتی جس پر وہ سوار ہوا کرتا ہے۔

عربی کا یہ گیت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی اور رنج بھی بے حد ہوا وہ خوف خدا سے کانپنے لگے کہ اس عورت کو تو خوف خدا ہے اللہ اسے یقیناً گناہ سے بچالے گا۔ مگر ایسے جذبات سے مغلوب عورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں کیا خبر شیطان انہیں گرفت میں لے لے۔

آپ ایک ایک شعر پر غور کرتے رہے۔ انہیں اس کے ہجر و فراق کی باتوں پر ہنسی بھی آتی اور اپنے خاوند کی امانت کی حفاظت پر خوشی بھی ہوتی۔

آپ اس مکان کی شناخت کر کے واپس چلے آئے۔ بستر پر لیٹے مگر فکر اور رنج نے بیدار

Marfat.com

رکھا۔ دن کے وقت لوگوں سے تحقیق کر کے پتہ چلا کہ جس مکان سے گانے کی نسوانی آواز آ رہی تھی وہ اس مجاہد کا مکان ہے جو میدان جہاد میں گیا ہوا ہے۔ اور اس کی بیوی اس کے فراق میں عاشقانہ اشعار پڑھتی رہتی ہے۔

آپ کو یہ سن کر بڑا افسوس ہوا کہ وہ ہوس ملک گیری میں عورتوں کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔

رات کو اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (ایک روایت کے مطابق اپنی زوجہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کہ ایک عورت کو اس کا خاوند کتنے دن کے بعد ملنا چاہیئے۔

شرم وحیا کی پیکر بیٹی نے سر جھکا لیا۔ اور نہایت مدھم آواز میں فرمایا۔

ہر رات کو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ہر رات کو ممکن نہ ہو۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آٹھ دن کے بعد۔

آپ نے کہا اگر یہ بھی ناممکن ہو۔

ام المؤمنین نے فرمایا ایک مہینے کے بعد۔

کہا گیا اگر وقت اس سے بھی طویل ہو۔

آپ نے فرمایا چار ماہ کے بعد۔

اور اگر چار ماہ کے بعد خاوند بیوی سے نہ مل سکے تو۔

فرمایا۔ ابو! پھر تو اس عورت کی زندگی موت کا سوال ہے۔ وہ مر بھی سکتی ہے۔ اور بھٹک بھی سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غفلت اور بے خبری پر بے حد افسوس کیا۔ اور پھر جتنے بھی محاذوں پر مسلمان برسرپیکار تھے۔ ان کے سرداروں کو لکھا کہ کوئی شخص چار ماہ سے زیادہ میدان جنگ میں نہ رہنے پائے یعنی چار ماہ کے بعد اسے گھر جانے کی اجازت ضرور دی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے جذبات کا یوں خیال رکھا۔ آج کے وہ ملازمین جو گھروں سے زیادہ دور رہتے ہیں۔ یا بیرون ملک کام کرتے ہیں اور گھروں میں نہیں آ سکتے ان کی بیویاں یقیناً ایسے جذبات کا شکار ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عزت و عصمت کی حفاظت فرمائے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

تخت خلافت

المقتدی بامر اللہ خلیفہ بغداد کے زمانہ میں ملک میں خوب خیر و برکت کے آثار پیدا ہوئے۔ قوانین سلطنت کا سختی سے احترام کیا گیا۔ اور سلطنت کی شان بڑھ گئی۔ جب کہ اس سے قبل حکومت بالکل بے جان اور بے اثر ہو کر رہ گئی تھی۔

اچانک ایک دن ملک شاہ ایران (پورا نام ابو الفتح جلال الدین) جس کا تعلق خاندان سلجوق سے تھا۔ نے مقتدی کو لکھا کہ بغداد فوراً خالی کردو۔ بغداد خالی کر دینے کا یہ مقصد نہیں تھا کہ عوام تک اپنے مکان خالی چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس کا مقصد فقط یہ تھا کہ خلیفہ تخت اس کے لئے خالی کر کے بغداد سے چلا جائے۔

خلیفہ نے امراء وزراء سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ ان مشیروں نے کہا کہ ملک شاہ ایک سخت گیر بادشاہ ہے۔ ایک بہادر سورما ہے۔ مصر و شام کی طاقتیں اس کے آگے گھٹنے ٹیک گئی ہیں۔ بخارا و سمرقند پر اس کے پرچم لہرا رہے ہیں۔ امیر کاشغر اسے خراج دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ حکومت بغداد اس کے آگے کب ٹھہر سکے گی۔ عافیت اس میں ہے کہ عوام کا خون بہانے کی بجائے تخت اس کے حوالے کر دیا جائے۔

خلیفہ مقتدی بامر اللہ کے حوصلوں کو کوئی سہارا نہ مل سکا۔ کسی امیر نے بھی اس کی ہمت بندھانے کی بات نہ کی۔ بیچارہ پریشان ہو گیا۔ وہ رات کو سونے کے کمرے میں گیا تو نیند کی دیوی نے اس کے لئے اپنی آغوش وا نہیں کی۔ بس کروٹیں بدل بدل کر اس نے رات گزار دی۔ صبح کو اس نے ملک شاہ کے خط کا جواب دینا تھا۔

صبح کو جب اس نے ملک شاہ کے خط کا جواب لکھا تو عرض کیا ہم ملک شاہ کی خواہش کے مطابق بغداد خالی کر دیں گے۔ مگر کچھ دن کی مہلت ضرور طلب کرتے ہیں۔ کم از کم ایک مہینہ کی مہلت دی جائے۔ مگر بادشاہ نے ایک گھنٹہ کی مہلت دینا بھی منظور نہ کیا۔

آخر المقتدی بامر اللہ نے ملک شاہ کے وزیر نظام الملک سے مہلت مانگی اس نے بڑی ردو

Marfat.com

قدح کے بعد صرف دس دن کی مہلت دی۔ ملک کے ہر شخص کو اس مہلت کا پتہ چل گیا۔

دس دن بڑی تیزی سے گزرنے لگے۔ المقتدی نے امراء کی محفلوں میں جانا چھوڑ دیا۔ وہ حرم میں بھی نہیں جاتا تھا۔ خدام نے بیگمات کا پیغام دیا کہ دس دن کے بعد ہم نے کہاں جانا ہے۔ کیا ضروری سامان لے جانے کی اجازت ہے یا بے سر و سامانی کی حالت میں نکلیں گے۔

اس کے جواب میں یہی کہا گیا کہ ہم نے کہیں نہیں جانا۔ یہیں بیٹھے بیٹھے ملک کی مٹی پر قربان ہو جائیں گے۔

کہا گیا اگر مرنا ہی ہے تو فوجوں کی مہارت کو آزما دیکھو۔ تاکہ ملک شاہ کی کچھ تو مزاحمت ہو سکے۔ آخر ملکی افواج کس لئے رکھی جاتی ہیں۔

مقتدی نے کہا فوجوں کی مڈ بھیڑ میں بغداد کے حسن کو تباہ نہیں کرنا چاہتا۔

مقتدی دن رات نوافل پڑھتا رہتا اور قیام میں روتا، سجدوں میں روتا، دعا مانگتا کہ بار الہا! ملک شاہ کے روپ میں جو عذاب بغداد کی زندگی پر مسلط ہو رہا ہے اس سے ہم کمزوروں کو بچالینا۔ یا اللہ العالمین! یہ برے دن ہمیں اس لئے دیکھنے پڑ رہے ہیں کہ ہم نے شائد اپنی رعایا کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے ہمیں ہماری لغزش معاف کر دے۔ آئندہ سے احتیاط کریں گے۔ خلیفہ روزے بھی رکھتا اور افطار کے وقت بھی یہی دعا کرتا۔

خلیفہ کی دعا بارگاہ سرمدی میں منظور و مقبول ہو گئی۔ دس دن کی مدت میں سے صرف ایک دن باقی تھا کہ ملک شاہ کو ہیضہ ہو گیا۔ حکماء نے ہر دوا آزما دیکھی۔ مگر شائد ہر دوا کی تاثیر خارج ہو چکی تھی۔ اسے اس قدر پاخانے آئے۔ کہ جسم میں پانی کی کمی محسوس کی جانے لگی۔ آنکھیں دھنس گئیں۔ ناخنوں کی رنگت سیاہ ہو گئی۔

ابھی سورج غروب ہونے میں تقریباً آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ کہ ملک شاہ کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اچھے حکمران بارگاہ ایزدی میں ہر وقت سر بسجود رہتے ہیں۔ اس سے مدد مانگا کرتے ہیں۔ اس سے مصیبتوں کے ٹلنے کی دعا کیا کرتے ہیں۔ اچھے حکمرانوں کی وجہ سے عوام خوشحال رہتے ہیں۔ اور برے حکمران عوام پر مصیبتوں کا عذاب لے کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق دے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

درخواست

سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں دفتری اخراجات کے لئے ابو بکر بن حزم نے کاغذ، قلم اور روشنائی کے مصارف میں اضافہ کی ایک درخواست دی۔ اس درخواست پر ابھی عمل نہیں ہوا تھا کہ خلیفہ کی زندگی کے دن پورے ہوگئے وہ وابق کے میدان جنگ میں مصروف تھا کہ فرشتہ اجل نے اس کی زندگی کی ڈوری کاٹ دی۔

ان کی جگہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ بڑے نیک سیرت خلیفہ ہوئے ہیں۔ تاریخ آپ کو خلفائے راشدین میں شمار کرتی ہے۔ انہوں نے واقعۃً خلفائے راشدین کے عہد کی یاد تازہ کردی۔

بیعت لینے کے بعد انہوں نے زیر عمل اور زیر غور درخواستوں کو دیکھا تو ابو بکر بن حزم کی درخواست بھی نکل آئی۔ آپ نے وہ درخواست سامنے رکھی اور دیر تک سوچتے رہے۔ پھر حکم صادر فرمایا۔ کہ ابو بکر بن حزم ان کے پاس آئے۔

ابو بکر بن حزم آئے تو عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔ میں حاضر ہوں۔

ہاں آپ نے یہ درخواست دے رکھی تھی کہ دفتری اخراجات کے لئے رقم میں اضافہ کیا جائے۔

جی حضور! یہ درخواست میں نے دی تھی۔ مگر امیر المؤمنین کی اچانک موت نے انہیں اس پر حکم صادر فرمانے کی اجازت نہ دی۔ اگر اس وقت کی دی گئی درخواست اب ممکن العمل نہیں ہے تو میں نئی درخواست دے دیتا ہوں۔

نہیں نہیں نئی درخواست کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس درخواست کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنی تھی۔ اس لئے آپ کو بلایا گیا ہے۔

جی بہتر۔

آپ نے فرمایا۔ ابو بکر! ذرا وہ دن یاد کرو۔ جب تم اندھیری راتوں میں بغیر روشنی کے کیچڑ

Marfat.com

میں اپنے گھر سے مسجد میں جایا کرتے تھے۔ اور آج بخدا اس سے تمہاری حالت کہیں بہتر ہے۔ مگر اس بہتر حالت کا یہ مطلب نہیں کہ تم لوگ اس عہد کی صداقتوں کو بھول جاؤ۔ کاغذ۔ قلم اور روشنائی کے مصارف میں اضافہ کی جو درخواست تم نے دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملکی وسعت کے اعتبار سے مسائل زیادہ ہیں۔ دفتر میں کام زیادہ ہو گیا ہے۔ اس لئے کاغذ۔ قلم اور روشنائی کا استعمال پہلے سے زیادہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی امکان ہو سکتا ہے کہ مہنگائی پہلے کی نسبت زیادہ ہو گئی ہے۔

ابو بکر بن حزم نے عرض کیا۔ جی حضور! ایسا ہی ہے۔

خلیفہ نے کہا۔ کیا اخراجات بڑھائے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔

عرض کیا۔ شائد ایسا ہو سکتا ہو مگر وہ طریقہ میرے ذہن میں ابھی تک نہیں آیا۔

دیکھو! قلم باریک کر لو۔ اور تحریر کی سطروں کے درمیان کا فاصلہ کم کر دو۔ تو اس مشکل پر تم قابو پا سکتے ہو۔ فرمایا۔ میں مسلمانوں کے خزانوں میں کوئی ایسی رقم نہیں دینا چاہتا جس سے انہیں فائدہ نہ پہنچے۔ عوام کے مسائل میں اضافہ نہ ہونے دو۔ اور پھر ان کے مسائل کے حل اور فیصلے جلدی کر دو۔

ابو بکر بن حزم کی یہ درخواست واپس کر دی گئی۔

آج سرکاری دفاتر میں عوامی دولت بڑی بے دردی سے لوٹی جا رہی ہے۔ نہ لوٹنے والوں کو احساس ہے اور نہ ہی لٹوانے والوں کو خیال۔ بس ایک لوٹ کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ایک حکومت آتی ہے اپنی من مانیاں کرتی ہے۔ دوسری اس پر لوٹ مار کا الزام دیتی پھر ثابت کرنے کے لئے ملکی دولت خرچ کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اللہ جانے یہ کھیل کب ختم ہو گا۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

بھیک

مدینہ پاک کی گلیوں میں ایک بوڑھا بھیک مانگ رہا تھا وہ صدائیں لگاتا۔ بوڑھا ہوں۔ کمزور ہوں۔ میرا کمانے والا کوئی نہیں ہے۔ آپ کی مدد کا مستحق ہوں۔ میری مدد کیجئے۔

لوگ اس کی جھولی میں خیرات کا مال ڈال رہے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قریب سے گزرے تو کھڑے ہوگئے۔ اس کی حالت ظاہری دیکھی تو وہ واقعۃً مدد کے مستحق تھا۔ لوگوں کا امداد کرنے کا عمل بھی آپ کو پسند آیا۔ مگر اس خیال نے آپ کو چونکا دیا کہ یہ کام کس قدر آسان ہے اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی یہ کام کرنے لگیں گے۔ انہیں تو شائد اپنا ذلیل ہونا پسند آجائے مگر مسلم معاشرہ اسے کیوں پسند کرے۔

اس کے علاوہ آپ نے اس کی صداؤں پر توجہ فرمائی۔ اس کی صداؤں میں خدا کا نام نہیں تھا۔ وہ خدا کے نام پر نہیں مانگ رہا تھا۔ یقیناً وہ مسلمان نہیں ہے۔ خدا پر اس کو یقین نہیں ہے۔ آپ آگے بڑھے پوچھا باباجی! آپ بھیک کیوں مانگ رہے ہیں آپ کے بیٹوں کو کیا ہوا وہ تمہاری کفالت کیوں نہیں کرتے۔

اس نے عرض کیا۔ حضور! میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

فرمایا تو تم نے بیت المال سے روزینہ لینے کے لئے نام کیوں نہیں لکھوایا۔

اس نے عرض کیا۔ میں نے سن رکھا ہے کہ بیت المال صرف مسلمانوں کیلئے ہے میں غیر مسلم ہوں۔ مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے۔ میں ضعیف بھی ہوں۔ جزیہ ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر میں لے گئے۔ اسے کچھ نقد رقم دی اور داروغہ سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذور لوگوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ کلام الٰہی میں فرمایا گیا ہے۔

(اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْن)

"بات تو صرف اتنی ہے کہ صدقات کے مال فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے۔"

Marfat.com

اس کی رو سے فقراء سے مراد مسلمان ہیں اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں۔ اور جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو انہیں نکال دیں۔ انہیں بھی زندہ رہنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا ہمیں۔ آپ نے اس بوڑھے کا جزیہ معاف کر دیا اور بیت المال سے وظیفہ مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ اب آپ مانگا نہیں کریں گے۔

آج ہمارے معاشرے میں بھیک مانگنا ایک پیشہ بن گیا ہے۔ اور اس پیشہ میں مستحق اور غیر مستحق شامل ہو رہے ہیں۔ غیر مستحق لوگوں کی تحقیق کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ وہ خاصی دولت کے مالک ہیں۔ مگر ارباب اختیار جب پکڑ دکڑ شروع کرتے ہیں تو مستحق لوگ زیادہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا مستقل انتظام نہیں کیا جاتا۔ بے چارے بھوک کی مجبوری کے باعث گداگر بن جاتے ہیں۔

گداگری اس معاشرہ اور حکومت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ کاش سربراہ مملکت اس داغ سے اپنی پیشانی کو محفوظ رکھے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

خیمہ

مشرق وسطیٰ میں ایک شہر کا نام فسطاط ہے۔ فسطاط عربی زبان میں خیمہ کو کہتے ہیں۔ ہاں ہاں کپڑے کا ایک خیمہ جو چوبوں اور رسیوں کی مدد سے ایستادہ کیا جاتا ہے اور تیز ہوا کے جھونکے اسے اکھاڑ بھی دیتے ہیں۔ مگر اس شہر میں تو اب کوئی بھی خیمہ لگا دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ جدھر نگاہ اٹھائیں بلند و بالا عمارتیں دکھائی دیتی ہیں۔ کئی کئی منزلوں کے ہوٹل آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ کاروباری مراکز اور کالج بھی ہیں۔

تعجب ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان شہر کو فسطاط سے کیوں نسبت دے کر فسطاط نام رکھا گیا۔ بعض لوگ یقیناً یہ خیال کرتے ہوں گے کہ شائد اگلے زمانے میں یہ شہر محض خیموں کا شہر ہو گا لیکن ایسا نہیں ہے۔

حقیقت یوں ہے کہ جس زمانے میں اسلامی فوجیں اسکندریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں اسلامی افواج کی نگرانی کے لئے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں قیام کرنا پڑا۔ ان کا خیمہ یہاں نصب کیا گیا جہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی مہینے تک اس خیمے میں رہے۔

جب محاصرہ کامیاب رہا اور اسلامی فوجیں فاتحانہ اسکندریہ میں داخل ہو گئیں تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتح کی اطلاع دی گئی اور انہیں اسکندریہ میں آنے کی دعوت دی گئی۔ جب روانگی کا وقت قریب آیا تو خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا گیا۔ جب مزدور خیمہ اکھاڑنے لگے تو حضرت عمرو بن العاص نے دیکھا کہ خیمہ میں ایک کبوتری نے اپنا گھونسلہ بنا رکھا ہے اور اس میں انڈے دے رکھے ہیں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا اگر خیمہ اکھاڑا جاتا ہے تو گھونسلہ بھی گر جائے گا انڈے ٹوٹ جائیں گے۔ انڈے ٹوٹ گئے تو بچے نہ نکل سکیں گے۔ اف! یہ خیمہ کیا اکھڑے گا ایک کبوتری کا گھرانہ اجڑ جائے گا اس کا تو خاندان ہی نیست و نابود ہو جائے گا۔

Marfat.com

انہوں نے فوراً حکم دیا کہ یہ خیمہ نہ اکھاڑا جائے اسے اسی حال میں چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ میں آشیانہ اجاڑنے والا نہیں ہوں بلکہ آشیانے بسانے والا ہوں۔

مزدوروں کو سخت تعجب ہوا کہ حضور اگر کوئی خیمہ میں نہ رہے گا تو آندھی اور بارش سے خیمہ برباد ہو جائے گا اور پھر یہ خیمہ بھی تو بڑا قیمتی ہے۔

گورنر مصر نے جواب دیا خیمہ ضائع ہوتا ہے تو ہو جائے۔ میں کبوتری کے آشیانے کو اجاڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

بس یہ خیمہ وہیں کھڑا رہا محض اس بنا پر کہ ایک معصوم اور بھلے مانس پرندے کا ٹھکانہ اس میں بنا ہوا ہے۔

گورنر مصر کا یہ عمل دراصل اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ چونکہ یہ خیمہ ایک عرصے تک کھڑا رہا اس لئے اس مناسبت سے اس شہر کا نام فسطاط پڑ گیا۔ جب تک یہ شہر رہے گا یہ نام رہے گا اور جانوروں سے محبت کرنے والے گورنر کا نام بھی زندہ رہے گا۔

آج کے حکمران اپنی رہائش گاہیں بنانے کے لئے کئی غریبوں کی جھونپڑیاں منہدم کر دیتے ہیں۔ کتنا فرق ہے سابقہ حکمرانوں کی سوچ میں اور آج کے حکمرانوں میں۔ وہ بسانے والے تھے اور یہ اجاڑنے والے ہیں اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرماوے۔

Marfat.com

شراب

جو عباسی خلیفہ بات کرنے سے پہلے تلوار کو بے نیام کر لیتا تھا وہ معتصم باللہ تھا۔ اس کے ہاں شراب کا استعمال پانی کی طرح ہوتا تھا۔ درباری علماء جب اس سے گفتگو کر رہے ہوتے تو اس وقت بھی وہ شراب کے نشہ سے مغلوب ہوتا تھا۔ نہ جانے یہ علماء کیوں اسے یاد نہ دلاتے کہ شراب حرام ہے۔ مگر یہ حوصلہ اور جرات تو کسی اللہ والے کو ہی ہو سکتی ہے۔

اس دور میں ایک مرد کامل شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے۔ وہ خلیفہ کی شراب خوری سے آگاہ تھے۔ وہ ایسے علماء کے طرز عمل کو دیکھنا چاہتے تھے جو اپنے مقام و مرتبہ کا زیادہ پرچار کرتے ہیں۔ مگر خلیفہ کو راہ راست پر لانے کی سعادت شاید ایسے علماء کے مقدر میں نہ تھی۔

ایک دن شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ نے سنا کہ سمندر کے کنارے شراعتہ العماس (گھاٹ) پر ایک جہاز آکر رکا ہے جس میں خلیفہ کے لئے شراب کے مٹکے لدے ہوئے ہیں۔ آپ اس گھاٹ پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہاتھ میں لکڑی کی ایک لٹھ تھی۔ جہاز کے عملہ سے پوچھا۔

میں نے سنا ہے آپ کا جہاز خلیفہ کے لئے شراب کے مٹکے لایا ہے۔

ہاں۔ آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ خلیفہ کے لئے شراب کے مٹکے اسی جہاز میں ہیں۔ آپ کو اس سے کیا غرض ہے۔

میں شہر کی حدود میں اس کا داخلہ پسند نہیں کرتا۔ دکھاؤ مجھے وہ شراب کے مٹکے کہاں ہیں۔

جہاز کے کپتان نے پس و پیش کیا مگر آپ زبردستی جہاز کے اس حصے میں چلے گئے جہاں شراب رکھی پڑی تھی۔ آپ نے جاتے ہی ان مٹکوں پر لٹھیں برسانی شروع کر دیں۔ اور دیکھتے دیکھتے سارے مٹکے توڑ دیئے۔ اور شراب اور اس کی بو جہاز میں بکھر گئی۔

جہاز کے عملے نے حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ کو پکڑ لیا۔ اور کوتوال کے حوالے کر دیا۔ جو انہیں خلیفہ المعتصم باللہ کے دربار میں لے آیا۔

اس وقت دربار میں امراء وزراء زیادہ نہ تھے۔ خلیفہ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ اور کوتوال

Marfat.com

موسیٰ بن افلح ان میں کھڑے تھے کوتوال نے عرض کیا۔

عالیجاہ! گھاٹ پر کشتیاں کھڑی تھیں۔ جن میں سے ایک پر آپ کے لئے شراب کے مٹکے لدے تھے۔ جنہیں اس فاترالعقل بوڑھے نے جو اپنا نام ابوالحسن نوری بتاتا ہے توڑ کر شراب ضائع کردی ہے۔

کوتوال نے یہ ساری کہانی کچھ ایسے اشتعال انگیز انداز میں بیان کی۔ کہ خلیفہ معتصم باللہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر زناٹے دار طمانچہ رسید کردیا ہے۔ وہ آگ بگولا ہو کر گویا ہوا۔

تم کون ہو؟

شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ طمانیت ووقار کے پیکر بنے کھڑے ہیں موت سامنے ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ چہرے پر عزم واستقلال کے اثرات نمایاں ہیں۔ اور دل ہے کہ مسکنیت کا مسکن بنا ہوا ہے۔ آپ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

میں محتسب ہوں۔

خلیفہ چیخ کر بولا۔ تم محتسب کیسے ہو؟ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے؟ میں نے اپنے ملک میں آپ کے نام کا کوئی محتسب مقرر نہیں کیا۔ آپ کو کس نے محتسب بنایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جس نے آپ کو حکمران بنایا ہے۔ اس نے مجھے محتسب بنایا ہے۔ شیخ کا جواب سن کر اہل دربار پر سناٹا چھا گیا۔ موسیٰ بن افلح کوتوال تو گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ جلاد موجود ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب خلیفہ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ کا سر تن سے جدا کردے گا۔

مگر نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ نتیجہ اس کی توقع سے بالکل خلاف نکلا۔ خلیفہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور وہ ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ نے سر اٹھایا اور شیخ سے سوال کیا۔

اچھا یہ تو بتاؤ کہ یہ کام تم نے کیوں کیا۔

اس کے جواب میں شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ اے خلیفہ وقت! میں نے یہ کام تیری دشمنی میں نہیں کیا بلکہ تیری خیر خواہی میں کیا ہے۔ تو ایک ناجائز اور حرام کام میں مبتلا

Marfat.com

تھا۔ شراب کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ شراب انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا مسلمان حکمران جہنم کا ایندھن بنے۔ اس لئے میں نے مٹکے توڑ دیئے۔ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کا اہم ترین ستون اور عظیم ترین فریضہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا۔ ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر عذاب نازل کر دے گا۔ اس وقت تم دعا کرو گے لیکن دعا قبول نہیں کی جائے گی۔

اے خلیفہ! میں نے اپنے آقا و مولا کی ہدایت کے بموجب اس فریضے کو ادا کیا ہے۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ نہ مجھے نتائج کی سنگینی کا خیال ہے۔ میرے فرض نے مجھے آواز دی اور میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

شیخ کی اس مختصر گفتگو نے خلیفہ معتصم باللہ کے دل کی دنیا کو منقلب کر دیا۔ اقتدار کا نشہ سر سے اتر گیا۔ مالک الملک کے دربار میں حاضری کے خیال نے اس میں احساس ندامت پیدا کر دیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ بنو عباس کا پر جلال حکمران ایک گدائے بے نوا کا دامن تھامے توبہ کر رہا ہے۔

بادشاہ تائب ہوا تو رعایا میں شراب نوشی بند کرنے کا احساس پیدا ہوا۔ آج لوگ شراب پیتے ہیں۔ مگر ان پر کوئی محتسب نہیں ہے۔ جو سرکاری محتسب ہوتے ہیں وہ بھی اس فعل بد میں مبتلا ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے آپ کو محتسب سمجھ لے یا اسے محتسب تسلیم کر لیا جائے تو شراب نوشی کا وجود تک ختم ہو جائے۔

Marfat.com

معافی

بنو ہاشم پر بنوامیہ کی ساری زیادتیاں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر تھیں انہوں نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ان زیادتیوں کی تلافی کرنی شروع کی۔ جو جاگیریں اور جائدادیں ضبط کی گئی تھیں وہ بنو ہاشم کو واپس کر دیں۔ اس پر بنوامیہ بگڑ گئے۔ وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کھچے کھچے رہنے لگے وہ اسے خلافت سے ہٹا دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ان کے ایک غلام سے ساز باز کی کہ اگر وہ خلیفہ کو زہر دیدے تو اس کے بدلے میں اسے 300 اشرفیاں دی جائیں گی۔

غلام لالچ میں آ گیا اس نے اپنے نیک آقا کی زندگی 300 اشرفیوں سے سستی سمجھی۔ اور ان کی زندگی کا سودا کر لیا۔ بس ایک دن اسے موقعہ ملا اور وہ زہر دینے میں کامیاب ہو گیا۔

زہر نے فوراً اثر کیا۔ اس کا اثر سارے جسم میں سرائت کرتا جا رہا تھا اور خلیفہ ہر لحظہ موت کے قریب پہنچے جا رہا تھا۔

خلیفہ کو علم ہو گیا کہ زہر دے کر مجھے قتل کرنے والا میرا ہی ایک غلام ہے۔ اسے بلایا گیا اور کہا اے ظالم! تجھے ایک انسان کی زندگی کو موت کے حوالے کرنے میں شرم نہ آئی اگر تو نے یہ کام کسی اور کی زندگی ضائع کرنے کے لئے کیا ہوتا تو تجھے اس کے قصاص میں ضرور قتل کر دیتا۔ مگر میں اب اپنی خاطر تجھے موت کی وادی میں نہیں دھکیلنا چاہتا۔ جاؤ تم بھاگ جاؤ ورنہ اگر لوگوں کو بات معلوم ہو گئی تو وہ تجھے قتل کر دیں گے۔ مگر بھاگنے سے پہلے اتنا ضرور کرو کہ وہ تین سو اشرفیاں جو مجھے مار دینے میں تجھے ملی ہیں وہ واپس کرو تاکہ میں انہیں بیت المال میں جمع کروا سکوں۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تین سو اشرفیاں بیت المال میں جمع کروا دی گئیں اور غلام کو معاف کر دیا اور لوگوں کی آنکھوں سے دور بھاگ جانے کا حکم دیا۔

جب خلیفہ کا وقت آخر آن پہنچا اور نزع کا عالم طاری ہونے والا تھا تو مسلمہ بن عبدالملک

Marfat.com

کہنے لگے۔

اے امیر المومنین آپ نے بھی عجیب کام کیا ہے۔نہ دیکھا نہ سوچا اور قاتل کو معاف کر دیا۔ اس سے زر قصاص (خون بہا) ہی لے لیا ہوتا تاکہ آپ کے بیٹوں کے کام آتا۔ گھر میں تو آپ نے ایک پائی تک نہ چھوڑی۔ جو آپ کے تیرہ بیٹوں کے کام آئے۔ آپ نے کیسی خلافت کی ہے کہ آپ کے آنکھیں بند کرتے ہی وہ سب کے سب بھکاری بن جائیں گے اور اپنی بیگم کے زیورات تک بیت المال میں جمع کروا دیئے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن العزیز رحمتہ اللہ علیہ نے تیمار داروں سے کہا۔ذرا مجھے اٹھا کر بٹھا دو جب انہیں اٹھا کر بٹھا دیا گیا تو فرمایا۔

ذرا غور سے میری بات سنو۔ میں نے اپنی اولاد کا مال کسی کو بھی نہیں دیا انہوں نے جو کمایا ان کے پاس ہے۔ہاں کسی کو بھی ناجائز طریقے سے کچھ کمانے کی میں نے اجازت نہیں دی۔

پھر فرمایا بیت المال کا مال مسلمانوں کا ہے۔ میں اس میں سے اپنی اولاد کو کیسے دے سکتا ہوں۔ کیا کوئی شخص یہ برداشت کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کا مال کھانے کا جرم میرے کھاتے میں لکھ دیا جائے اس کی سزا مجھے ہو اور اس سے فائدہ دوسرے (میری اولاد) اٹھائیں۔

رہا خون بہانہ لینے کا معاملہ۔ اس پر زندہ رہنے تک مجھے اختیار تھا میں اسے قتل کروا سکتا تھا مگر میں نے معاف کرنے کو ترجیح دی۔ شاید اس کے بدلے میں اللہ مجھے معاف فرمادے۔

اور تیسری بات کہ اگر میرے بیٹے سعادت مند ہوں گے تو انہیں اللہ کبھی بھوکا نہیں مارے گا۔یہ باتیں کرتے کرتے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

آج ایسے حکمران کہاں سے آئیں گے جنہیں اپنے احتساب کا زیادہ ڈر ہو آج کے حکمران سابقہ حکمرانوں کے احتساب کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں مگر احتساب نہیں کر پاتے۔ جبکہ ان کا اپنا احتساب شروع ہو جاتا ہے اور وہ وہ باتیں لوگوں پر واضح ہونے لگتی ہیں جو انہوں نے شرافت کے لبادے میں کی ہوئی ہیں ان کی کوٹھیوں، پلاٹوں اور بیرون ملک بینک بیلنس کے کھاتے دکھائے جاتے ہیں۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

معزولی

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی اور اسلام لانے کے بعد بھی آپ نے ہر میدان میں اپنی شجاعت کا لوہا منوایا ہے۔ آپ نے 6ھ میں اسلام قبول کیا مگر اس روایت پر جرح ہے۔ 8ھ بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی افواج کے لئے ایک حصار بن گئے۔ اور اسلام دشمن قوتوں کو خوب زک پہنچائی۔ آپ نے بے شمار جنگوں میں بطور سپہ سالار دشمن کے دانت کھٹے کیے۔ حضور ﷺ نے آپ کو سیف اللہ کا خطاب دیا۔ آپ نے اپنی ٹوپی میں حضور رسالت مآب ﷺ کے بال مبارک سی رکھے تھے جن کی برکت سے آپ کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ شام اور دمشق کے محاذ کے انچارج تھے۔ اس وقت جنگ یرموک کا معرکہ مسلمانوں کو درپیش تھا۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ 17ھ میں مسلمانوں نے بیت المقدس بھی فتح کر لیا۔ پھر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک تاریخی معاہدہ ہوا۔

جب لشکر اسلام شام اور دمشق کے محاذ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں لڑ رہا تھا اور مسلمانوں کی فتح یقینی ہو چکی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار بنا دیا۔

لشکریوں نے کہا اے خالد آپ سپہ سالاری چھوڑنے سے انکار کر دیں کیونکہ آپ نے آج تک کوئی غلطی اور کوتاہی نہیں کی۔ آپ کو ہر جنگ میں کامرانی و کامیابی ہوئی۔ مگر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ فوراً فوجوں کی قیادت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی۔ اور فرمایا۔

میں ایک سپاہی ہوں۔ سپاہی کا کام لڑنا ہے۔ خواہ تلوار پکڑ کر خود قتال کرے یا قتال کرنے

Marfat.com

والوں کی قیادت کرے۔

اس معزولی کی چار وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جوش و جذبے والے تھے۔ دشمن کی کثرت سے خائف نہ ہوتے تھے۔ اکیلے اور تنہا بھی میدان جنگ میں کود پڑتے تھے۔ یعنی ان کے جوش کی بیداری میں دانش مندی کو نیند آجاتی تھی۔ جسے خطرناک سمجھا گیا۔

۲۔ آپ مال غنیمت کا حساب کتاب دربار خلافت میں نہیں بھیجتے تھے۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک غلط اطلاع ملی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شاعر اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دس ہزار درہم کی خطیر رقم بطور انعام دی ہے۔ اس اطلاع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کر لیا جائے اور ان سے پوچھا جائے کہ یہ رقم انہوں نے اپنی گرہ سے دی ہے یا بیت المال سے۔ اپنی گرہ سے دی ہے تو یہ اسراف ہے۔ اور بیت المال سے دی ہے تو یہ خیانت ہے۔

اس بات کا تسلی بخش جواب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ دے سکے۔ صرف اتنا کہا کہ میں نے امیر المومنین کا حکم سن لیا ہے اور مان لیا۔ اور معزولی کے حکم نامے پر دستخط کر کے فوجوں کی قیادت سے الگ ہو گئے۔

ان تینوں وجہوں کی حقیقت اور صداقت اس بات سے ختم ہو جاتی ہے جو کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی۔ کہ میں نے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے کسی کام کی کوتاہی کی بنا پر معزول نہیں کیا بلکہ مسلمان ان کے کارناموں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے۔ فتنے میں مبتلا ہونے کی وجہ چوتھی وجہ تھی۔ یعنی

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خیال کرتے ہوئے انہیں معزول کیا کہ لوگ گمان کرنے لگے تھے کہ جس فوج کی قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کریں گے اسے شکست نہیں ہو سکتی۔ گویا فتح و شکست خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ سے ان کا یقین اٹھ رہا تھا۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ فتح و شکست اللہ کے ہاتھ ہے۔ خواہ خالد بن ولید ہو یا عبیدہ بن ابی الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

Marfat.com

بہرحال اتنا عظیم سپہ سالار معزول ہو گیا مگر فوج کی صفوں میں کوئی بگاڑ نہ آیا اور نہ ہی ملک میں کوئی گڑبڑ ہوئی اور نہ کوئی ہنگامہ ہوا۔ اطاعت امیر کی مثال اس سے بڑھ کر کہیں نہیں ملے گی۔ کیونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھتے تھے کہ انہیں جو مقام حاصل ہے وہ صرف اور صرف اسلام کی وجہ سے ہے۔

آج اگر کسی ملازم کو اس کی سنگین غلطیوں کی بنا پر اس کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے تو احتجاجی ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں۔ توڑ پھوڑ کر کے قومی املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ پھر ایک ایسی بے چینی پھیلا دی جاتی ہے کہ عوام کا اعتماد حکومت سے اٹھ جاتا ہے اور حکومت کی نظر میں ہر شخص ہی جرم کا ارتکاب کرنے والا ہوتا ہے۔

Marfat.com

فیصلے

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر
اقبال

Marfat.com

زیورات

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کو تاریخ خلفائے راشدین میں شمار کرتی ہے آپ نے جب منصب خلافت سنبھالا۔ تو بڑے رنجیدہ خاطر تھے۔ یوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ جیسے تھکے ہوئے ہوں۔ یا کوئی بوجھ اٹھار کھا ہو۔ گھر میں آتے ہی چارپائی پر دراز ہو گئے۔

آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبد الملک آگے بڑھیں اولاً امیر المؤمنین کا منصب سنبھالنے پر مبارکباد پیش کی۔ اور از اں بعد وجہ رنجیدگی دریافت کی۔

آپ نے کہا۔ فاطمہ! جو آدمی صرف اپنا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو اس کے کندھوں پر پورے ملک کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا جائے تو وہ رنجیدہ نہ ہو تو کیا ہو۔

فاطمہ کہنے لگی۔ میرے پیارے شوہر! لوگ تو اس تاج و تخت کے لئے بہت کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

فرمایا۔ ہاں۔ میں بھی کچھ داؤ پر لگانا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کیا تم میرا ساتھ دو گی۔

ہاں۔ میں جان و دل سے تیار ہوں۔

اگر ایسا ہے تو اپنے سارے زیورات نکال کے میرے پاس لاؤ۔

فاطمہ اٹھی۔ اپنے زیورات کا ڈبہ اٹھا لائی۔ ان زیورات میں ایک بڑا قیمتی گوہر بھی تھا جو اس کے والد عبد الملک نے اسے دیا تھا۔

خلیفہ نے کہا یہ سارے زیورات مجھے پہن کے دکھاؤ۔

فاطمہ کہنے لگی۔ آج خیریت تو ہے اس عمر میں مجھے دلہن بناؤ گے کیا۔

ہاں میری خوشی کے لئے تمہیں یہ کرنا ہو گا۔

فاطمہ نے مسکراتے ہوئے زیورات پہننے شروع کر دیئے۔ پھر وہ چند لمحوں میں زیور سے لد گئی۔ کہا۔ کیا اب میرا سرتاج خوش ہے۔

Marfat.com

فرمایا۔ ہاں بڑا خوش ہوں۔ اب ایک مسکراہٹ تیرے چہرے پر دیکھنا چاہتا ہوں۔

فاطمہ نے کئی مسکراہٹیں چہرے پر سجالیں۔ کہا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ زیورات اب اتار دوں۔

ہاں۔ سارے زیورات اتار کر یہاں میرے پاس ڈھیر کر دو۔

فاطمہ نے ایسے ہی کر دیا۔

اب خلیفہ کہنے لگا۔ فاطمہ دیکھو تمہارے ایک طرف میں کھڑا ہوں۔ اور دوسری طرف تمہارے زیورات ہیں۔ اگر میں کہوں کہ تم ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو تو تم کسے پسند کرو گی۔ اور اس پسند کے بعد دوسری چیز سے بالکل نفرت کرو گی۔

فاطمہ آگے بڑھی۔ اور خاوند کے پہلو میں جا کر کھڑی ہو گئی۔

فرمایا۔ فاطمہ! تم نے بڑا اچھا انتخاب کیا ہے۔ اب میں آپ کی پسند پر ایک فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ یقیناً آپ اسے رد نہیں کریں گی۔

کہا۔ فرمائیے۔

یہ سارے زیورات میں چاہتا ہوں آپ بیت المال میں جمع کروا دیں کیونکہ مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ میں اور تم اور تمہارا زیور ایک گھر میں رہیں۔ میرے ساتھ جو تمہیں محبت ہے۔ وہ زیور کی محبت میں نہ بٹ جائے۔

فاطمہ کہنے لگی۔ آپ شوق سے میرے زیورات بیت المال میں جمع کروا دیں میں زیورات کے مقابلے میں آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔

جب یہ زیورات بیت المال میں جمع کروانے کا فیصلہ ہوا اس وقت تک آدھی رات بیت چکی تھی۔ خلیفہ نے اس وقت بیت المال کے نگران کو بلایا اور سارے زیورات اس کے سپرد کر دیئے۔ کہا انہیں بیت المال میں جمع کر دیں۔

رجب 101ھ میں جب عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا اور یزید بن عبد الملک تخت خلافت پر بیٹھا۔ تو اس نے آپ کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت عبد الملک سے کہا۔ کہ اے بہن اگر تم چاہو تو میں تمہارے تمام زیورات بیت المال سے واپس لے کر تمہیں دے دوں۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اور کہا جو چیز میں اپنی مرضی سے اپنے شوہر کی زندگی میں دے چکی ہوں تو

Marfat.com

اب ان کے انتقال کے بعد واپس نہیں لوں گی۔

عورتوں کو اپنے زیورات بڑے عزیز ہوتے ہیں۔ وہ ان کی خاطر بڑی بڑی ناراضگیاں لے لیتی ہیں۔ مگر انہیں دوسروں کے تصرف میں دینے کی اجازت نہیں دیتیں۔ یہ اس خلیفہ راشد کی تربیت کا اثر ہے کہ انہوں نے اولاً بیت المال میں اپنے زیورات دے دینے میں قلبی وسعت دکھائی اور پھر جب خلیفہ یزید بن عبد الملک نے انہیں زیورات کو واپس لوٹانے کی پیش کش کی تو اس پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا۔

اور اس خلیفہ راشد کا ایثار دیکھئے کہ وہ مال و متاع بیت المال میں جمع کرا دیا جو ان کے پاس یہ منصب ملنے سے قبل کا تھا۔

آج کے حکمران طبقہ کی بات تو دور کی ہے۔ سرکاری ملازم ایک دو سال میں اپنے آپ کو طبقہ امراء میں شامل ہونے کا دعویدار بن جاتا ہے۔

Marfat.com

سواری

ہشام بن عبدالملک کو جمعہ کی نماز پڑھنے کی تیاری کرتے کرتے دیر ہو گئی۔ مسجد میں جاتے وقت اپنے بیٹے سلیمان بن ہشام سے صرف اتنا کہہ سکا کہ بیٹا جلدی کرو کہیں جمعہ کی نماز ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ میں خود بڑی جلدی میں ہوں۔

بیٹے نے کہا۔ ہاں ابو! آپ جائیں میں بھی آرہا ہوں۔

ایک دو بار ہشام نے پیچھے مڑ کے دیکھا مگر بیٹا اسے آتا ہوا دکھائی نہ دیا جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر بھی دائیں بائیں دیکھا مگر سلیمان نہیں تھا۔ لوگوں سے پوچھا کہ دیکھو کہیں سلیمان نماز پڑھ کر چلا تو نہیں گیا۔ مگر کسی نے بھی اس کے چلے جانے کی اطلاع نہیں دی۔

خلیفہ جب گھر پہنچا تو بیٹا گھر میں موجود تھا۔

پوچھا کہ اس نے نماز جمعہ کہاں پڑھی ہے؟

اس کے جواب میں بیٹے نے کہا کہ وہ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہو سکا۔

آخر کیوں؟

اس نے عرض کیا میرے پاس سواری نہ تھی۔

خلیفہ نے کہا جن لوگوں نے نماز جمعہ پڑھی کیا وہ سب سواری پر گئے تھے، اگر وہ پیدل جا سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں جا سکتے۔

بیٹے نے کہا کیا عام آدمی اور شہزادے میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

یہ جواب سن کر خلیفہ کے تیور بدل گئے۔ غصہ ہویدا ہوا۔ چہرے کی رنگت سرخ ہو گئی۔ فوراً سائیس کو بلایا اور فرمایا آج کے بعد شہزادہ سلیمان کو سواری کے لیے گھوڑا نہیں دینا ہے۔ اسے جہاں بھی جانا ہو پیدل جایا کرے۔

نازک اندام شہزادے پر یہ پابندی ایک مصیبت بن گئی۔ اب نہ تو وہ دوستوں کے ساتھ سیر کو جا سکتا اور نہ ہی شکار کو۔

Marfat.com

ایک دن موسم بڑا خوشگوار تھا۔ دوستوں نے گھوڑوں کا انتظام کیا تو ایک گھوڑا شہزادے کے لیے بھی حاصل کیا گیا۔

اتفاق یہ کہ جونہی شہزادہ رکاب میں پاؤں رکھ کر سوار ہونے لگا باپ نے دیکھ لیا۔ فوراً کہا۔

سلیمان بیٹا! تم جا کے شکار ضرور کھیل سکتے ہو مگر پیدل جانا ہوگا۔

شہزادے نے کہا۔ ابو! یہ گھوڑا اصطبل کا تو نہیں ہے۔

گھوڑا اصطبل یا مانگے کا ہونے کی بات نہیں ہے۔ میں نے تو سواری نہ استعمال کرنے کی پابندی لگائی ہے۔ اگر اس پابندی کو توڑو گے تو کوئی اور پابندی لگ جائے گی۔ ہاں تمہیں پیدل جانے کی اجازت ہے۔ نہ تم مانگے کے گھوڑے پر سواری کر سکتے ہو اور نہ ہی کسی دوست کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو۔ شاہی کارندے آپ کی نگرانی کو ساتھ جائیں گے۔

اب دوستوں نے سارے گھوڑے واپس بھیج دیئے۔ پیدل شکار کیا۔ پیدل شکال کیا کرنا تھا۔ جیسے گئے ویسے ہی واپس آ گئے۔ ہاں البتہ شہزادے کے پاؤں زخمی ضرور ہو گئے۔

شہزادہ بار بار معافی مانگتا مگر اسے سواری استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ اس طرح ایک سال گزر گیا۔ شہزادے نے کئی جمعے پیدل جا جا کے پڑھے۔ جب سواری استعمال کرنے کا خیال ہی اس کے دل سے نکل گیا تو ایک سال کے بعد اسے گھوڑا استعمال کرنے کی اجازت ملی۔

آج کے ارباب اختیار کے نور نظر ذاتی گاڑیاں تو کجا سرکاری گاڑیوں پر بھی کلبوں میں جاتے ہیں۔ اور عیش و عشرت کی زندگی میں کھو جاتے ہیں۔ والد محترم کو فرصت ہی نہیں ملتی کہ انہوں نے عید (جو ایک سال کے بعد آتی ہے) کی نماز بھی پڑھی ہے یا نہیں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندویؒ

Marfat.com

گائے

شاہ سلجوق الپ ارسلاں (1063ء۔1072ء) قیصر ارمانوس کو زبردست شکست دینے کے بعد ایک جگہ پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ قریب ہی کسی غریب بڑھیا کی ایک گائے چر رہی تھی۔ جسے سپاہیوں نے پکڑا اور ذبح کر کے کھالیا۔ شام کو گائے گھر نہ پہنچی تو بڑھیا گائے کو تلاش کرتے کرتے ادھر آنکلی۔

اس نے دیکھا کہ اس کی گائے کے پاؤں کے نشان لشکر گاہ تک آ رہے ہیں۔ اور گائے کو ذبح کئے جانے کے بعض اور بھی پکے ثبوت اسے دکھائی دیئے۔ یہاں تک کہ اس کی گائے کی کھال بھی پڑی ہوئی تھی۔

اس نے فوجیوں سے گائے کے بارے میں پوچھا تو سپاہیوں نے اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ بلکہ اسے مذاق کئے۔ تاہم بڑھیا یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ کہ الپ ارسلاں زندہ رود (ایران کے دریا) کی اس جانب سیر کرنے گیا ہوا ہے۔ وہ بڑھیا دریا کے پل پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہ سلجوق گھوڑے پر سوار آ رہا تھا کچھ دوسرے فوجی افسر بھی اس کے ہمراہ تھے۔

جونہی شاہ سلجوق کا گزر پل پر سے ہونے لگا۔ وہ بڑھیا آگے بڑھی اور گھوڑے کی لگام پکڑلی۔ شاہ سلجوق نے گھوڑا روک لیا۔ دوسرے فوجی حیران تھے کہ اس بڑھیا نے شاہ معظم کا گھوڑا کیوں روکا ہے۔ اور وہ بھی اس انداز سے جیسے بادشاہ سے کوئی سنگین جرم ہو گیا ہے۔ ایک فوجی نے آگے بڑھ کر بڑھیا کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر بادشاہ نے اسے روک دیا۔

بادشاہ نے پوچھا۔ ماں جی میرے لائق کوئی کام!

بڑھیا بولی۔ فی الحال میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں کہ میری گائے کا حساب تم اِس پُل پر دو گے یا اُس پُل پر۔

بادشاہ کانپ گیا۔ وہ جلدی سے گھوڑے پر سے نیچے اتر آیا عرض کیا ماں جی اِس پل پر حساب

Marfat.com

لے لیں۔ اُس پل پر حساب دینا بڑا مشکل ہو گا۔

مجھے بتایئے آپ کون سا حساب لینا چاہتی ہیں۔

بڑھیا نے عرض کیا میری گائے جنگل میں چر رہی تھی کہ تیرے سپاہیوں نے اسے ذبح کر کے کھالیا ہے۔ میں غریب ہوں۔ میرے بچے تو آج ہی دودھ سے محروم سوئیں گے۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ میں اس سلسلے میں آپ کے سپاہیوں پر الزام لگا رہی ہوں۔ آپ میرے ساتھ آئیں میں کچھ پکے ثبوت بھی دے سکتی ہوں۔

نہیں نہیں ماں جی۔ مجھے آپ کی زبان پر اعتماد ہے۔ آپ بھلا اس عمر میں جھوٹ کیسے بولیں گی۔ آئیں آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں کیونکہ آپ تھکی ہوئی لگتی ہیں۔

بڑھیا کو گھوڑے پر سوار کر دیا گیا۔ اور شاہ سلجوق خود گھوڑے کی لگامیں پکڑے آگے آگے چلنے لگا۔ اس طرح وہ جلدی ہی لشکر گاہ تک پہنچ گئے۔ بڑھیا کو اپنے خیمے میں بٹھایا اور پھر بڑی جلدی ایسے سپاہیوں کو اکٹھا کر لیا جنہوں نے گائے کا گوشت کھایا تھا۔ انہوں نے جرم کا اعتراف کیا۔

سلطان نے نہ صرف ان سپاہیوں کو کڑی سزا دی بلکہ ستر گائیوں کے برابر قیمت بھی وصول کر کے اس بڑھیا کے سپرد کی اور ہاتھ باندھ کے معافی مانگی۔

جن حکمرانوں نے رعایا کے مال و جان کا تحفظ کیا ہے ان کے ملک خوشحال رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو توفیق دے۔ لوگوں کے ساتھ دن رات زیادتیاں ہو رہی ہیں اور فریادیوں کی راہ میں اتنی رکاوٹیں ہیں کہ جنہیں عبور کرنا نقصان کی قیمت سے زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا صبر و شکر کر کے گھر پر ہی بیٹھ جاتے ہیں۔

ماہنامہ فیض عالم بہاول پور

مارچ 2000ء

Marfat.com

فتح

مدائن اور بہرہ شیر دو شہر ہیں جن کے درمیان میں سے دریائے دجلہ گزرتا ہے۔ شہنشاہ ایران کبھی بہرہ شیر میں آ کر رہتا اور کبھی مدائن میں۔ بہرہ شیر پر مسلمانوں نے تین مہینے کے محاصرہ کے بعد قبضہ کر لیا۔ جب بہرہ شیر محصور تھا۔ تو شہنشاہ ایران یزدجرد مدائن میں تھا یزدجرد نے جب دیکھا کہ بہرہ شیر ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے تو اس نے مدائن سے بھاگنے اور اموال و خزائن مدائن سے منتقل کرنے کی تدابیر اختیار کیں۔ یزدجزد کا مدائن سے بھاگ جانا مسلمانوں کے لئے خطرات کا بدستور باقی رہنا تھا۔

حضرت سعد کو اب اس بات کا خیال تھا کہ جس قدر جلد ہو مدائن پر قبضہ کر لیں۔ لیکن دریائے دجلہ چونکہ درمیان میں حائل تھا۔ یہ پچاس میل کی لمبائی تک اس قدر گہرا تھا کہ جہاز چلائے جا سکتے تھے اور چوڑائی اس قدر زیادہ تھی کہ ایک کنارے سے پھینکا ہوا تیر دوسرے کنارے تک نہ پہنچتا تھا۔

ایرانیوں نے بہرہ شیر سے بھاگتے ہوئے اس کا پل مسمار کر دیا تھا اور کوئی کشتی اس لئے نہ چھوڑی تھی کہ مسلمان ادھر کا رخ نہ کریں۔ اور واقعتہً اس صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کا آگے قدم بڑھانا خطرات کو دعوت دینا تھا۔

مگر مسلمان تو محض خدا کی خاطر لڑ رہے تھے۔ اس لشکر کی سپہ سالاری حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ سوچ رہے تھے اگر سپہ سالار ہی بے دست وپا ہو کر بیٹھ جائے تو سپاہ کے خون میں گرمیاں کیسے آ سکتی ہیں؟

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوج سے خطاب کیا۔

ساتھیو! ہم نے آگے بڑھنا ہے مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے آگے حد نظر تک دریا پھیلا ہوا ہے۔ اس کے دوسرے کنارے پر دشمن کے تیر انداز بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوئی پل نہیں ہے۔ کوئی کشتی نہیں ہے۔ یہ سب اسباب ہماری ہمت کو شکستہ کرنے والے ہیں۔ ہم

Marfat.com

مسلمان ہیں۔ ہم ایسے حوصلہ شکن حالات سے گھبرانے والے نہیں ہیں۔ ہم تو محض اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے نکلے ہیں۔ اگر ہم یہاں سے واپس چلے گئے تو دریا کے دوسرے کنارے تک خدا کا دین کیسے جائے گا؟

سنو! میں کل صبح نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دوں گا بتاؤ تم میں سے کون کون میرے پیچھے آئے گا۔

ایک نعرہ تکبیر بلند ہوا سب جوانوں کے ہاتھ ہوا میں لہرانے لگے۔ حضرت سعد کے چہرے پر خوشی مچلنے لگی۔ انہوں نے کہا نماز تہجد کے بعد اپنے گھوڑے بالکل تیار رکھو تا کہ سورج کے طلوع ہونے سے قبل ہی دریا کے دوسرے کنارے تک اس وقت پہنچیں کہ ہمارا دشمن ہماری کارروائی سے بے خبر ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا نماز فجر کے بعد اللہ تعالیٰ سے نصرت کی دعا مانگی اور مسلمانوں کا 15000 کا لشکر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا میں کود گیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس لشکر کی تعداد 30000 تک تھی۔

اقبال نے اس بات کے پیش نظر کہا تھا۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

آدھے سے زیادہ لشکر جب دریا کو عبور کر گیا تو دشمن کے تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے جنہیں بڑی جلدی حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی 600 کی جماعت نے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔

جب سارا لشکر مدائن کی سرزمین میں پہنچ گیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔ دوستو! آپ دریا کی موجوں سے کھیل کر آئے ہیں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا دریا کی موجوں نے آپ کی کوئی چیز تو نہیں چھین لی۔

ایک سپاہی نے عرض کیا۔ ہاں۔ میرا لکڑی کا ایک پیالہ ان بپھری ہوئی لہروں نے چھین لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر آپ کا پیالہ حلال کی کمائی سے بنایا گیا ہے تو وہ دریا کو ہضم نہ ہو سکے گا۔ ابھی انہوں نے یہ بات مکمل ہی کی تھی کہ ایک آدمی نے پیالہ بلند کیا اور کہا کہ یہ جس کا پیالہ ہے وہ لے لے۔ سبحان اللہ کیا ایمان تھا مسلمانان اسلام کا۔

Marfat.com

یزدجرد مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے اپنے اہل و عیال اور خزانوں کو مدائن سے روانہ کر چکا تھا۔ تاہم قصر ابیض (شاہی محل) اور دارالسلطنت میں مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ اسلامی لشکر کے دریار کو عبور کر لینے کا حال سن کر یزدجرد بھی میدان سے چل دیا۔ مسلمانوں نے شہر کی تین سمتوں سے شہر میں داخل ہونا شروع کیا۔ کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور دیکھتے دیکھتے مدائن شہر فتح ہو گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سلام سے آٹھ رکعتیں صلوٰۃ الفتح کی پڑھیں۔ قصر ابیض میں جس جگہ کسریٰ کا تخت تھا وہاں منبر رکھا گیا اور اس قصر میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو دارالسلطنت ایران میں ادا کیا گیا۔

مال غنیمت میں شہنشاہ ایران کی بہت سی نادر روزگار چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، چاندی سونے اور جواہرات کی مورتیں کسریٰ کا شاہی لباس، اس کا زرنگاہ تاج اس کی زرہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں مسلمانوں نے بھاگنے والے ایرانیوں سے چھینی تھیں۔

ایوان شاہی کے خزانے اور عجائب خانے میں خاقان چین، قیصر روم، داہر شاہ ہند، بہرام گور سیادش، نعمان بن مندر، کسریٰ ہرمز فیروز کے خود، زریں، تلواریں دستیاب ہوئیں۔ جو عجائب روزگار سمجھ کر شاہی خزانے میں محفوظ تھے اور ایرانی ان پر فخر کرتے تھے۔

اس واقعہ سے مسلمانوں کے ایمان کی پختگی۔ توکل اور شجاعت کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے۔ کاش آج کی اسلامی افواج بھی اپنے سامنے حائل رکاوٹوں کو پھلانگنے کی جرأت دکھائیں۔

تاریخ اسلام

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

رقعہ

قادر باللہ عباسی خلیفہ بغداد نے تقریباً 42 سال تک حکومت کی۔ اس طویل دور حکومت کا راز اس کی عوام دوستی تھی۔ وہ عوام کے ساتھ سرکاری اہل کاروں کی زیادتیوں کا پتہ لگانے کے لئے عموماً ایک عام آدمی کے روپ میں رہتا۔ کبھی مسجد میں اس انداز سے نماز پڑھنے جاتا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلتا کہ ان کی صف میں یا ان کے پہلو میں خلیفہ کھڑا ہے۔ وہ کاروباری مراکز میں ایک عام گاہک بن کر سودا سلف خرید رہا ہوتا اور دکاندار کو خبر تک نہ ہوتی کہ اس کا گاہک ان کا اپنا خلیفہ وقت ہے۔ وہ خانقاہوں میں جا کر فقیرانہ روپ میں بیٹھا کرتا اور کسی کو پتہ نہ چلتا۔

چنانچہ ایک بار ایسا ہوا کہ قاضی بغداد حسین بن ہارون سے قادر باللہ کے حاجب کے بعض دوستوں نے وہ قیمتی جائداد نہایت سستے داموں میں خریدنے کی کوشش کی جو یتیموں کی تھی۔ اور محکمہ قضاء کی تولیت میں تھی۔

حاجب نے قاضی صاحب کے نام پیغام بھجوایا کہ جائداد کو قضاء کی تولیت سے آزاد کر دو۔ تاکہ اس کی من مانی قیمت ادا کر دی جائے۔

قاضی نے اس پیغام کے جواب میں انکار کر دیا۔ جس سے حاجب غصے میں تلملا اٹھا۔ اس نے قاضی کو اپنے ہاں بلا بھیجا۔

قاضی کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ جس شخص نے اپنے دوستوں کے مفاد کے لئے مجھے بلا بھیجا ہے وہ میری بے عزتی کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ وہ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر گیا۔ گڑگڑا کر دعا کی کہ بار الٰہا! تو نے جو عہدہ عطا فرمایا ہے۔ اس کے تقدس کی حفاظت اپنے اس پیارے بندے کے صدقے میں فرما۔ میں سرکاری عہدہ دار کے غضب کا شکار ہوں مجھے ثابت قدم فرما۔ قاضی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

مزار کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ایک درویش بیٹھا ہوا تھا۔ قاضی کی سسکیاں سن کر اس کے پاس آ گیا۔

پوچھا۔ کس کے حق میں بددعا کر رہے ہو۔

Marfat.com

قاضی نے کہا۔ فقیر بابا! بددعا تو نہیں کر رہا ہوں۔ ایک فرض کو نبھانے کی خاطر اپنے اللہ سے ہمت اور حوصلہ کی توفیق مانگ رہا ہوں۔

درویش نے کہا۔ آخر ماجرا کیا ہے۔ تم کس مصیبت میں گرفتار ہو۔ قاضی نے ساری بات کہہ سنائی۔

فقیر نے کہا۔ حوصلہ کرو۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ حق کی حمایت کرنے والوں کی حمایت حق تعالیٰ کرتا ہے۔

وہ فقیر اپنی جگہ پر جا بیٹھا اور قاضی حاجب کے گھر میں پہنچا۔ حاجب کا چہرہ غصے سے ابھی تک سرخ تھا۔ وہ قاضی کو دیکھتے ہی برس پڑا برے نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ اور قاضی کی ایک بات بھی نہ سنی۔ اتنا تنگ کیا کہ قاضی استعفیٰ دینے کے فیصلہ پر غور کرنے لگا۔

اچانک ایک نوجوان آیا۔ اس نے حاجب کو ایک رقعہ دیا۔ جسے پڑھنے سے حاجب کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے قاضی سے معذرت کی کہ اس نے آپ کو بلا کر اور آپ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے کی غلطی کی ہے۔ وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا۔

خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔

قاضی حیران تھا کہ ماجرا کیا ہے۔ یہ رقعہ کس کی طرف سے ہے۔

پھر حاجب خود ہی بولا قاضی صاحب! کیا میرے ہاں آنے سے قبل آپ خلیفہ کے ہاں گئے تھے

قاضی نے عرض کیا۔ بالکل نہیں۔

حاجب نے کہا اگر تم نہیں گئے تو آئندہ میرے ہاں آنے کا تذکرہ خلیفہ سے ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ میری نوکری ہاتھ سے نکل جائے گی۔

دوسرے دن حاجب کی واقعۃً چھٹی ہو گئی۔ اور بعد میں قاضی کو علم ہوا کہ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر ملنے والا درویش بابا خود خلیفہ قادر باللہ تھا۔

آج کے حاکم وقت بھلا ایسے روپ کہاں دھاریں گے۔ اور نہ ہی آج کا میڈیا حکمرانوں کے ایسے روپ پوشیدہ رہنے دیتا ہے۔ حاکم تو خود چاہتا ہے کہ ان کی زندگی کی ایک ایک کروٹ کی اخباروں کے ذریعے ریڈیو کی وساطت سے اور ٹیلی وژن کی سکرین پر خوب تشہیر ہو جس کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ پورے معاشرہ میں بے چینی، بے قراری اور اضطراب کی کیفیت ہے۔

ابن اثیر بحوالہ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

عدالت

نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ 565ھ میں موصل کا حکمران بنا وہ ظلم وجور کے سخت خلاف تھا۔ رعایا کا خیر خواہ اور ہمدرد تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنے آپ کو ملت کا خادم سمجھا۔

ایک دن اس کے قاضی کمال الدین کے ہاں ایک شخص نے جائداد کے بارے میں اس پر دعویٰ دائر کر دیا۔ عدالت میں حاضر ہونے کے لئے قاضی نے اطلاع نامہ ارسال کیا۔ اتفاق کی بات کہ جب قاضی کا چپڑاسی نورالدین کے پاس پہنچا تو وہ اس وقت چوگان کھیلنے میں مصروف تھا اور خوب لطف اٹھا رہا تھا۔ اور عین اس وقت جبکہ گینداس کی زد میں تھی اس نے قاضی کے چپڑاسی کو دیکھا۔ وہ فوراً کھیل کے میدان سے باہر آگیا اور چپڑاسی کے پاس پہنچا۔ چپڑاسی نے عدالت کا اطلاعی پرچہ آگے بڑھا دیا۔

یہ مقدمہ غلط دائر کیا گیا تھا۔ مگر یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر عدالت میں حاضر نہ ہوا تو یہ سمجھ لیا جائے گا۔ کہ قاضی کی عدالت میں صرف غرباء ہی طلب کئے جاتے ہیں امیروں اور بڑوں کو کون پوچھنے والا ہے۔

چنانچہ سلطان اپنا من پسند کھیل چھوڑ کر عدالت میں حاضر ہوا اور جاتے ہی کہا۔ کہ چونکہ میں مدعا علیہ کی حیثیت سے طلب کیا گیا ہوں۔ لہٰذا میرے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو عام مدعا علیہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

قاضی نے نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی مدعی کے ساتھ کھڑا کر کے فریقین کے بیانات اور شہادتیں سنیں۔

قاضی کو تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ جائداد مدعی کی بجائے نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔ اس لئے قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

قاضی مدعی کے جھوٹا مقدمہ دائر کرنے پر اسے کوئی سزا دینا چاہتا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ عدالت کا وقت ضائع کیا ہے۔ اور ساتھ ہی سلطان وقت نورالدین زنگی پر الزام لگا کر اس کی

Marfat.com

شہرت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ واقعۃً ایسی سزا کا مستحق تھا۔ مگر سلطان نے ایسی کوئی سزا سنانے میں قاضی کو روک دیا۔ کہ اسے کوئی بھی سزا نہ دی جائے بلکہ جو جائداد عدالت نے میری ثابت کی ہے میں اسے اس مقدمہ کے مدعی کے نام ہبہ کرتا ہوں۔ تاکہ یہ شخص عدالت اور سلطان سے بدگمان نہ ہو۔

مدعی آگے بڑھا اور سلطان سے کہا مجھے میرا قصور معاف فرمادیا جائے۔ میرا دعویٰ واقعی جھوٹا تھا۔ میں جائداد قبول نہیں کروں گا۔ مگر سلطان نے کہا بادشاہ جو چیز عطیہ میں دے دیں وہ واپس نہیں لیا کرتے۔

آج عوام عدالتوں کے فیصلوں سے زیادہ مطمئن نہیں ہیں۔ جھوٹے گواہ پیش ہوتے ہیں۔ اور جھوٹ کو سچ ثابت کر دکھاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ارباب اختیار کے مقام و مرتبہ کے لحاظ بھی رکھا جاتا ہے۔ اور سفارشیں بھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ مگر جو تشہیر کی جاتی ہے وہ صاف اور شفاف کارروائی کی ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

فرشِ بہار

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب مسلمانوں نے مدائن فتح کیا تو جمعہ کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً آٹھ رکعتیں صلوٰۃ الفتح کی ایک ہی سلام سے پڑھیں۔ اور پھر فرمایا کہ آج ہم قصر ابیض میں نماز جمعہ ادا کریں گے اس کے بعد مال غنیمت پر توجہ دیں گے۔

قصر شاہی میں منبر رکھا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مختصر خطبہ دیا اور مدائن کی فتح پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر نماز جمعہ ادا کی گئی۔

جب مال غنیمت اکٹھا کیا گیا تو اس میں شہنشاہ ایران کی بہت سی نادر روزگار چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ چاندی سونے اور جواہرات کی مورتیں کسریٰ کا شاہی لباس، اس کا زرنگاہ تاج اس کی زرہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں مسلمانوں نے اکٹھی کیں۔

ایوان شاہی کے خزانے اور عجائب خانے میں خاقانِ چین، قیصر روم، داہر شاہ ہند، بہرام گور سیادش نعمان بن فیروز کے خود، زرہیں۔ تلواریں اور خنجر دستیاب ہوئے۔ جو عجائب روزگار سمجھ کر شاہی خزانے میں محفوظ رکھ دیئے جاتے تھے اور ایرانی ان چیزوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

ان چیزوں کے فراہم ہو جانے پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت قعقاع رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دی کہ وہ تلواروں میں سے جس تلوار کو پسند کرتے ہیں لے لیں۔ حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر قیصر روم کی تلوار اٹھالی اور ایک طرف ہو گئے۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور بہرام گور کی زرہ اٹھائی اور فرمایا اے قعقاع یہ بھی لے لو۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علاوہ خمس کے جو چیزیں نادرات روزگار میں شمار ہوتی تھیں وہ سب جمع کر کے دربار خلافت کو روزانہ کر دیں ان نادرات روزگار میں کسریٰ کا فرش تھا جو بہار کے نام سے مشہور تھا۔ یہ فرش نوے گز لمبا اور دس گز چوڑا تھا۔ اس میں پھول پتیاں

Marfat.com

درخت نہریں، غنچے سب سونے چاندی اور جواہرات سے بنائے گئے تھے اس وجہ سے اس فرش کا نام بہار تھا۔

شاہان فارس جب بہار کا موسم گزر جاتا تو اس کی یاد میں اس فرش پر بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ جب یہ سب چیزیں مدینہ پاک میں پہنچیں تو لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام سامان لوگوں میں بانٹ دیا۔ صرف فرش باقی رہ گیا وہ کسی بھی ایک شخص کو نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ اس کی مالیت بہت زیادہ تھی۔ اگر اسے تقسیم کر کے دیں تو اس کی ساری صنعت کاری ویران ہوتی تھی۔ لوگوں نے کہا اسے یا تو امیر المومنین رکھ لیں یا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا جائے۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اس معاملے میں ان کی کیا رائے ہے۔ آپ ابھی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس فرش کو باقی رکھنا کفار ایران کی یادگار کو باقی رکھنا ہے جو میرے نزدیک درست نہیں۔ کیونکہ یہ جس گھر میں بچھایا گیا اس گھر سے عجز اور انکساری رخصت ہو جائے گی۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور وہ ٹکڑے لوگوں میں تقسیم کئے جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پسند آئی۔ آپ نے وہ فرش ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں فرش کا جو ٹکڑا آیا وہ زیادہ نفیس ٹکڑوں میں نہ تھا تاہم انہوں نے اسے تیس ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔

ہمارے ہاں جب کبھی سیلاب یا قحط سالی یا جنگ کی کوئی افتاد آتی ہے تو انسانی ہمدردی کے تحت مختلف اسلامی ممالک کے ہاں سے جو امدادی اشیا آتی ہیں وہ اخباری اطلاعات کے مطابق مستحقین کو نہیں پہنچ پاتیں۔ انہیں وہ لوگ بانٹ لیتے ہیں جو انہیں بانٹنے پر مامور ہوتے ہیں۔ شاید وہ اصلی مستحقین سے زیادہ اپنے آپ کو ان چیزوں کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرماوے۔

تاریخ اسلام

از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

تقرر

آدمی لائق، باصلاحیت اور تجربہ کار تھا اور کاروبار جہانبانی سے خوب آگاہ تھا۔ لہٰذا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے کسی جگہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ ابھی وہ متعلقہ شہر میں جاکر چارج لینے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کو کسی شخص نے بتایا کہ اس شخص کا تقرر درست نہیں ہے۔ یہ تو حجاج بن یوسف کے زمانے میں بھی گورنر رہ چکا ہے۔

اتنا سننا تھا کہ خلیفہ چونک پڑا فرمایا۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے زمانے میں بھی گورنر رہ چکا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ ہاں۔ میں پورے وثوق کے کہہ سکتا ہوں کہ یہ شخص حجاج بن یوسف کے عہد میں بھی گورنر رہا ہے۔ اگر میری بات پر آپ کو یقین نہیں ہے تو اسے بلا کر اس بات کی تصدیق کر لیجئے۔

جب تحقیق کی گئی تو مخبر کی بات سچ ثابت ہوئی۔ خلیفہ نے اسے فوراً دربار میں بلایا آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم حجاج بن یوسف کے زمانے میں بھی کسی علاقہ کے گورنر رہے ہو؟

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

خلیفہ نے اسے فوراً معزولی کے احکام دے دیئے۔

اس نے عرض کیا حضور! میں تو چند دنوں تک حجاج بن یوسف کے دور میں حاکم رہا ہوں زیادہ عرصہ تو میں نے اس کی ملازمت نہیں کی ہے۔

جناب عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے کم رہا ہے۔ کیونکہ پاس رہنے والے پر صحبت کا اثر لازماً پڑتا ہے جو متقیوں کے پاس رہتا ہے اس پر تقویٰ کا اثر پڑتا ہے۔ جو ظالموں اور فاسقوں کے ساتھ رہتا ہے اس پر فسق و فجور اور ظلم و جور کا اثر غیر محسوس طریقے سے پڑ جاتا ہے۔

Marfat.com

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ صالح آدمی کے پاس بیٹھنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والے کے پاس بیٹھا ہو کہ اگر مشک نہ بھی لگے تب بھی اس کی خوشبو سے تو لطف اندوز ہوتا ہے۔اور برے آدمی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی سی ہے کہ اگرچہ چنگاری نہ بھی پڑے تاہم دھواں تو سونگھنا ہی پڑتا ہے۔

خلیفہ نے یہ فرمایا اور اس کو فوراً برخاست کر دیا کہ تو نے ایک ظالم حکمران کی خدمت کی تھی

مغربی جمہوری طرز حکومت میں یہ بات بڑی واضح دکھائی دیتی ہے کہ برے لوگوں کا حکمران بن جانا زیادہ قوی ہوتا ہے اور برے لوگوں کے ساتھی بھی برے ہوتے ہیں۔ یہ برے لوگ جو بیج بو جاتے ہیں ان کے اثرات مدتوں تک رہتے ہیں۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

شورش پسند

المستنجد باللہ 555ھ میں تخت پر بیٹھا تو اس نے سب سے پہلے شورش پسندوں پر توجہ دی۔
اس طرح جو سب سے پہلے شورش پسند گرفتار ہو کر المستنجد باللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کا تعلق کئی سرکاری عہدہ داروں کے علاوہ امراء سے بھی تھا۔
یہی وجہ تھی کہ اسے سزا سے بچانے کیلئے بڑی بڑی سفارشیں آنے لگیں۔ جب سفارشوں سے کام نہ چلا تو دس ہزار اشرفیاں پیش کی گئیں خلیفہ نے انہیں بھی قبول نہیں کیا۔
ایک دن خلیفہ نے سفارش کرنے والے امراء اور دس ہزار اشرفیاں دینے والوں کو دربار میں بلایا۔ کہا۔
آپ جانتے ہیں کہ یہ شورش پسند ملک کے لیے خطرناک ہے پھر بھی آپ اس کی رہائی کی سفارشیں کر رہے ہیں۔ اور جرمانے کے طور پر دس ہزار اشرفیاں بھی دے رہے ہیں۔
کیا اس کی نسبت یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ دس ہزار اشرفیاں فی مجرم کے حساب سے سرکاری خزانہ سے لیں اور ایسے مجرم پکڑنے میں حکومت کی مدد کریں۔
خلیفہ کے اس اقدام سے بہت سے شورش پسند گرفتار ہوئے۔ اور اپنے انجام کو پہنچے۔
ملکی انتشار کی وجہ ایسے ہی شورش پسند بنا کرتے ہیں جن کے تعلقات ارباب اختیار سے ہوتے ہیں۔ وہ اول تو اپنے جرائم کی بنا پر پکڑے نہیں جاتے۔ اور اگر پکڑے بھی جائیں تو انہیں چھڑا لیا جاتا ہے۔ جرأت مند حکمران ایسے لوگوں کو پکڑنے میں اگر راست اقدام اٹھائیں تو ملکی انتشار کا وجود ختم ہو سکتا ہے۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

غاصب

خلیفہ مامون الرشید خلافت عباسیہ میں بڑی آن بان اور جاہ و جلال والا حکمران تھا وہ اتوار کے دن ان مقدمات کی سماعت کرتا جو سرکاری حکام اور شاہی خاندان والوں کے خلاف ہوتے۔

ایک دن اتوار کو مامون تخت خلافت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کا بیٹا عباس باپ کی پشت پر کھڑا تھا۔ آج اسے پتہ تک نہ تھا کہ اس کے خلاف مقدمہ دائر ہونے والا ہے۔ اچانک ایک بڑھیا پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں میں گرد و غبار میں اٹی ہوئی حاضر ہوئی۔ اس کے ظاہری حلیہ اور پریشان چہرے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ دور دراز علاقے سے سفر کر کے آئی ہے۔ اور مظلوم بھی ہے اور مقہور بھی۔ وہ ایک بدو عورت تھی۔ اس کے طرز تکلم میں گنوار پن تھا۔ شہری اور درباری آداب سے ناواقف تھی وہ اپنے انداز میں بولی۔

اے امیر المومنین! السلام علیکم۔ سلام کرتے وقت اس نے کوئی سر نہیں جھکایا۔ کوئی ہاتھ نہیں باندھے۔ بس سلام کیا اور بے تکلفی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

مامون نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا۔

ماں جی! آپ کس کے خلاف شکایت لے کر آئی ہیں۔

بڑھیا نے جواب دیا۔ آپ کے بیٹے عباس کے خلاف جو آپ کی پشت پر کھڑا ہے۔

یکدم سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ امراء اور حکام لرز اٹھے کہ آج خلیفہ وقت کے بیٹے کے خلاف شکایت آئی ہے۔ دیکھیں شکایت کیا ہے اور فیصلہ کیا ہوتا ہے۔

مامون نے بیٹے عباس کا نام سنا تو اس کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے۔ اس نے حاجب احمد بن ابی خالد سے کہا شہزادہ عباس کو مستغیث کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے کیونکہ اب وہ شہزادہ نہیں رہا۔ بلکہ فریق مقدمہ ہے۔

دوسرے لمحے شہزادہ بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا۔

اب مامون نے بڑھیا سے پوچھا ماں جی! آپ کو عباس کے خلاف کیا شکایت ہے؟

Marfat.com

بڑھیا نے عرض کیا اس نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور اس کی آواز بھی قدرے بلند تھی۔

حاجب کہنے لگا۔ اللہ کی بندی تجھے یاد رکھنا چاہئے کہ تو امیر المؤمنین سے ہمکلام ہے اتنی اونچی آواز میں بات نہ کرو۔

مامون نے کہا۔ ابو خالد! اسے بولنے دے یہ جس آواز (بلند یا دھیمی) میں بھی بات کرے کرنے دو۔ کیونکہ سچائی نے اسے بولنے کی جرأت دی ہے اور باطل نے میرے بیٹے (عباس) کو گونگا کر دیا ہے۔

مقدمہ کی سماعت کے بعد مامون نے فیصلہ بڑھیا کے حق میں دیا۔ بیٹے کو حکم دیا کہ وہ بڑھیا کی جائیداد واپس کرے اور پھر اس کے ظلم کی سزا اسے دی۔ اور یہ بھی کہا کہ بڑھیا کی زمین پر تاعمر محصول معاف ہے۔ بڑھیا کی آمد و رفت کے اخراجات بھی ادا کئے اور گراں قدر وظیفہ بھی مقرر کیا۔

غاصبانہ قبضے آج بھی ہوتے ہیں اور ان کے خلاف مقدمے بھی مگر غاصب کے تعلق کو ضرور مد نظر رکھا جاتا ہے اور جس کی جائیداد غصب ہوتی ہے روتا چلا تا رہ جاتا ہے اسے اس کا حق یا تو ملتا نہیں یا اتنا مہنگا ہو کر کہ جائیداد سے زیادہ اخراجات اٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگ عدالتوں میں فریاد کناں ہی نہیں ہوتے۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

دوشیزہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خاص ہدایت فرمائی کہ وہاں کے لوگوں کے دلوں کو جذبہ توحید سے بھرپور کرنا ہے۔ مصر پہنچے ابھی آپ کو بہت تھوڑے دن گزرے تھے کہ ایک دن ایک جلوس مصر کے بازار سے گزرتا ہوا انہوں نے دیکھا۔

آپ آگے بڑھے اور دیکھا کہ اس جلوس کے درمیان میں ایک خوبصورت دوشیزہ دلہنوں والے کپڑے اور زیورات پہنے ہوئے ہے۔ اسے جلوس کے شرکاء باری باری اٹھا کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ جونہی کوئی دوسرا آدمی اسے اٹھاتا تو نعروں کی گونج پیدا ہوتی۔

آپ نے جلوس کو روک دیا۔ اور پوچھا کہ یہ جلوس کس نوعیت کا ہے۔

لوگوں نے بتایا۔ کہ یہ مصر کے غیر مسلم کسانوں کا جلوس ہے۔ یہ لوگ ہر سال ایک خوبصورت بچی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔

گورنر نے حیران ہو کر پوچھا۔ ہر سال یہ لوگ ایک بے گناہ بچی کو دریائے نیل کی موجوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس بچی کے والدین کے دل پر کیا گزرتی ہو گی۔ کیا وہ اپنی بچیوں کو اس لیے پالتے پوستے ہیں کہ بڑی ہوں تو دریا کی موجوں کی خوراک بن جائیں۔ آخر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یہ تو بہت بڑا ظلم ہے۔

بتایا گیا۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے۔ کہ اگر یہ کسی بچی کو یوں بھینٹ چڑھا دیں تو دریا کی موجوں میں طغیانی آتی ہے۔ ورنہ ان کے کھیت زرخیز مٹی اور پانی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پھر اتنی تھوڑی فصل ہوتی ہے جس سے ان کے اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے۔

گورنر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جلوس کو منتشر کر دیا۔ فرمایا۔ آپ کا یقین اور عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔ مجھے اپنے خلیفہ سے اس معاملہ میں اجازت لینے دو۔ اگر ان کی جانب سے اس کام کو جاری رکھنے کا پیغام آیا تو آپ بیشک ایسا کرتے رہیں ورنہ میں اب یہ کام ہرگز

Marfat.com

نہیں ہونے دوں گا۔

آج اس دوشیزہ کی زندگی بچ گئی وہ گھر پہنچی تو اس کی والدہ نے اسے سینے سے لگالیا۔ وہ بار بار اُس کا منہ چومتی رہی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک رقعہ دے کر مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ رقعہ کا مضمون اس طرح سے تھا۔

اے امیر المؤمنین! مصر کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ اگر اپنی ایک خوبصورت دوشیزہ کو دریا کی بھینٹ نہ چڑھائیں تو ان کے کھیت سیراب نہیں ہوتے۔ اور پیداوار نہیں ہوتی۔ اگرچہ میں نے انہیں اس کام سے روک دیا ہے۔ تاہم وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ انہیں ان کی رسم کے مطابق کام کرنے دیا جائے ورنہ وہ تباہ حال ہو جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت ایک خط دریائے نیل کے نام لکھا۔ کہ تیری پیدائش اس قسم کی ہے کہ تو کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر تو اپنے اختیار و مرضی سے جاری ہوتا ہے تو ہمیں تیرے جاری ہونے کی ضرورت نہیں۔ بند پڑا رہ اور اگر تو اللہ کے حکم کے تابع ہے تو جس طرح جاری ہوا کرتا ہے اسی طرح جاری ہو۔

والسلام

یہ خط حضرت علم بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے کر روانہ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ میرا یہ خط دریا میں ڈال دیا جائے۔

اس وقت دریائے نیل کا پانی بالکل نچلی تہوں میں بہہ رہا تھا۔ اور کوئی امید نہیں تھی کہ اس کا پانی کناروں تک آئے۔ کیونکہ اس کے جاری ہونے کی مدت بھی ختم ہو چکی تھی۔ کسان قطعاً مایوس ہو چکے تھے۔ ہر کس نا کس کی نظریں بیتابانہ دریا کی طرف اٹھتی تھیں اور مایوس لوٹ آتی تھیں۔ اتنے میں جناب علم بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نامہ مبارک لے کر مصر پہنچ گئے۔

گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط لے کر نیل کے کنارے پہنچے اور وہ خط دریا میں ڈال دیا۔ یہ شام کا وقت تھا سورج اس منظر کو بہت تھوڑی دیر تک دیکھ پایا۔ اور

Marfat.com

غروب ہو گیا۔

ابھی صبح ہونے نہ پائی تھی کہ نیل کا پانی کناروں سے باہر اچھلتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ اور اس حد سے بھی اونچا ہو گیا جہاں تک ہمیشہ چڑھتا تھا۔ کھیت سیراب ہو گئے۔ اور دیکھتے دیکھتے شادابی آ گئی۔ اس کے بعد پھر کبھی نیل کا پانی کم نہیں ہوا۔ اور نہ ہی قحط کی شکل پیدا ہوئی۔

نیل کی کیا مجال کہ اللہ کے فرمانبرداروں کی حکم عدولی کر سکے۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے۔

جلوہ ایمان محکم ہو گیا جو بے نقاب
ترے دروازے پہ جھک جائے جبین آفتاب

سبحان اللہ نہ تو گورنر نے اپنی رعایا کو غلط عقیدہ پر قائم رہنے دیا اور نہ ہی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل مصر کو خشک سالی کا شکار ہونے دیا بلکہ دریا کو مجبور کر دیا کہ وہ اللہ کی مخلوق کو تنگ نہ کرے۔

روشنی از مولانا سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

بوڑھا مسافر

حج کے دن تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قافلے کے ساتھ حج کرنے کے لئے مکہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ جب یہ قافلہ ایک وسیع صحرا میں سے گزرنے لگا تو اچانک ایک بوڑھا شخص نمودار ہوا اور اس نے قافلے کو روک لیا۔

کہا۔ قافلے والو! ایسے لگتا ہے آپ لوگ مدینہ پاک سے آ رہے ہیں۔ کیا آپ لوگوں میں حضرت محمد ﷺ بھی ہیں؟

قافلے والوں نے بتایا۔ وہ تو وصال فرما گئے۔

وہ بوڑھا زار و قطار رونے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے۔

فرمایا۔ بابا جی! حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے اب وہ بھی وصال فرما گئے ہیں۔ اب مجھے خلافت کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ کہیے میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں۔

بوڑھے نے کہا۔ گویا آپ نے بوڑھوں، کمزوروں اور غریبوں کی ہر طرح کی امداد کی ذمہ داریاں قبول کر لی ہیں۔

فرمایا۔ ہاں۔ دعا کریں اللہ مجھے ایسا کرنے کی توفیق بخشے۔

بوڑھے نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین مجھے ابو عقیل کہتے ہیں۔ میں غیر مسلم تھا۔ مجھے پیغمبر اعظم و آخر ﷺ نے اسلام کی دعوت دی میں نے قبول کی۔ میں مسلمان ہو گیا۔ اس وقت حضور ﷺ ستو نوش فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنے جھوٹے ستو مجھے بھی عطا فرمائے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ میں اب بھی سیری محسوس کرتا ہوں۔

اے امیر المومنین میرے پاس بکریوں کا ایک بہت بڑا گلہ تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد اپنا گلہ لے کر میں جنگل میں چلا آیا۔ جنگل میں رہتا گلہ چراتا اور اپنے بچوں کی پرورش کرتا۔ ایک مدت گزر گئی میں کبھی شہر نہیں گیا تھا۔ آج سن رہا ہوں میرا آقا و محسن اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ان

Marfat.com

کے بعد حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ بنے وہ بھی وصال فرما گئے۔

اب اسی سال کی بات ہے میری بکریاں سب کی سب مر گئیں۔ صرف ایک زندہ بچی تھی اسے بھی بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں آپ سے فریاد کرتا ہوں کہ میری دستگیری فرمائیں تاکہ میرے بچوں کا نان ونفقہ چلتا رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ آگے تھوڑے سے فاصلے پر ایک چشمہ ہے تم وہاں پہنچو۔ ہم بھی وہاں آتے ہیں۔ وہاں مجھ سے ملاقات کرنا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس چشمے پر پہنچے تو وہ بوڑھا شخص وہاں نہ تھا۔ آپ نے کافی دیر تک وہاں انتظار کیا مگر وہ بوڑھا نہیں آیا۔

آپ نے چشمے کے محافظ سے فرمایا کہ یہاں ایک بوڑھا بابا آئے گا اس کے اہل وعیال کی کفالت کرتے رہنا ہم حج سے واپس آکر اس سے ملاقات کریں گے۔ پھر آپ مکے کی جانب روانہ ہو گئے۔

حج سے فارغ ہو کر جب آپ واپس آئے تو بوڑھا ابو عقیل اب بھی وہاں موجود نہ تھا مگر اس کے اہل وعیال تھے۔

چشمے کے محافظ سے آپ نے پوچھا کیا وہ بوڑھا بابا نہیں آیا تھا؟

اس نے عرض کیا۔ آپ کے چلے جانے کے تیسرے دن کے بعد وہ آیا اسے بے حد بخار تھا۔ اس کا چہرہ دہکتے کوئلے کی طرح بنا ہوا تھا۔ وہ ہائے ہائے کرتا رہا آخر مر گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس بوڑھے کی موت کی خبر سنی تو زار و قطار رونے لگے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اس کی مغفرت کی دعا کی۔ فرمایا مجھے افسوس ہے کہ میں ایک ایسے صحابی کی خدمت نہ کر سکا جس نے حضور ﷺ کے جھوٹے ستو کھائے تھے۔

پھر اس کے اہل وعیال کو مدینہ منورہ میں لے گئے اور تادم آخر ان کی کفالت کرتے رہے کہ مسلمانوں کا حکمران مسلمانوں کا خادم ہوتا ہے۔

آج حکمرانوں سے ملاقات کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اگر ملاقات ہو جائے اور اس کی فریاد کے نتیجے میں کچھ خدمت کرنے کا وعدہ فرمادیں تو انہیں یہ وعدہ بڑی جلدی بھول جاتا ہے۔ خواہ اس کی زندگی ختم ہو جائے جس کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

سردار

ایک بار سرداران قریش میں سے حضرت ابوسفیان اور حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کسی ذاتی کام کی غرض سے حاضر ہوئے آپ اس وقت مسجد نبوی شریف میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس اہل بدر میں سے حضرت صہیب رومی۔ حضرت بلال حبشی اور حضرت عمار رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی بیٹھے تھے۔ آپ ان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کہ یہ صاحبان بھی آگئے۔

آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ان کے سلام کا جواب دیا۔ حاضرین میں سے کچھ احتراماً کھڑے ہونے لگے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ مجلس کے تقدس کو مجروح نہ کریں۔ لہٰذا کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔

ان سرداروں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ان کی سرداری کا نشہ چاہتا تھا کہ ساری مجلس کے افراد کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگے بڑھ کے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔

اب ان کی دوسری خواہش یہ تھی۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں اپنے پہلو میں بٹھائیں گے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں یہ اعزاز بھی نہ دیا۔

اور اب ان کی تیسری تمنا یہ تھی کہ ان کی بات پہلے سنی جائے مگر اس کی نوبت بھی نہ آئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے رہے۔ اور گاہے گاہے حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما سے کوئی بات کر لیتے۔

یہ سرداران حسد کی آگ کے کوئلوں پر تڑپنے لگے۔ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کے سامنے رئیسان مکہ بھی دم نہ مارتے تھے۔ برداشت نہ کر سکے۔ ان سے اپنی خود نمائی کی پائمالی دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے نہایت ہی چیں بہ چیں ہو کر کہا اے عمر! یہ کیا قیامت ہے کہ آپ ہماری موجودگی میں ان غلاموں کو ہم پر ترجیح دے رہے ہیں۔ ہمیں ملاقات کا موقعہ نہیں دیا جا رہا جبکہ ہم

Marfat.com

ادھر بیٹھے منہ تکتے جا رہے ہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت بھول گئے کہ یہ اسلام کا دربار ہے یہاں عزت وعظمت اور شرف کا امتیاز دنیوی جاہ جلال کے پیمانے سے نہیں دیکھا جاتا۔ خاندانی بڑائی کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ تقویٰ کی میزان ہی اولیت کی درجہ بندی کرتی ہے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ برابر ان لوگوں سے محو گفتگو تھے جنہیں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلام کہا تھا۔

حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ساتھ ہی باہر کھڑے تھے۔ سمجھایا کہ اے ابوسفیان! یہ موقعہ حسرت کا ہے غضب کا نہیں۔ اسلام نے سب کے ساتھ تمہیں بھی بلایا تھا۔ مگر تمہاری بدقسمتی نے تمہیں پیچھے ڈال دیا۔ اور تمہارے غلام تم سے آگے نکل گئے۔ انہیں اللہ نے ایمان لانے کی توفیق تم سے پہلے دے دی۔ انہوں نے تمہاری سختیاں برداشت کیں۔ آج اللہ نے انہیں یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔ جس پر تم بھی رشک کرتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوسفیان! جانتے ہو! نبی ﷺ کے یہ صحابہ تم سے پہلے یہاں آئے ہوئے تھے۔ ان کا پہلے آنا انہیں یہ حق دیتا ہے کہ ان کی بات بعد میں آنے والوں سے پہلے سنی جائے۔ اور سنو اگر تم سب اکٹھے بھی آتے تو بھی میں ان لوگوں کو آپ پر ترجیح دیتا۔ کیونکہ انہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی ہے۔

یہ بات سن کر سردار خاموش ہو گئے۔

آج ہم مختلف جگہوں پر ایسے مناظر دیکھتے ہیں کہ بعد میں آنے والے کسی بھی تعلق کی بناپر پہلے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ بل جمع کروانے والی کھڑکی یا حصول ٹکٹ پر ہم اکثر اس بات کو دیکھ پاتے ہیں۔ ایسے ہی سرکاری نوکریاں ان لوگوں کو مل جاتی ہیں جن کے پاس رشوت یا سفارش ہوتی ہے۔

یہ صورت حال اس وجہ سے بن جاتی ہے کہ اصول اور قاعدے مدون کرنے والے خود نہیں چاہتے کہ ان کے قاعدوں اور اصولوں پر عمل کیا جائے۔ وہ شاید اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ قطار میں کھڑے ہونے والوں میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی۔

اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمادے۔

مقام مصطفیٰ

از شیر محمد خان اعوان

Marfat.com

لٹریچر

انڈونیشیا مشرقی ایشیا کا اسلامی ملک ہے جو بحر ہند اور بحر الکاہل میں واقع جزائر پر مشتمل ہے۔ 80 فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ بقیہ 20 فیصد میں عیسائی، بدھ، ہندو اور سکھ مذہب کے لوگ بستے ہیں۔ حاجی لوگ بتاتے ہیں کہ انڈونیشی لوگوں کے قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں ہیں مگر اسلام سے ان کی محبت مثالی ہے۔ مغربی اور کیمونسٹ ملکوں کو ایسی محبت کب وارد رہی ہے۔

صدر سوئیکارنو کے عہد حکومت میں کیمونسٹوں کی نقب زنی کام کر گئی۔ ان کی تنظیمیں اعلانیہ طور پر اپنا کام کرنے لگیں۔ ان کے لٹریچر بے روک ٹوک لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچنے لگا اور نوجوان نسل کا جھکاؤ کیمونزم کی طرف ہونے لگا۔ اسلام پسند عوام کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

چونکہ سوئیکارنو کو چین سے زیادہ رغبت تھی لہٰذا حکومتی سطح پر ان کی شنوائی نہ ہو سکی۔ علماء نے دیکھا کہ اسلامی روح کو کیمونسٹوں کے کچوکے زخمی کر رہے ہیں۔ انہوں نے عوامی راستے کو اس طرح بیدار کیا کہ جنرل سوہارتو کو حکومت سنبھالنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ 66-1956 میں فوجی انقلاب آیا اور سوئیکارنو کو معزول کر دیا گیا۔ سوہارتو نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی کیمونسٹوں کا قتل عام شروع کر دیا اور یوں پانچ لاکھ کیمونسٹ موت کے گھاٹ اتار دیئے جو بچے وہ یا تو بھاگ گئے یا زیر زمین چلے گئے۔

اب سوہارتو سے کہا گیا کہ جب تک کیمونسٹوں کا لٹریچر انڈونیشیا کی زمین پر موجود ہے۔ اس کے اثرات معاشرتی سطح پر سرائت کرتے رہیں گے اور اسلامیان انڈونیشیا کی انقلاب کی ساری تگ ودو بیکار رہے گی۔

اب سوہارتو کی ہدایت پر کیمونسٹوں کے لٹریچر کا ایک ایک صفحہ باہر نکلوایا گیا۔ اس کی قیمت ادا کی گئی اور پھر سر عام اسے جلا دیا گیا۔ ازاں بعد اس کی راکھ سمندر کی لہروں کے سپرد کی گئی۔ آپ یقیناً جاننا چاہیں گے کہ حکومت کو اس لٹریچر کو تلف کرنے میں کیا خرچ کرنا پڑا۔ 13 کروڑ روپے کی ایک خطیر رقم تھی -- بعض لوگ کہتے ہیں یہ لٹریچر پڑھنا، پکڑنا اور

Marfat.com

رکھنا قانونی طور پر بند کیا جاسکتا تھا۔ لٹریچر خرید کر جلانے میں اتنا ملکی سرمایہ ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

لیکن انڈونیشیا کے علماء کا خیال یہ ہے کہ اسلام کے منافی لٹریچر کو جلا کر اس کی راکھ بھی اسلامی ملک کی سرزمین میں رکھنے میں منافقت کی بو آتی ہے۔

ہمیں بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہنے بسنے پر ناز ہے۔ مگر اس ملک میں اسلام کے خلاف نظریات رکھنے والوں پر زبان اور قلم استعمال کرنے میں کوئی پابندی نہیں اگر پابندی ہے تو صرف کاغذ کی فائلوں میں۔ خدا کرے ہم اسلام سے پکی سچی محبت کرنے والے بن جائیں۔

آمین

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

جرأت گفتار

برگ گل پر رکھ گئی شبنم کے موتی بادِ صبح
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی
اقبال

Marfat.com

فتویٰ

ایران کے بادشاہ ناصر الدین شاہ نے ایک مرتبہ ملک کے تمباکو کا اجارہ ایک انگریز کمپنی کو دے دیا۔ بادشاہ کے چمچوں اور ماہرین اقتصادیات نے اخبارات میں خوب بیان لکھوائے۔ کہ اس سے ملک کی قسمت سنور جائے گی۔ اتنے کروڑ ڈالر کا زر مبادلہ ہاتھ آئے گا۔ جس کا ملکی معیشت پر نہایت خوشگوار اثر پڑے گا۔

کچھ بیدار ذہن رکھنے والے ایرانیوں نے اس اجارہ داری کو پسند نہیں کیا۔ سید جمال الدین افغانی اتحاد بین المسلمین کے داعی اور بڑے بیدار مغز رہنما تھے۔ وہ فوراً بھانپ گئے۔ کہ اگر یہ ایران انگریز معاہدہ قائم رہتا ہے تو ایران ایرانیوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ کیونکہ انگریز قوم اجارہ داری کے راستے ہی ملک گیری کی کوششیں شروع کرنے کی عادی ہے لہٰذا یہ معاہدہ سیاسی نقطہ نگاہ سے بڑا نقصان دہ ہے۔

آپ اس وقت مصر میں تھے۔ بڑے تڑپے کہ ایرانی مسلمانوں کی کھوپڑی کیسے جھنجھوڑی جائے۔ پھر آپ نے ایران کے مجتہد اعظم حاجی مرزا حسن شیرازی کو اس سلسلہ میں ایک خط لکھا۔ کہ اب وقت ہے کچھ کرلیں۔ اگر آپ چپ رہے تو ایران پر سے مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی۔ اور انگریز کی پالیسیوں کی گرفت مضبوط اس کے علاوہ وہ تفصیلات بھی اس خط میں تھیں جو ایران اور ایرانی تہذیب کو تباہ کر سکتی تھیں۔

ایران کے مجتہد اعظم نے اس خط کی روشنی میں ایک فتویٰ جاری کر دیا کہ جب تک شاہ ایران اس اجارہ کو منسوخ نہ کرے گا اہل ایران پر تمباکو حرام ہے۔

اس فتویٰ پر پوری ایرانی قوم نے عمل کیا۔ وہ ایک قومی جوش کی تصویر بن گئی۔ انہوں نے پورے ملک کے تمباکو کی ایک ایک پتی جلا کے راکھ کر دی۔

جب اس فتوے کی اشاعت اخبارات میں ہوئی تو اس کی دوسری صبح کو شاہ ایران نے قلیان (حقہ) مانگا۔ تو اسے جواب ملا۔ کہ محل میں تو تمباکو کی ایک پتی بھی نہیں ہے۔

شاہ نے خط استعجاب سے وجہ دریافت کی تو خدام نے کہا حجۃ الاسلام حاجی مرزا حسن شیرازی

Marfat.com

مجتہد اعظم نے اس کے استعمال کے خلاف فتویٰ جاری کر دیا ہے۔ یعنی انہوں نے کہا ہے کہ اس کا پینا حرام ہے۔

مگر اس کی حرمت اب کیسے یکدم ان پر واضح ہو گئی۔

یہ بات تو وہ بہتر جانتے ہیں۔ سنا یہ گیا ہے کہ جب تک انگریزوں سے اس کی اجارہ داری ختم نہ ہو گی۔ یہ ایرانیوں کے لئے حرام ہے۔

بھئی یہ ایک سیاسی معاہدہ تھا اس میں علماء کو ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی۔ کم از کم فتویٰ داغنے سے پہلے مجھ سے تو پوچھ لیتے یا مجھ سے اجازت نامہ حاصل کرتے۔

خدام نے عرض کیا۔ حضور! سنا گیا ہے۔ جس طرح آپ نے تمباکو کا اجارہ دیتے وقت ایرانی عوام سے اجازت نہیں لی۔ اسی طرح مذہبی معاملہ میں ہمیں شاہ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔

بادشاہ مجتہد اعظم کے پاس نہ خود گیا اور نہ ہی انہیں اپنے پاس بلایا۔ حالات کا رخ دیکھنے کے لئے چپ ہو کے بیٹھ گیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس فتویٰ کے حق میں بینر لہرا دیئے گئے۔ جلوس نکلنے لگے۔ اور جلسے ہونے لگے۔ آخر شاہ نے یہ اجارہ منسوخ کر دیا۔ اور پانچ لاکھ پونڈ بطور تاوان ادا کئے۔

سید جمال الدین افغانی حنفی المذہب مصلح تھا۔ اس نے ایران کے شیعہ مجتہد اعظم کو اس انداز سے خط لکھا۔ کہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ انہوں نے اپنی قوم (ایرانی) کو اس طریقے سے سمجھایا کہ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ اور تمباکو یوں جلایا جس طرح مکہ میں شراب کی حرمت پر شراب بہادی گئی تھی۔ ظاہری طور پر اس اقدام سے اربوں ڈالر کا نقصان ایرانی قوم کو ہو گیا۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور پھر شاہ ایران نے قوم کے اس فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا۔ اور لاکھوں پونڈ کا بوجھ خزانے پر ڈال کر اجارہ داری کو منسوخ کر دیا۔ اس معاملے میں قدم قدم پر اخلاص کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

جن ملکوں میں خود غرضیوں کی شاہراہوں پر رونق ہے وہاں تقریریں، تحریریں اور فتوے نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتے۔

راز حیات از مولانا وحید الزماں

Marfat.com

مسجد میں تخت

خراسان کے والی خوارزم شاہ نے ایک مرتبہ ایک مرصع تخت بنوایا۔ جسے جامع مسجد میں رکھا گیا۔ تاکہ وہ اس پر کھڑا ہو کے خطبہ بھی پڑھ سکے اور نماز بھی۔ تخت بنانے میں کاری گروں نے اپنی پوری ہنر مندی دکھائی تھی۔ کئی لوگ اسے دیکھنے کے لئے آئے۔ ان دیکھنے والوں میں امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ (علامہ فخر الدین ابو عبداللہ رازی) بھی تھے۔ وہ ایک کونے میں کھڑے اس تخت کو دیکھتے رہے۔ جبکہ دوسرے کئی لوگوں نے بادشاہ کے ذوق کی تعریف کی اور بنانے والے کاری گروں کے فن کی داد بھی دی۔ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے قطعاً کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اور چلے گئے۔

ایک دن کے بعد جمعہ تھا۔ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ اسی مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ جب خطبہ پڑھا جا چکا۔ اور بادشاہ نماز پڑھنے لگا۔ تو امام رازی آگے بڑھے۔ کہا۔ نماز ادا کرنے کے بعد سب لوگ مسجد میں کھڑے رہیں۔ مجھے بادشاہ کی موجودگی میں ایک بات کرنی ہے۔

ہر شخص سوچنے لگ گیا۔ کہ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ کیا بات کرنے والا ہے؟ چونکہ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ ہرات میں ایک مدرسہ میں شیخ الاسلام کی حیثیت سے تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اور اس مدرسہ کی سرپرستی خوارزم شاہ کرتا تھا۔ اکثر لوگوں کا یہی خیال تھا کہ مدرسہ کے انتظامات کے سلسلے میں کوئی بات کرنی ہوگی۔

لیکن سب لوگوں کی قیاس ارائیاں اس وقت غلط ثابت ہوئیں جب امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے نماز سے فارغ ہو کر بادشاہ سے مخاطب ہو کے فرمایا۔

جلالتہ الملک! یہ دربار الٰہی ہے۔ عظمت و شوکت کے مظاہرہ کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں پہنچنے کے بعد سب ادنیٰ و اعلیٰ اور بلند و پست برابر یکساں ہو جاتے ہیں۔ خدا کے نزدیک زیادہ لائق احترام وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔ اسلام تو انسان کو مساوات اور یکسانیت سکھاتا ہے۔ جس کا بہترین

Marfat.com

مظاہرہ مسجد میں نماز کے وقت ہوتا ہے۔ تم نے اس تشخص کو بھی ختم کر دیا ہے۔ تم نے تو اسلامی اقدار کا مذاق اڑایا ہے۔

اس تخت کو گھر لے جا کر اور اپنے ذاتی استعمال میں لاؤ۔ اور اگر اس پر اٹھنے والے اخراجات سرکاری خزانہ میں سے ہوئے ہیں۔ تو انہیں واپس جمع کروایا جائے۔

بادشاہ یہ بات سن کر بڑا برافروختہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس کا غصہ اتنا زیادہ ہو گیا۔ کہ وہ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ کا سر قلم کرنے کا اشارہ کرنے والا تھا۔ مگر جب اس نے چاروں طرف دیکھا تو تمام نمازی امام رازی رحمتہ اللہ علیہ کی تائید کر رہے تھے۔ سلطان چپ ہو گیا۔ اس میں عوام کی رائے کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے اس تخت پر سے نیچے اتر آیا۔ اس کے بعد سب باتیں تخت سے الگ ہو کر کیں۔

تخت مسجد سے اسی وقت اٹھوا دیا گیا۔ اور پھر بادشاہ عام لوگوں کے ساتھ پہلو بہ پہلو نماز پڑھتا رہا۔

اس جرات کے ساتھ وقت کے حکمران کے سامنے بات وہی کر سکتا ہے۔ جسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو۔ اور ایسے لوگوں کے سامنے جابر حکمران بھی سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

داستان عمل۔ از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

مسجد

مسجد میں جانے والا شخص اللہ کی پناہ میں ہوتا ہے۔اس دوران میں اس کی کوئی بھی تکلیف اللہ کو ناپسند ہوتی ہے۔ مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں تو یہ اعزاز اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

حضرت سعید بن میتب رحمتہ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں اور بڑے درجے کے مالک ہیں۔ وہ اکثر مسجد نبوی ﷺ میں رہتے تھے۔ تلاوت قرآن مجید۔ نوافل اور درود وسلام پڑھتے رہتے تھے۔

ایک دن اچانک خبر آئی کہ خلیفہ ولید اموی مسجد میں آرہا ہے۔ خدام مسجد نے اس کی آمد پر مسجد میں بیٹھے لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ جس نے انکار کیا اسے دھکے دیئے گئے۔ سعید بن میتب رحمتہ اللہ علیہ ایک کونے میں مشغول عبادت تھے۔ یہ لوگ ان کے پاس بھی گئے۔ اور عرض کیا کہ

اے ابن میتب چونکہ خلیفہ وقت مسجد میں آنے والے ہیں۔ان کی آمد پر ہمیں حکم ہے کہ مسجد سے ایسے تمام لوگوں کو نکال دیں جو غیر متعلقہ ہیں۔

سعید بن میتب نے کہا۔ کوئی مسلمان مسجد سے غیر متعلقہ نہیں ہوتا۔ خدام نے کہا۔ ہمارا مطلب تھا خلیفہ سے غیر متعلقہ۔

فرمایا۔ تو کسی حکمران کی حکمرانی میں رہنے والی رعایا کا کوئی شخص بھی اپنے حکمران سے غیر متعلقہ نہیں ہو سکتا۔

خدام کہنے لگے۔ دیکھیں خلیفہ بالکل مسجد کے قریب آگیا ہے۔ آپ ہمیں خواہ مخواہ دوسری باتوں میں الجھا رہے ہیں۔ اور وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ہمیں ایسا ہی حکم ملا ہے کہ سب لوگوں کو مسجد سے نکال دیں۔

آپ نے فرمایا۔ جاؤ میں مسجد سے نہیں نکلتا۔ یہ عجیب خلیفہ ہے۔ جو خانہ خدا میں لوگوں کو بیٹھنے نہیں دیتا۔ اور ان کو باہر نکلوا رہا ہے۔

Marfat.com

اتنے میں ہٹو! ہٹو! کے شور میں خلیفہ مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اب خدام نے کہا۔ آپ مسجد سے تو نہیں نکلے۔ اب اٹھو! آگے بڑھ کے خلیفہ کو سلام کرو۔

آپ نے فرمایا۔ خدا کے گھر میں بس خدا کو سلام کرنا چاہیے۔ دوسروں کو سلام کرنا روا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ سلام تو آنے والے کو کرنا چاہیے۔ بادشاہ بعد میں آیا ہے اسے چاہیے مجھے سلام کرے۔ مسجدیں سر جھکانے کے لئے ہیں۔ بادشاہ کو ایسے امتیاز کی ضرورت نہیں۔ مسجد میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے نہیں آنا چاہیے۔ بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے آنا چاہیے۔

سعید بن میسب نے یہ الفاظ ذرا بلند آواز میں کہے۔ جنہیں ولید نے سن لیا۔

وہ سنبھلا اور پوچھا۔

یہ کون شخص ہے؟

گورنر مدینہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ اس وقت ساتھ تھے۔ وہ حضرت سعید بن میسب رحمتہ اللہ علیہ کے زہد و ورع کو جانتے تھے۔ اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔

خلیفہ سے کہنے لگے۔ اے امیر المؤمنین! یہ سعید بن میسب ہیں۔ بصارت میں فرق آگیا ہے۔ حضور کو دیکھتے تو آگے بڑھ کے ضرور سلام کرتے۔

خلیفہ نے کہا کوئی بات نہیں۔ میں خود ان کے سلام کو جاتا ہوں۔

خلیفہ فوراً آگے بڑھا اور سعید بن میسب کے قریب بیٹھ کر ان کی خیریت دریافت کی۔

آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ بڑا بہتر وقت پاس ہو رہا ہے۔

خلیفہ نے پوچھا۔ میرے لائق کوئی خدمت۔

آپ نے فرمایا۔ خدمت پوچھے بغیر کی جاتی ہے۔ اور سنو اگر حکومت سکون سے کرنا چاہتے ہو تو مسجدوں کو آباد رکھو۔ مسجد میں آنے والا ہر ایک کے حق میں خیر کی دعا کرتا ہے۔

آج سعید بن میسب کی سیرت پر عمل کرنے والے تو شائد کئی ہوں۔ مگر ان کے ساتھ ولید کا سا سلوک کرنے والوں کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ آج ایسے لوگوں کی آواز حلق میں ہی دبا دی جاتی ہے۔ جو ان کی من مانی کرنے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمن خان

Marfat.com

تردید نبوت

جس کام میں شہرت وناموری زیادہ ہو لوگ اس کام کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواہ اس کام کے کرنے کی اہلیت ان میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی حریص قسم کے لوگوں نے جب نبی آخر الزماں ﷺ کی کامیابیاں دیکھیں تو انہوں نے اپنی اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ انہیں جھوٹے نبیوں میں یمن کے ایک حکمران اسود عنسی کا نام بھی آتا ہے۔

اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ تو کر دیا مگر اس کے دعوے کو کوئی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ تاہم مفاد پرست لوگوں کی ایک تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اس کے دل کی خواہش کو لب اظہار تک پہنچایا تھا۔ اور پھر یہی لوگ اسے الٹے سیدھے مشورے دینے لگے۔ ان مشوروں میں ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ دربار عام میں وہ اپنی نبوت کا اعلان کرے اور لوگوں کو بیعت کرنے پر مجبور کیا جائے۔

اسود عنسی کو یہ خطرہ ضرور لاحق تھا کہ اس کے اس اعلان پر پورا عالم اسلام اس کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہو گا۔ مگر حکمرانوں کو بگاڑنے والے ٹولہ نے کہا۔ حضور! کچھ بھی نہ ہو گا۔ مخالفت کی ہر آواز کو دبا دینے والی بہادر سپاہ آپ کی وفادار ہے۔ جو بولے گا اس کی زبان گدی سے کھینچی جا سکتی ہے۔

اسود عنسی نے ایسے ہی کیا۔ ایک عظیم اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ جو اس کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا۔ میری تلوار اس کے سر اور جسم کے رشتے کو کاٹ دے گی۔ اس کے جسم کی بوٹیاں یمن کے کتوں کے آگے ڈال دی جائیں گی یا دہکتے کوئلے اس وجود کو کباب بنانے کے منتظر ہوں گے۔

اسود عنسی کا یہ اعلان اہل یمن کے لئے ایک عذاب سے کم نہ تھا۔

اس اعلان کے خلاف جو آواز سب سے پہلے سنی گئی۔ وہ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ وہ فوراً کھڑے ہوئے۔ فرمایا۔ مسلمانوں کا ایک ہی خدا ہے۔ ایک ہی نبی ہے۔ اور ایک ہی کتاب ہے۔ ہمارا خدا اللہ ہے۔ جو سب سے عظیم و برتر ہے۔ ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں جو آخر الزماں نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔ اور ہماری کتاب قرآن مجید ہے۔ جو

Marfat.com

ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ تم جھوٹے ہو۔ تمہارا دعوئ نبوت کذب عظیم ہے۔ تم واجب القتل ہو۔ تمہیں قتل کرنے والے پر کوئی قصاص نہیں ہوگا اور کوئی حد نہ ہوگی۔

اسود عنسی کے کانوں نے یہ آواز توقع کے خلاف سنی۔ کہا ابو مسلم خولانی! جانتے ہو یہ گفتگو تم کس کے آگے کر رہے ہو۔

ہاں! میں جانتا ہوں میری یہ گفتگو امت محمدیہ کا ایک باغی سن رہا ہے۔

میں نے پہلے اعلان کر دیا تھا کہ جو میری بات نہ مانے گا اسے آگ کے آلاؤ میں پھینک دیا جائے گا۔ بتاؤ جب میں نے یہ اعلان کیا تھا۔ تو کیا تمہارے کان کھلے تھے یا بند۔

میرے کان بالکل کھلے تھے۔ بلکہ میں ہر وقت اپنے کان بھی کھلے رکھتا ہوں اور اپنی آنکھیں بھی کھلی رکھتا ہوں۔

اگر ایسا ہے تو شائد تمہاری عقل تمہارا ساتھ دینے والی نہیں ہے۔

ہاں ایسے موقعوں پر ہم عقل کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف عشق ہمارا ساتھی بنتا ہے۔

یاد ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عشق انہیں آگ کے اٹھتے شعلوں میں لے گیا تھا۔

مجھے اس بات کا خوب علم ہے کہ اس عشق کے باعث آگ ان پر گلزار بن گئی تھی۔

اگر تمہیں آگ میں پھینکا گیا تو تمہاری آگ تو گلزار نہ بن سکے گی۔

اگر میرا عشق سچا ہوگا تو اب بھی گلزار بن جائے گی۔ کیونکہ جو خدا ابراہیم علیہ السلام کا تھا وہی خدا میرا ہے اور پھر جو آگ اس خدا کے تابع تھی اب بھی یہ آگ اسی خدا کے تابع ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اگر تم اس قدر جنونی بن گئے ہو تو اس امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ۔

ہاں میں بالکل تیار ہوں۔

اسود عنسی نے فوراً لکڑیاں اکٹھی کیں اور انہیں آگ سنگھا دی۔ سوکھی لکڑیوں نے اپنے آپ کو آگ کے حوالے کر دیا۔ اور بڑی جلدی آگ کا ایک بڑا آلاؤ تیار ہو گیا۔ اب اسود عنسی کے حکم سے اس صحابی رسول ﷺ کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آگ کے مقابلے میں پر کاہ تھا۔ اس کی نہ کوئی چیخ سنائی دی نہ کوئی پکار۔ ایسے تھا جیسے آگ کے خوف سے

Marfat.com

اس کی پہلے ہی جان نکل گئی ہو۔

مگر جب آگ ٹھنڈی ہوئی تو حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وہ کوئلوں پر سے اس طرح چلتے چلتے آرہے تھے جیسے ان کی راہ میں پھول بکھرے ہوئے ہوں۔ اور پھر چند لمحوں کے بعد آپ اسود عنسی کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ فرمایا۔

اب کس امتحان میں مجھے ڈالنا چاہتے ہو۔

مگر اسود عنسی چپ تھا۔ وہ مشیروں کے ساتھ سر جوڑ کے بیٹھ گیا۔ مشیروں نے کہا ابو مسلم خولانی کو جلدی سے اپنے ملک سے باہر نکال دو ورنہ لوگ اس کی تقلید میں آپ کے مذہب کے انکاری ہو جائیں گے۔

اب حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن سے جلا وطن کر دیا گیا۔ آپ سیدھے مدینہ پاک میں پہنچے۔ اپنی اونٹنی کو باندھا اور مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے لگے۔

یہ دور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ میں نئے آنے والے لوگوں کی خدمت پر مامور تھے۔ انہوں نے حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا جن کی اونٹنی مسجد نبوی ﷺ کے قریب بندھی ہوئی تھی۔

جونہی خولانی نے سلام پھیرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ پوچھا۔

اے نووارد۔ مدینہ میں آپ کہاں سے آئے ہیں۔

عرض کیا یمن سے آیا ہوں۔

کس مقصد کے لئے آئے ہو۔

میں مدینہ میں رہنے کے لئے آیا ہوں۔

کس کے ہاں ٹھہرو گے۔

چونکہ یہاں میرے عزیز و اقارب نہیں ہیں اس لئے شاید امیر المومنین کے ہاں چند روز کے لئے مجھے قیام کرنا پڑے۔

اسود عنسی کے دعویٰ نبوت اور ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگ میں پھینکے جانے کی خبریں مدینہ میں پہنچ چکی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ تو جانتے تھے۔ کہ ان کا مخاطب ابو مسلم خولانی ہی ہے تاہم یمن کا باشندہ ہونے کی وجہ سے اسود عنسی اور ابو مسلم خولانی رضی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنہ کے واقعہ کی تصدیق کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ہمارے اس دوست کا کیا قصہ ہے جسے اللہ کے دشمن اسود عنسی نے آگ میں ڈالا تھا۔ مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں بتایا کہ آگ میں ڈالا جانے والا شخص میں ہی ہوں۔ اور نہ ہی جھوٹ بولا۔ انہوں نے اپنی کنیت ابو مسلم خولانی جو زیادہ مشہور تھی کے حوالے سے نام نہیں بتایا بلکہ یوں کہا کہ ہاں وہ واقعہ درست ہے اور عبد اللہ بن ثوب کے ساتھ پیش آیا تھا۔ انہیں ہی اسود عنسی نے آگ میں پھینکا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر میں یہ کہوں کہ عبد اللہ بن ثوب اور ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہی شخص کے نام ہیں تو تم تائید کرو گے یا تردید۔

ابو مسلم خولانی چپ ہو گیا۔ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم قسم کھاؤ وہ شخص تم ہی تو نہیں ہو۔

ابو مسلم خولانی کو اقرار ہی کرنا پڑا۔ عرض کیا۔ اے ابو عبد اللہ! وہ شخص میں ہی ہوں۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور انہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھنے سے پہلے موت نہیں دی جس کے ساتھ بالکل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ ہوا۔

اسود عنسی کو اس کی بیوی مرزباز کی مدد سے فیروز دیلمی نے قتل کیا۔ قتل کی رات مرزباز نے اسود عنسی کو بہت سی شراب پلا دی۔ اور فیروز دیلمی اس کے محل میں نقب لگا کر داخل ہوا اور اس بدبخت کا سر تن سے جدا کر دیا۔

اسود عنسی کے دروازے پر ایک ہزار آدمی کا پہرہ ہوتا تھا۔ جب اسود عنسی قتل ہوا تو حلق سے گائے کے ڈکرانے کی آواز نکلی۔ پہرے دار بھاگ کر دیوان خانہ تک گئے۔ مگر مرزباز نے کہا کہ تمہارے نبی پر وحی آ رہی ہے اس لئے خاموش رہو۔ اس طرح فیروز دیلمی اپنا کام کر کے چلا گیا۔

حلیۃ الاولیاء لابی نعیم

ماہنامہ ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ

نئی دہلی (انڈیا)

Marfat.com

تنخواہ

یمن کے حکمران اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ایک صحابی رسول حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کے دعویٰ نبوت کی تردید اور اسے کاذب اور واجب القتل کہا جس پر اسود عنسی نے انہیں آگ میں پھینک دیا۔ اور آگ ان پر گلزار بن گئی۔ اب انہیں یمن سے نکال دیا گیا۔ آپ مدینہ میں تشریف لے آئے اور یہیں کے رہائشی بن گئے۔ یہ دور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔

آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک زندہ رہے۔ گویا آپ نے چاروں خلفائے راشدین کے دور دیکھے ہیں سارے صحابہ کرام آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نرم گرم نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سرکاری ملازمین کو دو تین ماہ سے تنخواہیں نہ ملیں۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ کچھ علم نہیں۔ یہ ملازمین طبقہ ادھار پر گزارہ کرنے لگا۔ قرض خواہ اپنے پیسے مانگتے تو ملازمین اگلے ماہ کا وعدہ کر کے ٹالتے رہے۔ آخر ان کے گریبان پکڑے جانے لگے۔

یہ صورت حال حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھی۔ تو آپ دمشق میں گئے۔ اتفاق سے اس دن جمعہ تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دینا تھا۔ آپ جامع مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ جونہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں خطبہ دینے کے لئے آئے۔ تو اکثر لوگ ان کی تکریم میں کھڑے ہو گئے۔ مگر ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے نہیں ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بیٹھے رہنے پر دیکھ لیا۔ دل میں تشویش پیدا ہوئی۔ کہ احترام کا بدلہ احترام بھی نہیں ہو سکا۔

Marfat.com

اب جونہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ کی غرض سے کھڑے ہوئے تو حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے فرمایا۔

میں خلیفہ وقت کی بات اس وقت تک نہیں سنوں گا۔ جب تک وہ میری بات نہیں سنے گا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سب لوگوں کی نگاہیں ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھنے لگیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ تاہم خاموش رہے۔ پھر بولے۔

ہاں ہر شہری کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنی تکلیف حاکم وقت کے سامنے بیان کرے۔ کہئے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

مجھے یہ کہنا ہے کہ کیا سرکاری خزانے کا مال آپ کا ہے؟

امیر معاویہ نے فرمایا۔ نہیں۔

کیا یہ مال آپ کے باپ کا ہے۔

نہیں۔

کیا یہ مال آپ کی ماں کا ہے۔

نہیں۔

تو پھر اس پر سانپ بن کر کیوں بیٹھے ہو۔ حق دار کو حق کیوں نہیں دیتے۔ سرکاری کارندے تین ماہ سے تنخواہ وصول نہیں کر رہے ہیں۔ وہ ادھار مانگ مانگ کر کھا رہے ہیں۔ اب تو انہیں ادھار بھی ملنا بند ہوگیا ہے۔ ان پر فاقوں کے دن ہیں۔ ماؤں کی چھاتیاں خشک ہو رہی ہیں۔ ان کے بچے بلبلا رہے ہیں۔ جانتے ہو اس سے کیا ہوگا۔ لوگ بھکاری بن جائیں گے۔ یا چوریاں کرنے لگیں گے۔ رشوت لینے کی عادت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ ملک میں ایسی ابتری جنم لے گی جس پر قابو پانا شاید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے مشکل ہو جائے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں بس سنتے رہے۔ اور غصے کے گھونٹ پیتے رہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ منبر سے اترے۔ لوگوں کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ اور مسجد سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد غسل کر کے واپس آئے۔ پھر منبر پر کھڑے ہوئے۔

اللہ اور اللہ کے رسول کا نام تعظیم کے ساتھ لیا۔ فرمایا۔

Marfat.com

ابو مسلم خولانی! آپ نے شروع میں فرمایا کہ میں اس وقت تک آپ کی بات نہیں سنوں گا جب تک تم (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میری (ابو مسلم خولانی کی) بات نہیں سنیں گے۔ سو میں نے ایسا ہی کیا ہے۔

اس کے بعد میں گھر چلا گیا ہوں۔ غسل کر کے اپنے جذبات کو ٹھنڈا کیا ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ غصہ شیطانی اثر سے آتا ہے۔ شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔ اور پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے۔ میں نے اس فرمان نبوی پر عمل کیا ہے۔

مزید فرمایا۔ ابو مسلم خولانی! میں شرمندہ ہوں۔ کہ ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہمارا فرض ہمیں یاد کروایا۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو تنخواہیں ادا کرنے کے بعد جمعہ پڑھتے ہیں۔ یا جمعہ پڑھنے کے بعد تنخواہیں ادا کرنے کی مہلت مل سکتی ہے۔

جمعہ پڑھنے کے بعد شام تک لوگوں کو تنخواہیں ضرور دیں۔

چنانچہ جمعہ پڑھنے کے بعد لوگوں کو تنخواہیں ملنے لگیں۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے سراپا نیاز بن گئے۔

عوام اور سرکاری ملازمین کے ساتھ ایسی زیادتیاں ہر دور میں اور اب تک ہوتی رہی ہیں۔ حکام وقت پر یا تو غفلت کے پردے پڑے رہتے ہیں یا حکومت اور رعایا کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ رکھا جاتا ہے کہ بات ان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر عوامی دباؤ کے ذریعے سے بات پہنچانے کی کوشش کی جائے تو بہت سے لوگوں کی زبانیں کاٹ دینے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف حکومت کانوں سے بہری ہے تو دوسری طرف عوام کی آواز ان کے حلق میں اٹکی ہوتی ہے۔ اور آنکھوں کی بینائی تو شاید دونوں طرف کی کمزور سمجھ لی گئی ہے۔

حلیۃ الاولیاء ابی نعیم ماہنامہ ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ

نئی دہلی انڈیا

Marfat.com

خطبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد عدل وانصاف اور فتوحات کا عہد ہے۔ سپاہ اسلام کی فتوحات کی خبریں ہر روز مدینہ پاک میں آ رہی تھیں۔

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جو مہم نہاوند میں سر کی جا رہی تھی اس کی خبر ابھی تک نہیں آ رہی تھی۔ آپ روزانہ اس مہم کے بارے میں اچھی خبر سننے کے آرزومند تھے۔ آپ نہاوند سے ہر آنے والے مسافر سے پوچھتے کہ مسلمان کس حال میں ہیں۔ یہ معرکہ 21ھ میں پیش آیا۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ مسجد میں پڑھ رہے تھے۔ سامعین وحاضرین بڑی توجہ سے خطبہ کے ایک ایک لفظ کو دلوں میں جگہ دے رہے تھے۔ کہ اچانک آپ کی زبان سے یہ لفظ ادا ہو گئے۔

(یا ساریہ الجبل الجبل من استرعی الذئب ظلم)

"اے ساریہ پہاڑ میں پناہ لو۔ جو شخص بھیڑیئے کی رعایت کرتا ہے ظلم کرتا ہے۔"

ان الفاظ کا تعلق آج کے خطبہ سے بالکل نہ تھا۔ سننے والوں نے فوراً سر اٹھایا کہ یہ کیا الفاظ ہیں۔ جنہوں نے خطبے کو بے ربط کر دیا ہے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ ابھی کوئی زبان ہلی نہ تھی کہ آپ نے پھر فرمایا یاساریۃ الجبل۔ اس کے بعد تیسری بار پھر یہی الفاظ دہرائے گئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے کہ ان کے یہ الفاظ کہنے سے یہ خلافت سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ یہ کلام کسی مجنون کا ہو سکتا ہے۔ اور مجنون خلافت کے لائق نہیں۔ انہیں خلافت سے الگ کر دینا چاہیئے۔

ایک دوسرا شخص بولا۔ ساریہ تو اس وقت نہاوند میں دشمن سے مقابلہ کر رہے ہیں اور یہ یہاں چیخ رہے ہیں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

پوچھا تم کو خطبہ میں کیا ہو گیا تھا۔

انہوں نے پوچھا۔ کیوں کیا ہو گیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ تمہارا قول کہ یا ساریہ الجبل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا واقعی میری زبان سے یہ کلمہ نکلا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ہاں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قدرے بے تکلف تھے۔ انہوں نے کہا آج آپ نے ایسا کام کیا ہے کہ لوگ آپ پر زبان درازی کرنے لگے ہیں۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی۔ کہ جنگ نہاوند کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں پر بڑا کڑا وقت ہے دشمن پلٹ پلٹ کر حملے کر رہا تھا۔ ایک بڑا حملہ حضرت ساریہ کے لشکر پر ہونے والا تھا میں نے اسے بتایا کہ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ جونہی وہ پہاڑی کی طرف مڑے۔ دشمن ان کے بالکل قریب سامنے کھڑا تھا۔ ان کا سارا لشکر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ دشمن کی سکیم فیل ہو گئی۔ دشمن کے لاشے زمین پر تڑپنے لگے اور بقیہ تتر بتر ہو گئے۔ مسلمانوں کو فتح ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ خیر نہاوند کے لشکر آنے پر دیکھا جائے گا۔ چنانچہ ایک ماہ کے بعد جب اس فتح کی خوش خبری کا خط لے کر قاصد مدینہ پاک میں آیا تو اس خط میں لکھا تھا کہ جمعہ کے روز ہم دشمن سے لڑ رہے تھے۔ اور قریب تھا کہ ہم شکست کھا جائیں۔ کہ عین نماز جمعہ کے وقت ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی کہ ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ ہم پہاڑ کی طرف مڑے تو دشمن کی تلواریں ہوا میں لہرانے والی تھیں۔ ہم سنبھل گئے۔ اور جم کر لڑے۔ اور ہمیں فتح ہو گئی۔ اور دشمن کو تہہ تیغ کر دیا۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعت نظری کا پتہ چلتا ہے وہیں لوگوں کی اس جرأت کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ حاکم وقت کو خلاف شرع بات کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

آج کوئی حاکم خواہ کسی قسم کی بے احتیاطی کر جائے۔ اس کے ہمنوا ہاں میں ہاں ملا دیں گے۔ بلکہ اس بات میں بے شمار باتیں نکال نکال کر عوام کے سامنے پیش کرنے لگیں گے۔ خواہ اس سے ملکی سطح پر کتنا بڑا نقصان ہو جائے۔

داستان عمل۔ از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

چادریں

دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی ایام ہیں۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ ابتدائی ایام اس لئے کہ آپ نے جمادی الاخر 13ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں اور 14 ہجری میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اس سال یعنی 14 ہجری میں دمشق فتح ہوا۔ غالباً اس جنگ میں جو مال غنیمت مدینہ طیبہ میں آیا۔ اس میں کچھ چادریں تھیں جنہیں آپ نے تقسیم فرمادیا۔ ایک ایک چادر ہر مجاہد کے حصے میں آئی۔

جب آپ منبر پر تشریف لائے تو آپ اس چادر سے بنا ہوا کرتہ پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے آج کے خطبے میں نہ جانے کیا کہنا تھا۔ مگر نہ کہہ سکے۔ گفتگو کا رخ ہی بدل گیا۔ آغاز یوں فرمایا تھا۔

لوگو! میں آپ کا امیر ہوں۔ ملک کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اسے جس طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ میں جانتا ہوں۔ تنزل کی طرف لے جاؤں تو آپ یقیناً ناپسند کریں گے بلکہ میرا ہاتھ روک لیں گے۔ اور اگر ترقی کی طرف لے جانا چاہوں تو بغیر آپ کے تعاون کے یہ مقصد حاصل نہ کر سکوں گا۔ تو کیا اس سلسلے میں جو میں آپ کو حکم دوں وہ آپ تسلیم کریں گے۔ اور اس کی تعمیل بھی کریں گے۔

اس سوال کا جواب ہاں میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر یہ لوگ بڑے سمجھدار تھے۔ انہوں نے اپنے خلیفہ سے ایک وعدہ کرنا تھا۔ اور ایک بہت بڑی ذمہ داری قبول کرنی تھی۔ لہٰذا وہ اس سوال کا جواب ذرا سوچ کر دینا چاہتے تھے۔ کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا۔

اے عمر بن الخطاب! ہمیں آپ کے حکم ماننے میں تردد ہے۔ بلکہ انکار ہے۔ ہم آپ کا حکم ہرگز نہیں مانیں گے۔

خلیفہ وقت کے سامنے یہ انکار کی جرأت ایک عام آدمی کی زبان سے سن کر ساری مسجد میں

Marfat.com

سناٹا چھا گیا۔ کسی شخص نے اس کا دامن کھینچ کر اسے نیچے بٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی حاجب اس کی زبان بند کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ کسی نے اس کے دماغی توازن پر شک نہیں کیا۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنے لگے۔ کہ آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس شخص کے اس انکار کے ضمن میں کوئی غصہ نہ تھا۔ فرمایا۔

میرے بھائی! آپ کس تردد میں ہیں۔ جس سے میری بات ماننے میں آپ انکار کی آواز بلند کر رہے ہیں۔

اس نے عرض کیا۔ آپ کی دیانت مشکوک ہے۔ آپ عادل خلیفہ کہلانے کے حق دار نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے۔

فرمایا۔ میرے بھائی! جس بات پر آپ مجھے فاسق کہہ رہے ہیں یا میری دیانت پر آپ کو شک ہے اس کی بنیاد کیا ہے۔

عرض کیا۔ ہاں میرے پاس بڑا واضح ثبوت ہے۔

فرمایا۔ ہاں ہاں اسے پیش کرو۔ علیحدگی میں نہیں۔ اس بھری مجلس میں بیان کرو۔ میں اپنی اصلاح چاہتا ہوں۔ یہ تو مجھ پر آپ کا بڑا احسان ہوگا۔

عرض کیا یہ تمہاری قمیص ہی بد دیانتی کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔

فرمایا۔ وہ کیسے؟

اس نے عرض کیا حضور! مال غنیمت میں جو چادریں آئیں۔ وہ تقسیم ہو گئیں۔ ہر مجاہد کو ایک ایک چادر ملی۔ اس میں خیانت کا شائبہ تک نہ تھا۔ مگر وہ چادر اس قدر چھوٹی تھی۔ کہ اس سے ایک عام آدمی کا کرتہ نہیں بن سکتا تھا۔ آپ لحیم و شحیم ہیں۔ آپ کو بھی ایک ہی چادر ملی تھی۔ آپ کا کرتہ کیسے بن گیا؟ اس سے ہمارا گمان اس طرف جاتا ہے۔ کہ آپ نے ایک چادر کی بجائے 1-1/2 چادر یا دو چادریں لی ہیں۔ جس کا علم کسی کو نہیں ہے۔ یہ خیانت ہے جو آپ نے کی ہے۔ آپ کی دیانت مشکوک ہو گئی ہے۔ آپ خلیفہ عادل کہلانے کے حق دار نہیں ہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں پر ترجیح دی ہے۔ لہٰذا اب آپ ہمارے خلیفہ اور امیر نہیں ہیں۔

Marfat.com

یعنی ہم پر تمہارے احکام کی تعمیل واجب اور فرض نہیں رہی۔

فرمایا۔ میرے بھائی! کیا اس معاملے میں مجھے کوئی صفائی پیش کرنے کا موقعہ دیں گے آپ؟

اس نے کہا۔ اے عمر بن لخطاب! صفائی نہ دیں۔ صفائی پیش کرنے میں آپ جھوٹ بول کر ایک اور جرم کا ارتکاب کر جائیں گے۔ اللہ آپ کو جھوٹ سے محفوظ رکھے۔

پھر اچانک مسجد کے ایک کونے سے ایک دوسرا جوان اٹھا۔ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

کہنے لگے۔ دیکھیں۔ میں الجھن دور کیے دیتا ہوں۔

لوگوں کے کان اس نئی آواز پر لگ گئے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا آپ کو علم ہے کہ جنگ دمشق میں میں بھی شریک تھا جس کے باعث مجھے بھی ان غنیمت کی چادروں میں سے ایک چادر ملی تھی۔

آوازیں آئیں۔ ہاں آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ آپ کو بھی ایک چادر ملی تھی۔

تو میں نے اپنی چادر اپنے والد محترم کو دے دی۔ اس طرح والد محترم کے کرتے کے لئے جتنا کپڑا کم تھا اس چادر سے حاصل کر لیا گیا۔ اور کرتہ بن گیا۔

اس وضاحت پر اعتراض کرنے والا شخص چپ ہو گیا۔ پھر فرمایا۔

ضرور ایسا ہی ہوا ہو گا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شک عادل اور دیانت دار ہیں۔ اب آپ جو حکم دیں گے۔ میں اس کی تعمیل سر آنکھوں سے کروں گا۔ کیونکہ اب یہ میرا فرض ہے اور امیر المومنین کی اطاعت سب پر فرض ہے۔

ہمیں اپنے اسلاف پر ناز ہے۔ وہ دیانت اور عدل کے خوگر تھے۔ انہیں جب بھی پرکھا گیا۔ وہ بے داغ ثابت ہوئے۔ آج کے دور میں اتنی مجرأت کرنے والے کی آواز نقار خانے کے شور میں دب جاتی ہے۔ یا اس کے درمیان میں اس قدر فاصلے ہیں کہ معترض کا وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اور اگر کسی طریقے سے یہ آواز صاحب اقتدار تک پہنچ بھی جائے تو اس آواز اٹھانے والے کی خیر نہیں ہے۔ یہ اغوا کر لیا جائے گا یا مروا دیا جائے گا۔

داستان عمل۔ از ایم عبدالرحمن خان

Marfat.com

قتل

سلیمان بن عبد الملک ایک عادل خلیفہ ہوئے ہیں۔ ظلم و جور انہیں اچھا نہیں لگا۔ تاریخ کے بدترین ظالم گورنر حجاج بن یوسف کو اس نے معزول کیا اور اپنے بعد تاریخ کے بہترین حکمران عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ مگر اسی سلیمان بن عبد الملک نے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دے دیا جس نے اسے (خلیفہ سلیمان بن عبد الملک) کو گالیاں دی تھیں۔

خالد شحنہ (کوتوال) کو اس شخص کا سر قلم کرنے کا حکم مل گیا تھا۔ لوگ اس منظر کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ بھی آ گئے۔ آپ اس وقت کسی بھی عہدے پر فائز نہ تھے۔

فرمایا۔ خالد رک جاؤ۔ اپنی تلوار نیام میں رکھ لو۔ اسے مت قتل کرنا۔ اب آپ سلیمان بن عبدالملک کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہا میں امیر المؤمنین سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسے قتل کرنے کا حکم کس جرم میں دیا گیا ہے۔

اس نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ سلیمان بن عبد الملک نے کہا۔

فرمایا گالیوں کی سزا قتل تو نہیں ہے۔ ممکن ہے آپ سے کوئی زیادتی ہو گئی ہو جس نے اسے مشتعل کر دیا ہو اور وہ حالت اس پر طاری ہو گئی ہو کہ یہ گالیاں بکنے لگا ہو۔ یہ شخص لوگوں کی نگاہ میں محترم ہے صرف آپ کی نگاہ میں مغضوب ہے۔ اس کا قتل کئی لوگوں کو آپ سے متنفر کر دے گا۔ آپ اسے محض قید کر دیں قتل نہ کریں ممکن ہے چند ہی دن میں اس کی اصلاح ہو جائے اور آپ کی تعریفیں کرنے لگے۔

سلیمان بن عبد الملک نے اس نوجوان سے پوچھا جسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا کیا آپ کا گالیاں دینا سچ نہیں ہے؟

وہ شخص اب بھی غصے میں تھا۔ کہنے لگا۔ ہاں فاسق ابن فاسق پوچھ۔ کیا پوچھتا ہے؟

Marfat.com

سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا اب تو آپ نے اپنے کانوں سے اس کی گالیاں سن لی ہیں۔ کیا یہ کسی رعایت کا مستحق ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اسے کیا کروں؟

اے امیر المومنین آپ اپنے اندر جھانکیں ممکن ہے آپ کی کسی ایسی صفت کی بنا پر آپ کو یہ الفاظ سننے پڑے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو اس کی یہ بات اس کی تصدیق کر رہی ہے۔ اور اگر آپ میں وہ بات نہیں ہے۔ تو آپ بھی اسے جواب میں ایسی گالی دے لیں۔ مگر خلیفہ کی زبان سے گالی جچے گی نہیں۔ خلیفہ کو عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اپنی ذات کی ناراضگی پر نیچی سطح پر اتر آنا حاکم وقت کے لیے زیبا نہیں ہے۔

سلیمان نے کہا جس حکمران کو لوگ گالیاں نکالیں اس نے حکمرانی کیا کرنی ہے۔ ایسے گستاخ اور ٹیڑھی زبان والوں کی تو زبان گدی سے کھینچ لینی چاہیے۔ پھر اس نے خالد شحنہ کو اشارہ کیا اس کی تلوار لہرائی اور اس گستاخ کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

اس قتل کے کچھ دنوں کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات خالد شحنہ سے ہوئی۔ خالد کہنے لگا۔

اس دن آپ نے بڑی جرأت سے خلیفہ سے باتیں کیں۔ مجھے تو خوف ہونے لگا تھا کہ کہیں تمہیں بھی قتل کرنے کا حکم مجھے خلیفہ نہ دے دے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اگر ایسا ہوتا تو تم کیا کرتے۔

خالد شحنہ نے کہا واللہ میں آپ کو بھی قتل کر دیتا۔

کس جرم کی پاداش میں۔

ہم جرم نہیں دیکھا کرتے۔ ہم نے تو بس حکم بجالانا ہوتا ہے۔

خالد! ایسی نوکری چھوڑ دو تم ایک طرف حکم بجالاتے ہو دوسری طرف اپنے ضمیر کو قتل کرتے ہو۔

جب عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے واقعۃً خالد شحنہ کو اس نوکری سے سبکدوش کر دیا۔

کوتوال پولیس میں ایک افسر ہوتا ہے جو رات کو گشت کرتا ہے اور جرم و زیادتی کرنے والے لوگوں کو تلاش کرتا ہے۔ اس کا کام پوری دیانت سے درست رپورٹ حاکم وقت کو دینی ہوتی ہے۔

Marfat.com

مگراف! آج ایسا نہیں ہے۔ آج کے کوتوال اولاً تو اپنے فرائض سے غافل ہیں اور دوسرے خود ہی منصف بن جاتے ہیں۔ اور تیسرے زیادتی کرنے والوں کا ساتھ زیادہ دیتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے جو اس وقت محض ایک عام آدمی تھے جس جرأت سے خلیفہ سے بات کی وہ جرأت بھلا اب کہاں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

عقل و خرد

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی
اقبال

Marfat.com

مدد

جنگ صفین کے خون ریز معرکہ کے بعد خلافت دو حصوں میں بٹ گئی۔ عراق اور نجد و مجاز میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قائم ہوئی۔ اور شام اور اس کے آس پاس پر حضرت امیر معاویہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت قائم کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درالحکومت مدینہ سے کوفہ منتقل کرلیا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دارالحکومت دمشق مقرر کیا۔

ایک بار حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ آج کل میں بڑا تنگ دست ہوں۔ میری کچھ مدد کیجئے تاکہ کوئی کاروبار کر کے اپنی مالی حالت مستحکم کر سکوں۔ اس وقت کچھ اور لوگ بھی اس مقصد کے لیے آئے ہوئے تھے۔

آپ نے فرمایا بھائی! کچھ دیر ٹھہریئے۔ جب میں ان دوسرے لوگوں کو دوں گا تو آپ کو بھی دوں گا۔ حضرت عقیل نے اصرار کیا۔ تمہیں کیا خبر میری ضروریات شاید زیادہ ہوں۔ ان کو دینے تک مجھے نہ ٹالئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ سرخ ہو گیا جو غصے کے باعث تھا۔ آپ نے ایک شخص سے فرمایا۔ میرے بھائی عقیل کا ہاتھ تھام کے بازار چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ دکانوں کے تالے توڑ کر اپنی مرضی کا مال نکال لیں۔ اور اپنی ضرورتوں کو پورا کریں۔

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران ہوگئے۔ کہا کیا خلیفہ وقت مجھے چوری کے الزام میں پھانسنا چاہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ تو آپ بھی تو مجھے چور بنانا چاہتے ہیں۔

وہ کیسے۔ آپ گھر بیٹھے چور کیسے بن جائیں گے۔

فرمایا بیت المال جو مسلمانوں کا مال ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں یہ مال نکال کر تمہیں دے

Marfat.com

دوں تو یہ چوری نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا؟

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ میری مدد نہیں کرنا چاہتے۔ اگر آپ واقعی میری مدد سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں۔ تو میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاتا ہوں۔ اور یہی درخواست ان سے کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری مدد ضرور کریں گے۔ پھر نہ کہنا بھائی نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہو کے چلے گئے۔ آپ دمشق پہنچے اور حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں تشریف لے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خوب تکریم کی۔ اور تشریف لانے کا مقصد پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ تنگ دست ہوں۔ میری کچھ مدد کیجئے۔

انہوں نے اسی وقت بیت المال میں سے ایک لاکھ درہم پیش کر دیئے۔ اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ میں خلیفہ وقت (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بھائی کی خواہش کے مطابق ان کے کام آسکا ہوں۔ اب آپ ایسا کریں۔ مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیں۔ کہ تم کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا دیا۔ اور میں نے کیا دیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس اعلان کروانے کا مقصد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تضحیک کرنا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گمان تھا۔ کہ ایک لاکھ درہم سے زیادہ انہوں نے نہ دیا ہوگا۔ یقیناً کم ہوگا۔ جب اعلان ہوگا تو لوگوں پر واضح ہو جائے گا۔ کہ بھائی نے بھائی کو کیا دیا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ کے بھائی کو کیا دیا۔ علاوہ ازیں یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ خلافت کوفہ کے عوام کی حمایت انہیں مل جائے۔

اچھی سوچ رکھنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کہ وہ حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت کرنے میں کہیں پیچھے تو نہیں رہ گئے ہیں۔

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوچ پہلے لوگوں والی تھی۔ ان کے دل میں بڑا غصہ آیا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اعلان کرنے کی بجائے یہ لاکھ درہم امیر معاویہؓ کے منہ پر دے مارے۔ مگر اپنے فاقوں کے باعث مجبور تھے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ حمد و نعت کے بعد فرمایا۔

Marfat.com

اے لوگو! میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ سنو! میں نے اولاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسی چیز مانگی جو ان کے دین کو نقصان پہنچانے والی تھی۔ انہوں نے اپنے دین کو عزیز رکھا۔ اور مجھے وہ چیز نہ دی۔ پھر میں نے وہی چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مانگی۔ انہوں نے اپنے دین پر مجھے مقدم سمجھا اور وہ چیز مجھے عطا کر دی۔ یعنی بیت المال سے ایک لاکھ روپیہ دے دیا جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کر دیا۔

اس واقعہ سے دو خلفاء کے اچھے کردار کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانت داری اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانوادہ رسول سے محبت۔ آج ووٹ بنانے اور ووٹ بگاڑنے کا دور ہے اس مقصد کے لیے سرکاری پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ مفاد پرست خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور حق دار محروم رہ جاتے ہیں۔ ہمدردی کے کام کر کے ہمدردیاں حاصل نہیں کی جاتیں۔ بلکہ ہمدردیاں سرکاری مال سے خریدی جاتی ہیں۔ اور سرکاری مال عوام کا مال ہے۔ سب کا مال کسی ایک شخص یا کسی ایک شخص کے لیے نہیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

دو فہرستیں

الپ ارسلان نے 1063ء تا 1072ء ایران پر حکومت کی۔ بڑا بیدار مغز اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس کے باپ چاکر بیگ نے اسے خصوصی طور پر کہا۔ کہ بیٹا! اگر تم ایک اچھے بادشاہ بننا چاہتے ہو تو اپنے مشیر اور وزراء عقل مند رکھنا۔ جن میں حق بات کہنے کی ہمت ہو۔ وہ نہ صرف تجھے اچھے مشورے دے سکیں بلکہ تجھے غلط قسم کی من مانیاں کرنے سے ٹوک بھی سکیں۔

الپ ارسلان نے کہا۔ مگر ایسے وزیروں اور مشیروں کا اندازہ تو مجھے کچھ دیر کے بعد ہی ہوگا۔

میرا بیٹا درست کہتا ہے۔ مگر اچھے پھول کی خوشبو سے دور کے لوگوں کو بھی ان کی موجودگی کا احساس ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر آپ نظام الملک طوسی کو اپنا وزیر بلکہ وزیر اعظم بنالیں تو آپ کے لیے بڑی آسانیاں پیدا ہوں گی۔

اس طرح نظام الملک طوسی ارکان سلطنت میں شامل ہو گیا۔ ایک دن الپ ارسلان نے اپنے اس وزیر سے پوچھا کہ مشاورت کرنے کا حکم اراکین سلطنت سے ہے یا عوام الناس سے۔

طوسی نے کہا۔ حق اور سچ کہنے والوں سے۔

بادشاہ نے کہا کہ اس وقت حق کہنے والوں میں کون کون سے لوگ شامل ہیں۔

عرض کیا گیا۔ یہ لوگ تلاش کرنے پڑیں گے۔

تو مجھے ایسے لوگوں کی فہرست چاہیے۔

طوسی نے کہا میرے کام میں دخل نہ دینا۔ اور میری بات پر اعتراض نہ کرنا تو میں چند دنوں تک ایسی فہرست پیش کر سکوں گا۔ اور ہاں ایک فہرست آپ کو بھی تیار کرنی ہوگی۔ جو لوگ میرے بارے میں معترض ہوں ان کے نام لکھتے جایئے۔

اب نظام الملک طوسی نے ایک محضر نامہ تیار کیا جس کی عبارت کچھ اس طرح سے تھی کہ بادشاہ الپ ارسلان کے عہد میں جتنے بھی ظلم ستم ہوتے وہ وزیر کی طرف سے نہیں۔ بلکہ ان کا ذمہ دار سلطان تھا۔ تاکہ قیامت کے دن اس کی رہائی کا پروانہ ثابت ہو۔

Marfat.com

محضر نامہ تیار ہو گیا تو اس نے سب سے پہلے علماء پر پیش کیا۔ انہوں نے اس پر دستخط کر دیئے۔ (اسے پڑھایا نہیں۔ کچھ پتہ نہیں) پھر امراء کے سامنے رکھا۔ انہوں نے بھی اس پر دستخط کرنے سے انکار نہیں کیا۔ (شائد علماء کے دستخط دیکھ کر)۔ اب عام رعایا کو دیا۔ انہوں نے بغیر سوچے سمجھے دستخط کر دیئے۔ (شائد وزیر سلطنت کے حکم کی بنا پر) اب اس محضر نامے کو شعراء کی محفل میں لے جایا گیا۔ انہوں نے نہ صرف اس پر دستخط کیے بلکہ قصیدے بھی لکھ ڈالے۔

اب جو آخری دستخطوں کے لیے یہ محضر نامہ حضرت شیخ ابو اسحاق فیروز آبادی کے سامنے آیا تاکہ وہ ساری رعایا علماء امراء و شعراء کی تائید کر سکیں۔ تو انہوں نے اس محضر نامہ کی عبارت کو غور سے پڑھا۔ تو انہیں ہنسی آ گئی۔ فرمایا نظام الملک طوسی نے خدا کو دھوکہ دینے کی خوب راہ نکالی ہے۔ اور پھر ایک محضر مگر لطیف تصدیق کر دی۔ اور دستخط کر دیئے۔ آپ نے لکھا۔

خیرا لظلمة حسن. "یعنی سب ظالموں میں حسن اچھا ہے۔"

حسن دراصل نظام الملک طوسی کا اصل نام تھا۔

اس طرح جب تمام مراحل طے کر کے یہ محضر نامہ نظام الملک طوسی کے حوالے کیا گیا۔ تو اس نے شروع سے آخر تک اسے پڑھا۔ نام اور دستخط دیکھتا گیا۔ تو اس کے ہونٹوں پر ایک تبسم تھا۔ مگر جب اس کی نگاہ آخری فقرے پر پڑی جسے حضرت شیخ ابو اسحٰق فیروز آبادی نے لکھا تھا۔ تو اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ اس نے حق کہنے والوں کی جو فہرست تیار کی تو اس میں صرف ایک ہی نام تھا۔ یعنی شیخ ابو اسحٰق فیروز آبادی۔

ادھر بادشاہ نے جو فہرست تیار کی وہ بڑی طویل تھی۔ اس میں نظام الملک طوسی پر کیچڑ اچھالنے والوں کے نام تھے۔ بادشاہ کو فرشتہ سیرت کہنے والوں کے نام تھے۔ اور ان کے نام بھی تھے جنہوں نے یہ تک کہا تھا کہ طوسی بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے والا ہے۔ اور حیرانی اس بات کی تھی کہ یہ وہ نام تھے جنہوں نے طوسی کے محضر نامے پر بھی دستخط کیے تھے۔

بادشاہ کے ہاں جب فہرستوں کا تبادلہ ہوا تو دونوں کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ اب بادشاہ نے اپنی فہرست کے لوگوں پر اعتماد نہیں کیا۔ اور نظام الملک طوسی ابو اسحٰق فیروز آبادی سے مشورے لیتے رہے۔

عظیم لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ حق کہنے والے ہزاروں میں سے ایک دو ہوتے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

عادل گواہ

ایک بار امیر المؤمنین الحکم کے چچا سعید الخیر کا ایک مقدمہ قاضی وقت ابن بشیر کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ مقدمہ کسی کاروباری نوعیت کا تھا۔ فریق مخالف سعید الخیر نے کوئی چیز خریدی تھی۔ اس سلسلے میں رقم کی وصولی کی جو دستاویز تیار کی گئی تھی۔ اس پر جن گواہوں کے دستخط ثبت ہوئے۔ وہ ابھی زندہ تھے۔

قاضی وقت نے ان گواہوں کو طلب کیا۔ ایک گواہ تو عام آدمی تھا۔ وہ عدالت میں پیش ہوا اور گواہی دی کہ یہ تحریر ٹھیک ہے۔ اور اس پر جو دستخط ہیں وہ اس کے ہیں۔ قاضی نے گواہی لے کر اسے جانے کی اجازت دے دی۔ مگر دوسرا گواہ پیش نہیں ہوا۔ جب قاضی نے اس کی حاضری کا مطالبہ کیا تو

سعید الخیر نے عرض کیا حضور! یہ گواہ تو خود امیر المؤمنین ہیں وہ اپنے حکومتی فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے شائد نہ آسکیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ انہیں طلب نہ کریں۔ ان کی ثبت شدہ شہادت پر اعتماد کیا جائے۔

مگر قاضی صاحب نے یہ التجا مسترد کر دی۔ بلکہ عدالت کی طرف سے انہیں ڈانٹ پلائی۔ کہ عدالت کا احترام کرنا سیکھو۔ اور مزید یہ کہ خلیفہ کو عدالت میں طلبی کے احکام بھیج دیئے۔

سعید الخیر کو خلیفہ وقت کا چچا ہونے پر فخر تھا۔ اسے یہ بات نہایت گراں گزری۔ کہ امیر المؤمنین کی طرف سے اس مقرر کردہ قاضی کو ذرا بھی خلیفہ کے احسانات اور خلیفہ کے خاندان کی پاسداری کا احساس نہیں ہے۔ کہنے لگا

قاضی وقت کو شاید یہ معلوم نہیں کہ میں امیر المؤمنین کا چچا ہوں۔ اور وہ میرا بھتیجا ہے۔ بھتیجا اپنے چچا کی ہر بات مانتا ہے۔

قاضی صاحب نے بڑی جرأت سے کہا۔ مثلاً کیسی باتیں مانتا ہے؟۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ یہی کہ مجھے اس عہدہ قضا سے ہٹا دے گا۔

Marfat.com

ہاں۔ اگر میں کہہ دوں تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے۔

قاضی نے کہا۔ جب میں قاضی نہیں رہوں گا۔ تو کار قضاء کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں ہوگا۔ نہ خلیفہ وقت پوچھے گا نہ میرا خدا۔ لہٰذا تمہیں وہی کرنا ہوگا۔ جو اصول اور انصاف پسندی کے مطابق ہے۔

سعید الخیر کی توقعات کو بڑی ٹھیس لگی۔ وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ وہ سیدھا دربار میں پہنچا۔ خلیفہ نے چچا کو دیکھا تو احتراماً کھڑا ہو گیا۔ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ کہا۔

آج میرے چچا کو اپنے بھتیجے کی کون سی محبت کھینچ لائی ہے۔

سعید الخیر چونکہ غصے میں تھا۔ کہنے لگا۔ قاضی ابن بشیر مسند عدالت کے قابل نہیں۔ اس نے شاہ وقت کی تحریر کی کوئی عزت نہیں کی۔ بلکہ آپ کی طلبی کے احکام صادر کر دیئے ہیں۔

الحکم نے بڑے تحمل سے چچا کی بات سنی۔ بلکہ ٹھنڈا مشروب بھی پیش کیا۔ پھر کہا۔

چچا جان! ہمارا کام گواہیاں دینا نہیں۔ عدالت میں گواہی دینے جاؤں گا تو قاضی کو انصاف کرنے میں دقت ہوگی۔ وہ میرے احترام میں انصاف کا گلا کاٹ دے گا۔ علاوہ ازیں آپ کے حق میں اس کا صحیح فیصلہ بھی عوام الناس کی نظروں میں مشکوک رہے گا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ فریق مخالف سے خود فیصلہ کر لیں اگر آپ کو کوئی نقصان ہوگا تو میں ادا کر دوں گا۔

سعید الخیر یہ بات نہ مانا۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ آج حکم کو صرف اپنی گواہی کی توثیق کرنی ہے۔ اس سے انصاف کے کسی پہلو پر زد نہیں پڑے گی۔

چچا کا اصرار بڑھا۔ تو الحکم نے اپنی گواہی ایک کاغذ پر تحریر کر کے شہادت کے دو گواہ جو بڑے عالم فاضل تھے۔ قاضی کے پاس بھیج دیئے۔

قاضی نے وہ شہادت لے لی۔ اور شہادتوں کے بیانات سن کر ان کو رخصت کر دیا۔

اب سعید الخیر پھر قاضی صاحب سے مخاطب ہوا۔ اب تو امیر المؤمنین کی شہادت بھی ہو گئی۔ لہٰذا آپ فیصلہ دیں۔

قاضی نے تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچا۔ پھر کہا یہ شہادت ناکافی ہے۔ کوئی عادل گواہ پیش کرو۔

سعید الخیر پھر آپے سے باہر ہو گیا۔ بلند آواز سے بولا۔ اس کا مطلب ہے امیر المؤمنین عادل

Marfat.com

نہیں ہیں۔ تم کسی لاعلمی کی بناپر یہ بات کہہ رہے ہو۔

میں نے امیر المؤمنین کے عدل پر اعتراض نہیں کیا۔ مگر صورت حال ایسی ہے کہ آپ کو کوئی عادل گواہ پیش کرنا ہوگا۔

سعید الخیر کے انگ انگ میں غصہ تھا۔ مگر انصاف کی عدالت میں کھڑا تھا۔ زیادہ واہیاتیاں نہ کر سکا۔ تاہم جلدی سے پھر خلیفہ کے پاس پہنچا۔ اور خلیفہ کو دیکھتے ہی شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ آج سلطنت کا وقار ختم ہو گیا ہے۔ شاہی خاندان کی عزت خاک میں مل گئی ہے۔ کیونکہ قاضی نے بادشاہ کی شہادت قبول نہیں کی۔ غرضیکہ سعید الخیر نے بادشاہ کے جذبات کو بہت زیادہ مشتعل کر کے اپنا کام نکلوانے کی کوشش کی۔

مگر ادھر قاضی اس کی باتوں سے مرعوب نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ادھر الحکم اس کی باتوں میں آیا۔ بلکہ بادشاہ نے کہا۔

چچا! قاضی کی بات فی الواقعہ دیانت پر مبنی ہے۔ جو حق کے مقابلہ میں شاہ وقت کی پرواہ نہیں کرتا۔ میرے لیے یہ بڑی خوشی کا مقام ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا قاضی دیا ہے۔ جس کے یہ سچے اور درست فیصلے یقیناً میری حکومت کو استحکام بخشیں گے۔ میں خوب سمجھ رہا ہوں کہ آپ کے معاملہ میں میری شہادت کو وہ محض رشتہ داری کی بناپر مسترد کر رہے ہیں۔

چونکہ سعید الخیر اپنے مقدمے میں شہادت پیش کرنے میں قاصر رہا تھا۔ اس لیے قاضی نے فیصلہ ان کے خلاف دے دیا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ خلیفہ نے ان کے نقصان (اگر واقعتہً ہوا ہے۔) پورا کیا یا نہیں۔

عدل کی حفاظت شاہان وقت کی طرف سے ہوتی ہے۔ جہاں عدل وانصاف کے پرخچے اڑتے ہیں۔ وہاں وقار شاہی مداخلت کرتا ہے۔ یا اس وقت خاموش رہتا ہے۔ جب کسی اور لالچ۔ رشوت۔ یا سفارش کی بناپر انصاف کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دی جاتی ہے۔ اگر یہ رکاوٹیں نہ ہوں اور قاضی وقت کو تحفظ ملے تو قاضی کے نزدیک وقار شاہی بے حقیقت بن جاتا ہے۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمن خان

Marfat.com

صاحب المصلیٰ

خلافت بنی عباس کے بانیوں میں سفاح اور منصور کے چچا کا نام عبداللہ بن علی تھا۔ انہوں نے خلافت عباسیہ کے استحکام میں بڑا کام کیا۔ اسے شام کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جب سفاح کا انتقال ہوا تو عبداللہ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ بہت سے لوگ اس کے ہمنوا بھی بن گئے۔ اور انہوں نے حراں کا محاصرہ کر لیا۔

چونکہ خلافت بغداد پر منصور متمکن تھا۔ اس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی سرکوبی کے لیے ابو مسلم خراسانی کو مقرر کیا۔ نعیبین کے مقام پر فوجوں کا مقابلہ ہوا مگر عبداللہ بن علی نے شکست کھائی۔ گرفتار ہوا اور جیل چلا گیا۔ جہاں اس کی موت واقع ہو گئی۔

منصور نے اس معرکہ میں لڑنے والی فوج کے سرداروں کو بلایا جن میں صالح۔ خرس۔ اور شعیب جیسے سرداروں کے علاوہ اور بھی بہت سے سردار تھے۔ اور کہا چونکہ تم نے عبداللہ بن علی سے لڑائی میں میری خاصی مدد کی ہے۔ اور بھرپور تعاون کیا ہے۔ اس لیے میں ان (عبداللہ) کا سارے کا سارا خزانہ آپ کے حوالے کرتا ہوں تم اپنی مرضی سے جو چاہو اور جتنا چاہو لے سکتے ہو۔

یہ سردار سب کے سب حیران تھے کہ کہیں اس معاملہ میں ان کی کوئی آزمائش تو نہیں ہے۔ وہ خاموشی کی ایک تصویر بنے کھڑے رہے۔ منصور انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ کہ کوئی بھی اس خزانہ میں سے کوئی چیز بھی لینے کو آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

منصور نے کہا اے سرداران سپاہ شاید آپ میری بات سمجھ نہیں پائے۔ میں نے کہا ہے کہ عبداللہ بن علی کا جو خزانہ ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ اس کا اختیار میں آپ کو دے رہا ہوں۔ جتنا آپ چاہیں لے لیں۔

اس خزانے میں سونا بھی تھا۔ چاندی بھی تھی۔ جواہرات بھی تھے۔ تلواریں بھی۔ زرہ بکتر بھی اور قیمتی برتن بھی۔ اور مصر کا بنا ہوا ایک مصلیٰ بھی تھا۔

Marfat.com

منصور کے دوبارہ کہنے پر یہ سردار باری باری آگے بڑھے۔ جسے سونے سے پیار تھا اس نے سونا اٹھا لیا۔ کسی نے اشرفیوں سے جھولی بھر لی۔ کسی نے زرہ بکتر پکڑ لیے۔ جرنیل صالح آگے بڑھا۔ اس نے سونے کو دیکھا تک نہیں۔ چاندی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اشرفیوں کے ڈھیر کے پاس تک نہیں گیا۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ اور اس مصلیٰ تک پہنچ گیا۔ اس نے جلدی سے اسے اٹھایا اور سر پر رکھ کر چل دیا۔

منصور ان سرداروں کی پسند ناپسند کا منظر دیکھ رہا تھا۔ مگر صالح کی پسند پر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ سوچنے لگ گیا کہ اس نے کس چیز کو پسند کیا ہے۔ نہ اس نے سونے سے پیار کیا ہے۔ نہ چاندی سے اور نہ جواہرات سے۔ اس نے تو بالکل حقیر سی چیز اٹھائی ہے۔ اس نے اسے روک لیا اور کہا۔

صالح! کیا تم بتا سکتے ہو کہ زرو جواہرات کی بجائے آپ نے اس مصلیٰ کو ترجیح کیوں دی ہے۔

صالح نے جواب دیا۔ اس مُصَلّے کی قدر و قیمت میں جانتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں جس کے حصے میں یہ مصلیٰ آ گیا اس نے گویا دنیا کے سارے خزانے پا لئے۔

منصور نے کہا۔ اس مُصَلّے کے بارے میں آپ مجھے کچھ بتائیں۔

اے امیر المؤمنین! یہ مصلیٰ وہ ہے جو حضور ﷺ کے استعمال میں رہا ہے۔ اور بنو امیہ کے خزانے میں نسلاً بعد نسل محفوظ چلا آیا ہے۔ میرے ساتھیوں میں سے کسی نے اشرفیوں سے جھولی بھر لی ہے۔ کسی کو تلوار پسند آئی ہے۔ اور کوئی زرہ بکتر لے گیا۔ میں نے یہ چٹائی کا مصلیٰ اٹھا لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس مصلیٰ کی برکت سے میری نسلیں مالا مال ہو گئی ہیں۔

یہ سن کر منصور اٹھا۔ کہنے لگا یہ تو وہ چیز ہے جسے شاہی خزانہ میں رہنا چاہیے۔

صالح نے کہا اب تو خلیفہ مجھے یہ مصلیٰ دے چکا ہے۔ اور دی ہوئی چیز بادشاہ واپس نہیں لیا کرتے۔

منصور بڑا پچھتایا۔ مگر وہ چونکہ قول دے چکا تھا۔ اس لیے اسے چپ ہونا پڑا۔ تاہم اس نے کہا کہ میں یہ مصلیٰ تجھے اس شرط پر دیتا ہوں کہ عیدین اور جمعہ کے موقعہ پر تو اسے لے کر آیا کرے گا۔ تاکہ میں اس پر کھڑا ہو کر نماز پڑھا دیا کروں۔

صالح نے منصور کی شرط مان لی۔ اس کے بعد منصور کا یہ معمول تھا کہ عیدین اور جمعہ کے

Marfat.com

لیے محل سے نکلتے وقت صالح کے گھر جاتا اور مصلیٰ مسجد میں لے جانے کو کہا کرتا۔ جب منصور نماز سے فارغ ہوتا تو مصلیٰ صالح اٹھا کر گھر میں لے آتا۔ لوگ صالح کا اصل نام بھول گئے بلکہ اس کی بجائے انہیں صاحب المصلیٰ کہا جانے لگا۔

خلیفہ منصور نے زندگی بھر اس محتاجی کو قبول کر لیا۔ مگر مصلیٰ کو اپنی ملکیت میں نہیں لیا۔ کیونکہ بادشاہ ایک دفعہ جو چیز دے دیا کرتے ہیں اسے واپس نہیں لیا کرتے۔ انہیں اپنے قول کا پاس ہوتا ہے۔

آج کے حکمران اپنے عوام سے بعض وعدے کرتے ہیں مگر بھول جاتے ہیں۔ اسے پورا نہیں کرتے۔ الیکشن کرتے ہیں تو بہت سی سہولتیں دینے کے وعدے کرتے ہیں۔ مگر برسر اقتدار آنے کے بعد وہ وعدے وعدے ہی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایفائے عہد کی توفیق بخشے۔

نوٹ۔ صالح کی وفات کے بعد یہ مصلیٰ ان کے گھر کی زینت بنا رہا۔ مگر معتصم باللہ نے صالح کے خاندان سے یہ مصلیٰ لے کر خزانے میں جمع کر دیا۔ اور کہا کہ یہ ترکہ ہے اسے قومی ملکیت میں رہنا چاہیے۔

روشنی۔ از مولانا سید محمد متین ہاشمیؒ

Marfat.com

شادی کا تحفہ

یوران بنت الحسین ابن سہیل جوان کیا ہوئی حسن کی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ کہ ایسی خوبصورت لڑکی اس وقت شاید کہیں بھی نہ ہو۔ یہ تذکرے مامون الرشید تک پہنچے۔ تو اس نے یوران سے شادی کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ یوران کے حسن و خوبی کی قدر کرنے کا بہترین فیصلہ تھا۔ اگر یوران شاہی محلوں کی شمع نہ بنتی تو یہ اس کے حسن کی ناقدری تھی۔

یہ شادی 210ھ میں ہوئی تھی۔ الحسین بن سہیل کوئی معمولی حیثیت کا آدمی نہ تھا۔ ہر چیز کی فراوانی تھی۔ اگر اس کے پاس کوئی چیز نہ تھی تو وہ بغداد کا تخت ہی تھا۔ جس پر مامون الرشید رونق افروز تھا۔ حسین نے اس وقت فیاضی کا خوب مظاہرہ کیا تمام لوگوں کو خلعتیں دی گئیں اور بنی عباس سے نسبت والوں کو جاگیریں دی گئیں۔ سترہ دن تک بارات کو ٹھہرائے رکھا گیا۔ مامون نے شب ہائے ضفاف سسرال کے ہاں ہی گزاریں۔

شادی کے اِن حسین اور رنگین لمحات میں حسین کے آنے والے بے شمار تحفوں میں سے ایک تحفہ ایسا بھی تھا جس نے نہ صرف حسین کو بلکہ حسین کے پورے خاندان کو حیرت میں ڈال دیا۔ یہ تحفہ یمن کے ایک دوست کی طرف سے تھا جس کے ساتھ بچپن میں حسین کھیلا بڑھا تھا۔ حسین امیر تھا اور یہ دوست غریب، دوستی کا سفر جدا جدا راستوں پر ہو گیا۔ یہ غریب تو اپنے دوسرے ہمجولیوں سے اس دوستی کا ذکر کرتا تھا مگر حسین کے دل سے یہ نام محو ہو گیا تھا۔

حسین نے اس تحفے کے ساتھ ایک رقعہ بھی پایا رقعہ میں لکھا تھا۔

یہ ایک بہت ہی حقیر ہدیہ جیسا کہ میں خود ہوں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں میں نے یہ بات مناسب نہیں سمجھی کہ تحفے بھیجنے والے جلیل القدر لوگوں کی فہرست میں میرا نام شامل نہ ہو۔ اس لئے میں نے ایک توشہ دان میں نمک کے ہر قسم کے کھانوں میں اس کی سرداری قائم ہے۔ اور تعلقات میں استحکام پیدا کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور دوسرے توشہ دان میں اشنان گھاس ہے۔ جو ہمیں اپنے علاقہ میں عام حاصل ہو جاتی ہے یہ خوشبودار گھاس ہے۔ شادی کی ان

Marfat.com

رونقوں میں اس خوشبو اور صفائی کی ضرورت تھی۔ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اللہ آپ کی زندگی کے ہر لمحہ خوشبو دار رکھے۔ اور تمہاری سانسیں بھی خوشبو بکھیرتی رہیں۔

فقط آپ کا

عبدوس السفار

شادی اختتام کو پہنچی تو تمام تحفے کھول کھول کر دیکھے گئے۔ اور اتفاق یہ کہ مامون الرشید بھی اس وقت یہاں موجود تھا۔ جب عبدوس السفار کا تحفہ آیا تو اکثر گھر والوں کے دل پر اس کا خاص اثر نہ ہوا۔ مگر مامون الرشید وہ رقعہ پڑھنے لگا۔ اور ایک ایک فقرے پر جھومتا رہا۔

اس نے کہا ان توشہ دانوں کو دیناروں سے بھر کر عبدوس السفار کے گھر میں بھیج دیجئے۔ اور ساتھ ہی اس مضمون کا ایک رقعہ لکھا کہ

آپ کے دوست جن کا احترام آپ کے دل میں صدف کے موتی کی طرح محفوظ ہے شادی کی مصروفیات کی وجہ سے آپ کو دعوت نہیں دے سکے۔ جس کا احساس انہیں تحفہ ملنے پر شدت سے ہوا ہے۔ آپ کا تحفہ نہایت پسند آیا ہے۔ جس کا بدل ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ کچھ دینار ہدیۃً پیش کر رہا ہوں انہیں قبول فرمائیں۔

آپ گاہے گاہے میرے ہاں آتے رہیں مجھے بے حد خوشی ہوگی۔

فقط۔ مامون الرشید

مامون الرشید کے حالات پڑھنے پر پتہ چلتا ہے کہ عبدوس السفار بہت کم مرتبہ مامون کے دربار میں آیا۔ تاہم جب بھی آیا تو تکریم پائی۔ اور ہدایا سے نوازا گیا۔

کوئی بھی آدمی خواہ کسی مقام پر پہنچ جائے۔ اس کے بچپن کے دوست واحباب کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ ان میں غریب اور نادار بھی ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت کرنا امیر دوستوں کا فرض بنتا ہے۔ آپ کا یہ احساس ذمہ داری انہیں آپ کا گرویدہ بنا دے گا۔

روشنی۔ از علامہ سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

استقامت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مشہور صحابی ہوئے ہیں۔ آپ کا اصل نام جندب تھا ابوذر کنیت۔ شیخ الاسلام لقب اور تعلق بنو غفار قبیلہ سے تھا۔ اس قبیلہ کا پیشہ رہزنی تھا۔ شروع شروع میں آپ نے بھی اس پیشے کو اپنایا۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے خطرات سے ٹکرا جایا کرتے تھے۔ مگر جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ نے مکے میں آکر اسلام قبول کر لیا۔ آپ کا شمار عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ سے بے شمار احادیث مروی ہیں۔ بڑے قناعت پسند اور سادہ مزاج تھے۔ مال وزر کے معاملے میں قلندرانہ مسلک رکھتے تھے۔ ساری زندگی امراء و وزراء کو زراندوزی سے روکتے رہے آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں شام میں رہا کرتے تھے۔ ایک وعظ میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔
(توبہ: ۳۴)

"اور وہ جو کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوش خبری سنادو دردناک عذاب کی۔

یہ آیت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کی آئینہ دار تھی وہ چونکے کہ دیکھوں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تشریح کیا کرتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت بخیلوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ اس قدر مال وزر کے رسیا ہیں کہ مال وزر جمع کرتے جاتے ہیں اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

انہوں نے بس اتنی تشریح کی اور دوسرا بیان شروع کر دیا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے فرمایا میں حاکم دمشق سے عرض کروں گا کہ آیت کی تشریح درست کریں اور اس پر عمل بھی کریں۔

Marfat.com

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے نزدیک اس آیت کا یہی مفہوم ہے آپ فرمائیں آپ اس سے کیا استدلال لیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ یہاں استدلال کی کوئی بات نہیں مطلب صاف اور واضح ہے کہ روپیہ جمع نہیں کرنا چاہئے۔ سب کا سب راہ خدا میں خرچ کر دینا چاہئے۔ آپ نے جو شاہانہ زندگی اپنائی ہے وہ سونا چاندی جمع کرنے سے اپنائی ہے۔ اگر آپ راہ خدا میں سارا مال خرچ کرتے تو آپ کی زندگی میں یہ چمک دمک نہ ہوتی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انفاق فی سبیل اللہ سے مراد زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے جس روپیہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے اس کا جمع کرنا گناہ نہیں ہے۔ اگر مال جمع کرنا گناہ ہوتا تو قرآن کریم میں ترکہ کی تقسیم اور وراثت کے حصص کا ذکر نہ ہوتا۔

لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور ان کی محفل سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عقیدے کا عام لوگوں کو علم ہوا تو انہوں نے ان کا مذاق اڑایا اور نوعمر لوگ خاص کر کے زیادہ تمسخر کرنے لگے۔ جوں جوں یہ مذاق اور تمسخر زیادہ ہوا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار میں ترقی ہوئی۔

چونکہ اس مذاق اور تمسخر میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تصدیق ہوتی تھی۔ لہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوش ہونا چاہئے تھا۔ مگر آپ خوش نہیں ہوئے بلکہ افسوس کرنے لگے کہ ان کے عہد میں اور ان کی وجہ سے آج کے نوجوان ایک صحابی رسول کی تحقیر کرتے ہیں۔ آپ نے حضرت عثمان غنی (جو اس وقت خلیفۃ المسلمین تھے) کو اس کیفیت کی اطلاع دی۔

خلیفہ وقت نے حکم بھیجا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت تکریم کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ کر دو۔

آپ مدینہ پاک میں آ گئے۔ مگر اپنے عقیدے میں تبدیلی نہیں کی بلکہ اس کا پرچار جاری رکھا۔ چونکہ ان کے مزاج میں درشتی تھی۔ لہٰذا لوگ ان سے چشم پوشی اور درگزر ہی کرتے تھے۔ لیکن یہاں بھی نوعمر اور خوش طبع لوگ موجود تھے۔ وہ کبھی کبھی ان کو چھیڑ ہی دیتے۔ اتفاقاً اس

Marfat.com

عرصہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی وفات ہوئی۔ وہ بڑے مال دار شخص تھے اور عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔

کسی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے اس قدر دولت چھوڑی ہے ان کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے بلا تامل فتویٰ داغ دیا۔

اس محفل میں حضرت کعب احبار جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوئے تھے اور بنی اسرائیل کے زبردست عالم تھے۔ وہ بھی معترض تھے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر کہ اے یہودی تجھ کو ان مسائل سے کیا واسطہ۔ اپنا عصا اٹھایا اور کعب احبار پر حملہ کر دیا۔ کعب احبار بھاگے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں گئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنا عصا لئے ہوئے پہنچے بڑی مشکل سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں نے حضرت کعب احبار کو بچایا۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باز رکھا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ جب فرو ہوا تو وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ میرا تو عقیدہ یہی ہے کہ سب کا سب مال خدا کی راہ میں خرچ کر دینا واجب ہے۔ شام کے لوگوں نے میری مخالفت کی اور مجھ کو ستایا اور اب مدینہ میں بھی لوگ میری مخالفت کرنے لگے ہیں۔ آپ بتائیں میں کیا تدبیر اختیار کروں اور کہاں چلا جاؤں۔

اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ مدینہ سے باہر کسی گاؤں میں سکونت اختیار فرمالیں۔ چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ سے 3 میل کے فاصلے پر مقام موضع ربذہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کی وفات 32ھ میں ہوئی۔

اس واقعہ سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضد بازی ظاہر نہیں ہوئی بلکہ آپ کے عقیدہ کی پختگی کا ثبوت ملتا ہے اور پھر اس کے اظہار کرنے میں نہ امیر شام سے خائف ہیں اور نہ ہی امیر المؤمنین سے ڈرتے ہیں۔ آج لوگوں کے موقف خواہ کس طرح پختہ ہوں جونہی مفادات کو زک پہنچنے کا اندیشہ ہو فوراً اپنا موقف تبدیل کر لیتے ہیں۔

تاریخ اسلام

از اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

ملاّح

ایک بڑے ہی خوشگوار دن کو خلیفہ مامون الرشید اپنے مصاحبوں کے ساتھ دریا کی سیر کو نکلے۔ وہ دجلہ کے کنارے جارہے تھے کہ ایک جگہ بہت سی کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ مامون کے دل میں خیال آیا کہ آج کسی کشتی میں بیٹھ کر کافی دیر تک دریا کی سیر کرلی جائے۔ ایک کشتی کا انتخاب کیا گیا۔ جسے ملاح کے شوق نے خوب زینت دے رکھی تھی۔ اس کشتی کے عین بیچ میں ایک پردہ لگایا گیا تھا۔ جس کے ایک طرف مسافر بیٹھتے تھے اور دوسری طرف ملاح۔

مامون الرشید اپنے مصاحبوں کے ساتھ اس کشتی میں بیٹھ کر دریا کی سیر کرنے لگے۔ جب کشتی دریا کے عین درمیان میں پہنچی۔ تو اس نے پردے کی دوسری جانب ملاّحوں کی گفتگو سنی۔

کشتی کا مالک ملاّح کہہ رہا تھا۔ کہ دوستو! آج مامون الرشید میری کشتی پر سیر کر رہا ہے۔ اس وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ میرے دل میں اس کی کوئی قدر و منزلت ہے۔ بالکل نہیں۔ یہ تو میری آنکھ میں ایک کانٹے کی مانند کھٹکتا رہتا ہے۔ اس نے میرے بھائی کو قتل کروایا تھا۔ میں چاہتا ہوں آج اس سے بدلہ لے لوں۔ اور یوں کہ جونہی کشتی گہرے پانیوں میں جائے میں اپنی بلیاں اور چپو دریا میں پھینک دوں۔ اور کشتی کو آوارہ چھوڑ دوں۔ خود چھلانگ لگا کر ساحل پر چلا جاؤں۔ اور میرے بھائی کا قاتل پانی میں غوطے کھا کھا کر مر جائے۔

کیا آپ نے خلیفہ کو واقعی مار دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے۔

نہیں باوجود اس کے وہ میرے بھائی کا قاتل ہے۔ اور میں اس سے بدلہ لینے پر قادر ہوں۔ مگر میں بدلہ نہیں لوں گا۔

اس میں کیا حکمت ہے؟

چونکہ وہ میری کشتی میں بیٹھا ہوا ہے۔ ایک ملاّح کا فرض ہے کہ وہ اپنی کشتی کی سواریوں کو بحفاظت ساحل تک پہنچائے۔

دوسرے ملاحنے کہا اگر تم واقعی انتقام نہیں لینا چاہتے تو یہ فضول بات تم نے کیوں کی ہے۔

Marfat.com

میرے بھائی کی محبت مجھے بے قابو کر رہی تھی کہ انتقام لے لوں۔ مگر اس وقت اس بے بس خلیفہ کو جان سے مارنا کوئی مردانگی نہیں ہے۔

خلیفہ نے اس گفتگو کا پہلا حصہ سنا۔ تو وہ سہم گیا۔ مگر گفتگو کے دوسرے حصے نے اس کی امیدوں کو سہارا دیا۔ پھر اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا۔

دوستو! کوئی ایسی تجویز بتاؤ کہ میں اس جلیل القدر شخص کی نظر میں مقتدر بن سکوں۔

مصاحبوں نے کہا۔ بہتر تو یہی وقت ہے کیوں کہ آج اس کے جذبات انتقام کی آگ سے بھڑکے ہوئے ہیں۔

نہیں یہ معافی تو ڈر کے باعث ہوگی۔ آج اگر وہ انتقام لینا چاہتا ہے تو لے لے تاکہ وہ اپنے بھائی کی روح کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

خلیفہ اور اس کے مصاحبوں کی گفتگو ملا جمھی سن رہے تھے۔ اس طرح دو طرفہ گفتگو نے دونوں کو شرمندہ کر دیا تھا۔

سیر کر کے واپس آگئے۔ مگر ملا جکے دل میں پھر ایک پچھتاوا سا لگ گیا۔ کہ اس نے بھائی کی موت کا بدلہ لینے کا ایک اچھا موقعہ ضائع کر دیا ہے۔ مگر جب سونے کے لئے چارپائی پر گیا تو اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو مامون الرشید خلیفہ وقت کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔

دوست! رات کا اندھیرا ہو چکا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے بھائی کا بدلہ لے لو۔

مگر دوسرے لمحے ملا خلیفہ کے قدموں میں پڑا تھا۔ وہ رو رو کر عرض کرنے لگا۔ حضور! مجھے معاف فرمادیں۔ آپ کس قدر عظیم آدمی ہیں۔ میرے دل میں اب آپ کے متعلق کوئی رنجش نہیں ہے۔ میرا بھائی جو قتل ہوا یقیناً اس کا اپنا قصور ہوگا۔

خلیفہ نے ملا سے کہا۔ اب ذرا جھولی پھیلاؤ۔

جونہی اس نے جھولی پھیلائی۔ خلیفہ نے ایک خطیر رقم اس کی جھولی میں انڈیل کر کہا۔ اسے قبول کر لو۔ اگر یہ رقم تمہارے بھائی کے خون بہا میں تھوڑی ہے تو میں اور بھی دینے کو تیار ہوں۔

ایسے عظیم لوگ اب کہاں ملیں گے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کسی صاحب قدرت کی طرف سے انتقامی کارروائی اس کی عظمت میں اضافہ نہیں کر سکتی۔

روشنی۔ از مولانا سید محمد متین ہاشمیؒ

Marfat.com

معیار حیات

یہ اس دور کی بات ہے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی۔ مسلمانوں کے قدم فتوحات کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اور قیصر و کسریٰ جیسی عظیم اور ناقابل تسخیر سلطنتیں اطاعت قبول کر چکی تھیں۔ دور دور تک کے حکمران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ مسلمان سراپا خوشحال تھے۔ کہ کچھ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاں ہاں۔ یہ گھر ہی تو تھا۔ جس کی کچی دیواروں میں لگے ہوئے دروازے کے کواڑوں کے پیچھے بوسیدہ کپڑے کا پردہ لٹک رہا تھا۔ کڑیوں کی چھت تھی۔ جو بارش آنے پر ٹپکنے لگتی تھی۔

ان لوگوں کی زبان پر اس گھر کے بارے میں گفتگو تھی۔ کہ ہمارے خلیفہ کو ذرا خیال نہیں آتا کہ سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا حکمران ہو کر اپنے گھر کی حالت کو ہی بدل لیں۔ کہ اچانک ایک بیس پچیس سال کی عمر کی ایک خاتون اس گھر سے باہر نکلی۔ چہرے کی رنگت اور نقوش میں ایک خاص کشش تھی۔ کپڑے بھی اچھے تھے۔ مگر تھی وہ لونڈی۔

یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ کنیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ باندی کا انتخاب اچھا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ کس ملک کے فتح کرنے پر مال غنیمت میں آئی ہو گی۔

ابھی وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لے آئے۔ ان لوگوں کے تبصرے کے الفاظ بڑے واضح طور پر ان کے کان میں پڑے۔ کہ لونڈی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میرے بھائیو! آپ کی سوچ اس خاتون کے بارے میں درست نہیں ہے۔ یہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی نہیں ہے۔ یہ تو میری ہمسائیگی میں رہنے والے خاندان کی کنیز ہے۔ واضح ہوتا ہے کہ اس گھر کے مالک کوئی سرکاری عہدہ دار نہ تھے۔ بس ایک معمولی دکاندار تھے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ گھر میں کوئی لونڈی یا باندی۔ یا کنیز رکھ

Marfat.com

سکوں۔ شاید آپ کو علم ہو گا کہ امیر المومنین کے لئے بیت المال سے کنیز قطعاً حلال نہیں ہے۔

ان لوگوں نے حیران ہو کے پوچھا اگر ہمارے امیر بیت المال میں سے ایک باندی بھی نہیں رکھ سکتے تو بیت المال میں سے کیا کچھ خرچ کر سکتے ہیں۔

آپ نے فرمایا بس دو جوڑے کپڑوں کے ایک موسم گرما کے لئے اور دوسرا موسم سرما کے لیے۔ حج اور عمرہ کے خرچ کے لئے خرچہ میری اور میرے گھر کے افراد کی غذا جیسی کہ عام لوگ استعمال کرتے ہیں بس یوں سمجھیں نہ امیرانہ ٹھاٹھ کی غذا اور نہ ہی فقیروں جیسی بالکل معمولی غذا بس متوسط درجے کی غذا کا خرچہ اسے (امیر المومنین) لینے کا حق دار ہے۔

لوگ گھر کے خرچے کا یہ میعار سن کر حیران رہ گئے۔

آج کے حکمرانوں کے لئے زندگی کا معیار یقیناً ایک سبق کا حامل ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ حکمران اپنی رعایا کا خادم بھی ہے اور امین بھی۔ وہ اپنا معیار زندگی اس سطح پر رکھتا ہے جہاں اسے خیانت کرنے کی ضرورت تک پیش نہیں آتی ہے۔ اگر زندگی کی ضرورتیں بڑھائی جائیں گی تو ان پر اٹھنے والے اخراجات پورے کرنے کے لئے عوام کے حقوق کو سلب کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اپنے فرائض سے غفلت کا احساس دم توڑتا چلا جائے گا۔

روشنی از مولانا سید محمد متین ہاشمیؒ

Marfat.com

گواہ

فضل بن ربیع عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں وزیر اعظم تھا۔ اسے جو عزت و شہرت اور جاہ و جلال حاصل تھا اس کی مثال تاریخ عالم میں بہت کم ملتی ہے۔ اس کا ہر مشورہ خلیفہ کو قابل قبول ہوتا تھا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ عہدہ قضاء پر فائز تھے ان کی عدالت میں ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس میں صرف آزاد انسانوں کی شہادت معتبر تھی غلام کی نہیں۔ مدعی کے گواہوں میں ایک نام ہارون الرشید کے وزیر اعظم فضل بن ربیع کا بھی تھا۔ مدعی کا خیال تھا کہ قاضی ابو یوسف وزیر اعظم کا نام گواہوں کی فہرست میں دیکھ کر مرعوب ہو جائیں گے اور فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا۔

قاضی ابو یوسف نے جب گواہوں کے نام دیکھے تو فضل بن ربیع کی شہادت روک دی۔ فرمایا میں ان کی گواہی قبول نہیں کروں گا۔ گواہی قبول نہ کرنے کی خبر کسی تاخیر کے بغیر فضل بن ربیع تک پہنچ گئی۔ جس سے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ بڑے سخت طیش کے عالم میں ہارون الرشید کے پاس گئے اور قاضی ابو یوسف کی شکایت کی۔ ہارون کو بھی یہ بات بڑی بری لگی کہ اتنی بڑی سلطنت کے وزیر اعظم کی شہادت روک دی گئی ہے۔ یہ تو وزیر اعظم کی توہین ہے۔ خلیفہ کی بھی توہین ہے اور سلطنت عباسیہ کی بدنامی ہے۔

خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو بلا بھیجا۔ مگر قاضی نے کہا۔ اس بات کی وضاحت کی جائے کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ اگر تو فضل بن ربیع کی شہادت کے روک دینے کی بات ہے تو میں نہیں آؤں گا بلکہ آپ کو اور وزیر اعظم کو آنا چاہئے اور اگر اس کے علاوہ کوئی بات ہے تو میں ابھی آنے کو تیار ہوں۔

قاضی کے اس جواب نے انہیں اور مشتعل کر دیا بہر حال خلیفہ اور وزیر اعظم دونوں قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے۔

Marfat.com

قاضی صاحب سے پوچھا گیا کہ فضل بن ربیع کی شہادت کیوں روک دی گئی ہے۔ کیا وہ قابل اعتبار شخص نہیں ہے۔

قاضی نے کہا اے امیر المؤمنین میں ایک دن آپ کے پاس بیٹھا تھا اثنائے گفتگو فضل بن ربیع نے کہا تھا کہ اے امیر المؤمنین میں تو بس آپ کا غلام ہوں۔

فضل ربیع کو اس بات کی تائید یا تردید کرنی ہوگی۔

فضل بن ربیع نے اعتراف کیا کہ ہاں اس نے ایسا کہا تھا۔

قاضی نے کہا فضل بن ربیع کا اپنے آپ کو غلام کہنا دو حال سے خالی نہیں۔ کہ وہ واقعتہً غلام ہے یا وہ واقعتہً غلام نہیں ہے۔

اے امیر المؤمنین اگر وہ واقعتہً آپ کا غلام ہے تو اس مقدمہ میں غلام کی گواہی قابل قبول نہیں۔ میں نے اسی لئے فضل بن ربیع کی گواہی خارج کر دی ہے۔ اور دوسری صورت اگر وہ واقعتہً آپ کا غلام نہیں تو اس نے غلام ہونے کا دعویٰ جھوٹا کیا ہے۔ یعنی فضل بن ربیع نے جھوٹ بولا ہے۔ لہٰذا وہ جھوٹا ہے۔ عدالت جھوٹے شخص کی گواہی قبول نہیں کرتی میں نے اسی وجہ سے ان کی گواہی خارج کر دی ہے۔

قاضی کی اس وضاحت پر ہارون الرشید اور فضل بن ربیع خاموش ہوگئے۔ یہ ہے اسلامی عدالت کا وقار اور اس کی صداقت جہاں اس ژرف نگاہی سے گواہوں کے کردار کو پرکھا جائے وہاں بھلا غلط فیصلے کیسے ہو سکیں گے۔ ہماری عدالتیں ایسی احتیاط سے محروم ہیں یا مہنگا انصاف ہے جس نے انصاف کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ عدالتوں میں اکثر گواہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

شہد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بار بیمار ہو گئے۔ بخار اور کھانسی کا عارضہ تھا۔ کسی نے شہد کھانے کا مشورہ دیا۔ مگر آپ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ تکلیف بڑھتی گئی اور آپ کمزور ہوتے گئے۔ اتنے کمزور کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مشکل ہونے لگا۔

ایک دن عصا ٹیکتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ معروف صحابہ کرام کو مسجد میں بلا بھیجا۔ آپ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہیں اپنی دائیں طرف بٹھالیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے وہ آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ کچھ اور صحابہ بھی تھے۔ سب اس فکر میں تھے۔ کہ خیر ہو کہ آپ کے جسم کی نکاہت تو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ نہ جانے کسی اہم مسئلے پر بات کرنی ہو۔

آپ نے بڑی نحیف آواز میں فرمایا۔ بھائیو! میں نے آپ کو اس لئے تکلیف دی ہے۔ کہ بہت پہلے میری بیماری کی حالت میں مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں شہد کھاؤں۔ مگر میں نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا۔ اب سوچتا ہوں اگر شہد کھالیتا تو شاید جلدی صحت یاب ہو جاتا۔

اب مجھے بطور دوا صرف تین تولہ شہد بیت المال سے لینے کی اجازت دیجئے۔ شاید میری صحت بحال ہو سکے۔

صحابہ کہنے لگے۔ اے امیر المومنین صرف تین تولہ شہد کے لئے اس قدر تکلیف! آپ بیت المال کے انچارج کی اجازت سے بھی لے سکتے تھے۔

فرمایا بھائیو! بیت المال نہ میرا ہے نہ اس کے انچارج کا۔ یہ سب مسلمانوں کے لئے ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے اس طرز عمل سے بے حد حیران ہوئے انہوں نے بخوشی شہد لینے کی اجازت دے دی۔

Marfat.com

آج سرکاری ملازم کچھ چیزوں کا نگران اور محافظ ہے۔ مگر آزادانہ ان کا استعمال کرتا ہے۔ سرکاری گاڑیاں اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرتا ہے۔ بجلی۔ گیس۔ ٹیلیفون کو استعمال کرنے میں اسے ذرا خیال نہیں آتا کہ یہ اس کا حق نہیں ہے۔ سرکاری فرنیچر اس کے گھروں کی زینت بن جاتا ہے۔ سٹیشنری تو اس کے بچے تک استعمال کرتے ہیں۔ کاش ان چیزوں کی حفاظت بحیثیت امانت دار ہم کرپائیں۔

تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین سیوطیؒ

Marfat.com

درخت

1541ء کی ایک ٹھنڈی شام کے دھندلکے میں اٹاوہ کے علاقہ میں ایک قتل ہو گیا۔ لاش اس رستے پر پڑی تھی جہاں سے اکثر لوگوں کا گزر رہتا تھا۔ جس نے بھی اس لاش کو دیکھا اس کا ذکر دوسرے لوگوں سے ضرور کیا۔

یہ لاش ایک بیوہ خاتون کے بیٹے کی تھی۔ جو اس وقت بیوہ ہوئی جب یہ پیدا ہوا تھا۔ ماں نے اس امید پر اپنی جوانی بڑھاپے کی حدوں میں داخل کر لی کہ بیٹا جوان ہو گا تو اس کے بڑھاپے کا سہارا بن جائے گا۔

مگر جن کی زندگی بے سہارا گزرنی ہوتی ہے ان کی امیدوں کے سہارے تو آئے دن ٹوٹتے رہتے ہیں۔

یہی حال اس بڑھیا کا ہوا۔ بچی تھی تو باپ مر گیا۔ 10 سال کی عمر میں ماں نے ساتھ چھوڑ دیا چچا نے 15 سال کی عمر میں اس کی شادی کی۔ ایک بیٹا پیدا ہوا کہ بیوہ ہو گئی۔ اس نے دوسری شادی نہ کی۔ محنت مزدوری کر کے بیٹے کو پالا پوسا مگر اف جب وہ جوان ہوا تو اسے قتل کر دیا گیا-- اسے قتل کس نے کیا؟ اس کی زندگی کی ڈوری کس نے کاٹی؟ اس کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا-- اس بڑھیا نے رو رو کر ہر ایک کے آگے فریاد کی کہ کوئی اسے اس کے بیٹے کا قاتل بتا دے تو وہ کھڑے کھڑے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ کر پی جائے اور اس کی ہڈیاں چبا جائے۔ وہ بیچاری تو بیٹے کے غم میں پاگل ہو کر پھرنے لگی۔

سرکاری اہل کار بھاگے دوڑے قاتلوں کا سراغ لگانے کی کوشش کی مگر ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

پھر آہستہ آہستہ چپ ہو گئی۔ چپ قاتلوں کی تلاش میں تھی۔ ادھر بڑھیا کی دن رات کی چیخیں شاید آسمان کے پردوں کو چیر رہی تھیں۔ یہ خبر چلتے چلتے وقت کے بادشاہ شیر شاہ سوری تک پہنچ گئی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ خبر لے کر وہ بڑھیا خود بادشاہ کے پاس گئی اور کچھ کہتے ہیں کہ

Marfat.com

ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر یہ خبر اس کے ایوانوں تک پہنچی۔ پہلی بات کی تصدیق اس طرح سے ہوتی ہے کہ شیر شاہ سوری نے اس بڑھیا کو قاتلوں کا پتہ چلانے تک اپنے ہاں مہمان رکھا۔

بہر حال شیر شاہ سوری کو اس بات کا دکھ ہوا کہ اس کے ملک میں ایک قتل ہو جائے اور اس کی خبر اس تک دیر سے پہنچے اور مزید یہ کہ قاتلوں کا سراغ تک نہ ملے۔

بادشاہ نے روپ بدلا، چہرے پر نقاب ڈالی۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور اٹاوہ میں اس جگہ پر چلا گیا جہاں قتل ہوا تھا۔ مقتول کی جائے قتل کے قریب ایک قبرستان تھا۔ اس نے گھوڑا ایک شاخ سے باندھا۔ کلہاڑا اس کے پاس تھا وہ آگے بڑھا اور ایک درخت کو کاٹنا شروع کر دیا۔ ابھی درخت پورا نہ کٹا تھا کہ گاؤں کے بعض معتبر اور چودھری آ گئے۔ انہوں نے درخت کاٹنے والے کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ کلہاڑے پر کلہاڑا چلائے جا رہا تھا۔ اس نے ان کی کسی بھی بات پر دھیان نہ دیا۔

جب وہ ذرا تیز ہو کر بولا تو بادشاہ نے جس کے چہرے پر نقاب تھی کہا۔

یہ قبرستان کے درخت ہیں۔ مجھے ایندھن کی ضرورت ہے آپ جائیں اپنا کام کریں۔ یہ درخت آپ کے نہیں ہیں اور اگر مجھے روکنا ہے تو جا کر کسی معتبر آدمی کو لے کر آؤ۔ میں تم جیسے معمولی لوگوں سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ وہ بولا ہم تو خود اس گاؤں کے سرکردہ لوگ ہیں۔ گاؤں کی کوئی بات ہمارے پوچھے بغیر نہیں ہوتی تم آوارہ قسم کے کون آدمی ہو جو ہمارے قبرستان کی بربادی پر تلے ہوئے ہیں۔

اب بادشاہ نے چہرے پر سے نقاب الٹ دی۔ کہا۔

اگر آپ گاؤں کے معتبر ہیں تو سنو! مجھے شیر شاہ سوری کہتے ہیں۔ میں شہنشاہ ہند ہوں۔ میں اس قتل کا پتہ لگانے آیا ہوں جو گزشتہ دنوں ہو گیا تھا۔ اگر گاؤں کی ہر بات آپ سے پوچھ کر ہوتی ہے تو قتل تم سے پوچھے بغیر کیسے ہو گیا۔ دوسرے درخت کے کٹنے کی خبر بڑی جلدی مل گئی مگر آدمی کی گردن کٹنے کی خبر تمہیں کیوں نہ مل سکی۔ میں اسے تسلیم کرنے کو قطعاً تیار نہیں ہوں۔ مجھے تین روز تک قاتل چاہیے۔ ورنہ تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔

ان معتبروں کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور تیسرے دن کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ قاتل شاہی دربار کے دروازے پر زنجیر و سلاسل میں جکڑے ہوئے حاضر تھے۔

عدل وانصاف کی اس پاسداری کی وجہ سے برصغیر کا ہر دیانت دار مورخ شیر شاہ سوری کا نام

Marfat.com

ادب سے لیتا ہے۔

قتل آج بھی ہوتے ہیں مگر قاتل کا پتہ نہیں لگ سکتا--

لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان قتل ہوئے ہیں نصف صدی بیت گئی۔ مگر قاتل شائد اب اپنی طبعی موت مر چکے ہوں قانون کے قدم اور انتظامیہ وعدلیہ کی آنکھ ان کا نہ پیچھا کر سکی نہ پکڑ سکی اور نہ ہی سزا دے سکی۔ یہ ملک کے ایک وزیر اعظم کا شاخسانہ ہے تو کسی بے سہارا خاتون کے بیٹے کے قتل کا پتہ کون کرے گا۔ کسی نو بیاہتا خاتون کے لٹنے والے سہاگ کا علم کسے ہو گا اور کسی بہن کے مارے جانے والے بھائی کے قاتل کو کون پکڑے گا۔ یقیناً اس کام میں کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ اگر کوئی ایسا کر دکھائے گا تو وہ شاید کوئی شیر شاہ سوری دوبارہ زندہ ہو کر آئے گا۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

قیدی

رومی فوجوں کے سپہ سالار ارمانوس نے خلاط شہر کے سارے مسلمانوں کو قیدی بنالیا۔ اب نہ جانے رومیوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا تھا۔ بہر حال خیر کی امید نہ تھی۔ کہ دوسرے دن سلجوقی فوجیں آ گئیں۔ اور ان مسلمانوں کو آزاد کروالیا۔ مگر خلاط پر برابر قبضہ رومیوں کا رہا۔

الپ ارسلاں جب آیا تو اس نے مصالحت کی کوشش کی۔ لیکن ارمانوس نے جواب دیا۔ کہ صلح تمہارے پایہ تخت پر پہنچ کر ہوگی۔ اس طرح جنگ ناگزیر ہوگئی۔

الپ ارسلاں جنگ نہیں چاہتا تھا۔ رومیوں کے مقابلے میں اس کی قوت کمزور تھی۔ بہت پریشان ہوا۔ امام ابو نصر محمد بن عبد الملک حنفی نے حوصلہ بڑھایا۔ کہا۔ قوت اس کی کمزور ہوتی ہے جس کا ساتھ خدا چھوڑ دے۔ تم دین اسلام کی حمائت میں لڑ رہے ہو۔ جس کی امداد اور غلبہ کا وعدہ اس نے کیا ہے۔

الپ ارسلاں رات بھر مسجد میں رہا۔ اگلے دن جمعہ تھا۔ الپ ارسلاں نے مجاہدین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ بے اختیار اس پر رقت طاری ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی نمازی بھی رونے لگے۔ اسی حالت میں سب نے بارگاہ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعا کی۔

پھر الپ ارسلاں نے خود گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر فوجوں کی قیادت سنبھالی۔ پندرہ ہزار سلجوقی فوجی رومیوں کی صفیں چیر کر گھس گئے۔ شدت کا معرکہ ہوا اور رومی جو لاکھوں کی تعداد میں تھے حوصلے ہار بیٹھے۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ انہیں شکست فاش ہوئی قیصر ارمانوس گرفتار ہو کر الپ ارسلاں کے حضور پیش کیا گیا۔

الپ ارسلاں نے پوچھا۔ میں نے تو مصالحت کی کوشش کی تھی مگر تم نے خود ہی اسے ٹھکرادیا۔

باوجود اس کے کہ ارمانوس قیدی کی حیثیت میں کھڑا تھا مگر اس کی رعونت ابھی تک اس کے ذہن میں موجود تھی کہنے لگا۔

میرے بارے میں آپ نے جو فیصلہ کرنا ہے وہ کرو نہ جھڑ کو نہ شرمندہ کرو۔ اپنے کام سے

Marfat.com

غرض رکھو۔

الپ ارسلاں نے پوچھا۔ ارمانوس اگر تم مجھے گرفتار کر لیتے تو میرے ساتھ تم کیا سلوک کرتے

ارمانوس نے کہا۔ بہت برا۔

اب بتاؤ تم مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو۔

ارمانوس نے کہا۔

1۔ تم مجھے قتل کر دو گے۔

2۔ یا میری تشہیر کرو گے۔

3۔ یا فدیہ لے کے چھوڑ دو گے جس کی مجھے توقع نہیں۔

الپ ارسلاں نے کہا ارمانوس تمہیں جس سلوک کی توقع نہیں میں وہی کروں گا میں تیسری صورت اختیار کر رہا ہوں۔ مسلمان کسی مجبور اور بے کس کو جان سے مار دینا اچھا نہیں سمجھتے۔

بلکہ مطیع کر کے اسے وہ سیدھی راہ دکھا دیتے ہیں جس کا تعین اللہ نے کیا ہے۔

ارمانوس کو پندرہ کروڑ فدیہ لے کر رہا کیا گیا۔ اور یہ شرط بھی طے پائی۔ کہ الپ ارسلاں کو جس وقت فوجی مدد کی ضرورت پیش آیا کرے گی ارمانوس مدد کرے گا۔ اور اس کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں ان سب کو رہا کر دے گا۔

ارمانوس کو رات کے قیام کے لئے شاہی خیمہ میں رہنے کا حکم دیا۔ پھر اگلے دن دس ہزار اشرفیاں زادِ راہ کے لئے دیں اور اس کے جو فوجی قیدی ہوئے تھے انہیں رہا کر کے خلعتیں دیں پھر عزت کے ساتھ انہیں روانہ کیا۔ ارمانوس اس شریفانہ سلوک سے بڑا متاثر ہوا۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ اور الپ ارسلاں ارمانوس کو جاتے ہوئے دیکھنے کو ٹھہر گیا۔ مگر قبل اس کے کہ ارمانوس اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو وہ پھر واپس آ گیا۔ اور دوبارہ اظہار اطاعت کیا۔ اور دس سال تک مطیع رہنے کے ایک تحریری معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔

اب اس کی حفاظت کے لئے سلطان نے اپنی فوج اس کے ساتھ کر دی۔ اور ایک فرسخ تک خود رخصت کرنے کے لئے گیا۔

اچھے اخلاق اور شریفانہ سلوک سے دلوں پر حکومت ہوتی ہے۔ ہمارے بیشتر اسلاف نے اس اصول کو اپنایا۔ اور جو اس اصول کے کاربند نہیں ہو سکے وہ خسارے میں رہے ہیں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

عدل وانصاف

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرہ لایحزنون کر
اقبال

Marfat.com

لبیک

تخت عراق پر بیٹھا حجاج بن یوسف معمول کے کام کر رہا تھا کہ اچانک کھڑا ہو گیا مشرق کی جانب منہ کیا اور بلند آواز سے پکارا۔ لبیک لبیک (ہم تمہاری مدد کو آ رہے ہیں ہم تمہاری مدد کو آ رہے ہیں) اس اچانک آواز پر سارے درباری حیران تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

پھر اس نے محمد بن قاسم کو بلایا جو سترہ سالہ خوبصورت جوان تھا یہ نوجوان حجاج بن یوسف کا بھتیجا اور داماد تھا۔

فرمایا! بیٹے میں تمہیں سندھ کے محاذ پر بھیج رہا ہوں۔ وہاں مسلمان بچے اور عورتیں مصیبت میں ہیں ان کی دستگیری کرو۔

اب چند امراء آگے بڑھے عرض کیا کیا ہم حاکم سے پوچھ سکتے ہیں کہ سندھ میں کیا معاملہ ہوا ہے کہ وہاں فوج کشی میں اچانک اتنی جلدی فرما رہے ہیں۔

حجاج نے کہا ہاں وہاں ایک مسلمان لڑکی مجھے پکار پکار کر مدد مانگ رہی ہے اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ ہم اس کی مدد کو جلد آ رہے ہیں۔

یہ بات تاریخی اعتبار سے یوں ہے کہ اس زمانے میں مسلمان تاجر خلیج فارس اور بحیرہ عرب کے راستے دور دور تک مال تجارت سے جاتے تھے۔ لہٰذا کچھ مسلمان تاجر مشرقی ملکوں میں آباد ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ لنکا سے ایک جہاز بصرہ جا رہا تھا۔ اس جہاز میں مال تجارت تحفے تحائف کے علاوہ وہ بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی تھے جن کے خاوند اور باپ لنکا میں فوت ہو گئے تھے۔

اس جہاز کو سندھ کے بحری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور مسافروں کو پکڑ کر لے گئے۔ ان قیدیوں میں سے ایک لڑکی پر دست درازی کی کوشش بھی کی گئی۔ وہ چلا چلا کر کہنے لگے۔

اے مسلمانو! کیا تم میں سے میرا کوئی بھی ایسا بھائی نہیں ہے جو میری عزت و عصمت کی حفاظت کر سکے۔

Marfat.com

سینکڑوں میل کی مسافت پر اس بے بس لڑکی کی آواز ہوا میں تحلیل نہیں ہوئی بلکہ امانت بن کر حجاج بن یوسف تک پہنچ گئی۔

حجاج بن یوسف نے راجہ داہر کو ایک خط لکھا کہ ڈاکوؤں کو سزا اور قیدیوں کو چھڑا کر یہاں بھیج دو۔ اور ان کا مال و اسباب بھی واپس کرو۔

راجہ داہر نے جواب میں کہا کہ میں ڈاکوؤں کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ اس پر حجاج بن یوسف نے خلیفہ سے اجازت لے کر محمد بن قاسم کو 6 ہزار کی فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا۔

نوجوان محمد بن قاسم نے سندھ پہنچتے ہی دیبل پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر عرب واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد متعدد لڑائیاں لڑیں اور آخر راجہ داہر کی ساٹھ ہزار کی فوج کو جس میں جنگی ہاتھی بھی تھے شکست فاش دی اور 20 جون 712ء کو راجہ داہر مارا گیا اور محمد بن قاسم پورے سندھ پر قابض ہو گیا اور پھر اس خوبی سے سندھ کا نظام حکومت چلایا کہ سندھ کے ہندو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور محمد بن قاسم کی فوج میں شامل ہو گئے۔

سندھ عراق سے سینکڑوں میل دور ہے۔ وہاں سے ایک لڑکی کی پکار پر مسلمانوں کی حمیت بیدار ہوئی اور بڑی جلدی اس لڑکی کی مدد کو پہنچ گئے مگر اف کشمیر، ہندوستان، بوسینیا اور چیچنیا میں ہزاروں مسلمان خواتین کی عزت لٹ رہی ہے وہ بھی اپنے بھائیوں کو پکار رہی ہیں مگر سب کانوں میں روئی ٹھونسے ہوئے ہیں۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

برابری

عرب اور شام کے درمیان میں ایک ریاست غسان نام کی آباد تھی جس کے حکمران بنو غسان چلے آرہے تھے۔اس سلطنت کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم غسانی تھا۔ یہ سلطنت قیصر روم کی باجگزار تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اسلامی فتوحات پھیلنے لگیں۔ تو 636ء بمطابق 15ھ میں یرموک کی جنگ میں مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ لڑنا پڑا جبلہ بن الایہم غسانی رومیوں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ دو لاکھ رومی لشکر کے سامنے مسلمانوں کی سپاہ صرف 36 ہزار تھی۔ مگر جو جذبہ مسلمانوں میں تھا وہ رومیوں میں نہ تھا۔ رومیوں کے مقدر میں شکست لکھی تھی وہ شکست سے دوچار ہوگئے۔ جبلہ نے جب رومیوں کے پاؤں اکھڑتے دیکھے تو اپنے ہاتھ بلند کر دیئے۔اور مسلمانوں سے صلح کر لی۔اور اسلام بھی قبول کر لیا۔

ریاست غسان اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئی۔ مسلمان ہونے کے بعد جبلہ بڑی جلدی مکہ میں آیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگا۔اس کے احرام کی چادر زمین پر گھسٹی جاتی تھی۔اس پر ایک بدو کا پاؤں آ گیا۔ پھر کیا تھا۔ جبلہ کی چادر کھل گئی۔

نو مسلم جبلہ ابھی اسلام کے قانونی مساوات سے واقف نہ تھا۔اس میں شاہی نخوت موجود تھی۔اس نے پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو ایک غریب بدو سر جھکائے کھڑا تھا۔ جبلہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک زناٹے دار طمانچہ اس کے گال پر دے مارا۔اس بے چارے کی ناک ٹیڑھی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ حیران تھا کہ اسے اس حرم پاک میں مارا گیا ہے جہاں جوں تک کو مارنا منع ہے۔اس نے طواف وہیں چھوڑا اور خانہ خدا سے باہر نکل گیا۔

اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حج کرنے کی غرض سے مکہ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ بدو کو ان کے آنے کا علم تھا۔ وہ سیدھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ وہ انصاف کا طالب ہے۔ اسے غسان کے نو مسلم بادشاہ نے حرم کعبہ میں طواف کے دوران مارا ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبلہ کو اپنی عدالت میں طلب کر لیا۔ جبلہ کا خیال تھا کہ وہ غسان کا بادشاہ ہے۔ عدالت میں اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق اس کی توقیر ہو گی۔ دوسرے اس کا یہ گمان بھی کہ اس نے مسلمان ہو کر مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔

مگر وہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچا تو اس کے کندھوں پر ایک اکڑی ہوئی گردن تھی۔ اس کا سر تکبر اور غرور کا سہارا لئے ہوئے تھا۔ وہ دیکھنے لگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے کسی مخصوص جگہ پر بٹھائیں گے مگر انہوں نے جبلہ کو اس بدو کے ساتھ کھڑا ہونے کو فرمایا۔

جبلہ نے کہا۔ اے امیر المومنین میں غسان کا بادشاہ ہوں آپ مجھے ایک غریب بدو کے برابر کھڑا کر رہے ہیں۔ یہ میرے ساتھ ناانصافی ہے۔

ظالم کا مظلوم کے ساتھ کھڑا ہونا ناانصافی نہیں ہے۔ اسلام ہم سے یہی تقاضا کرتا ہے کہ جرم ثابت ہونے سے پہلے مجرم اور مجروم ایک ہی کٹہرے میں کھڑے ہوں۔

یہ اسلام کیسا ہے؟ جس میں کسی تشخص کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ امیروں اور غریبوں کے لئے قانونی تفاوت ہونا چاہئے۔

نہیں اسلام نے ہمیں ایسے فرق کی اجازت نہیں دی۔

بہرحال جبلہ کو بدو کے ساتھ کھڑا ہونا پڑا۔ جب بیانات کی سماعت ہوئی تو جبلہ قصوروار ثابت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جبلہ! یا تو تم بدو سے معافی مانگو یا مقررہ سزا بھگتو۔

جبلہ نے سزا کا نام سنا تو کانپ گیا۔ اس نے تو بس سزائیں دینی ہی سیکھی تھیں۔ وہ خود سزا کے ذائقہ سے ناآشنا تھا۔

وہ پھر بولا۔ مگر اے امیر المومنین! میں ایک بادشاہ ہوں اور وہ ایک معمولی آدمی ہے۔ آپ میرے مقابلے میں اسے ترجیح دے رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جبلہ! تم دونوں مسلمان ہو۔ اسلام کی نظر میں سب مسلمان برابر ہیں اسلام اسے سزا دینے میں رعایت نہیں کرتا جو اس کی نگاہ میں مجرم ثابت ہو جائے۔ چونکہ تم جرم کے مرتکب پائے گئے ہو۔ لہذا سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر سزا سے گھبراتے ہو تو بدو سے معافی مانگ لو۔

مگر امیر المومنین! میں ایک بادشاہ ہو کر کیسے معافی مانگوں۔ یہ بات میری عزت اور وقار کے

Marfat.com

خلاف ہے۔ ایسا کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔

جبلہ کے گلے میں ہڈی پھنس چکی تھی۔ اسے دونوں باتیں پسند نہیں آ رہی تھیں۔

اب اس نے خلیفۃ المؤمنین کے آگے سر جھکا دیا۔ عرض کیا کہ سزا کل تک کے لئے موقوف رکھی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدو کی طرف دیکھا۔ فرمایا۔ کیا وہ کل تک سزا کو موقوف رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔

بدو نے اجازت دے دی۔ اس اجازت پر بدو کی درخواست منظور ہو گئی۔

جبلہ اپنی قیام گاہ پر چلا گیا۔ تو اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ اسے جو ایمان کی دولت نصیب ہوئی تھی۔ وہ اس کے مقدر میں نہ تھی۔ اس نے اس کی قدر نہ کی۔ وہ رات کے اندھیرے میں دروازہ کھول کر بھاگ گیا۔ اور قسطنطنیہ میں جا کر دوبارہ عیسائی ہو گیا۔

جبلہ کے لئے یہ بھی ایک سزا تھی۔ جو اس نے فوراً اپنے لئے تجویز کر لی۔

اے کاش! آج اگر اسلام کے قانون انصاف پر عمل کیا جائے اور جرم کے معاملہ میں شاہ و گدا برابر ہو جائیں تو اللہ کی زمین ناانصافیوں سے پاک ہو جائے۔ آج تو امراء کو تحفظ دینے کی فکر کی جاتی ہے۔

فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا
داستان عمل از منشی عبد الرحمٰن

Marfat.com

اخراج مقدمہ

خلیفہ معتضد باللہ نے خلافت سے پہلے کسی شخص سے قرض لیناتھا۔ مگر نہ لے سکا۔ وہ جب بھی اپنے مقروض سے تقاضا کرتا وہ کوئی بہانا بنا کر اسے ٹال دیتا تھا۔ آخر معتضد باللہ خلیفہ بن گیا۔ اب اس نے خود ہی تقاضا کرنا چھوڑ دیا کہ حاکم وقت کو مناسب نہیں کہ تقاضائے رقم کے لئے اس کے گھر میں جائے۔

مگر مقروض نے جب دیکھا کہ خلیفہ وقت بھی مجھ سے قرض کی واپسی کا تقاضا چھوڑ گیا ہے تو دوسرے لوگ کیا حیثیت رکھتے ہیں اس نے اور بھی بہت سے لوگوں سے قرض لے لیا۔ اور ان سے بھی وہی روش اختیار کی جو معتقد باللہ سے روا رکھی تھی۔

آخر ان قرض خواہوں نے قاضی ابو حازم کی عدالت میں دعوے کر دیئے۔ قاضی ابو حازم نے اس شخص کو عدالت میں طلب کر لیا۔ اس پر جرح وقدح کی تو واضح ہو گیا کہ اس نے واقعی قرض لیا ہوا ہے۔ قاضی نے اس کے خلاف ڈگریاں کر دیں۔ اب وہ شخص اس قدر مجبور ہوا کہ اسے ان لوگوں کا روپیہ دینا ہی پڑا۔

قاضی ابو حازم کا یہ پہلا فیصلہ تھا۔ لوگ خوش ہو گئے قاضی کی درازی عمر کے لئے دعائیں کرنے لگے۔ کچھ اور لوگ بھی اس مقروض کے قرض خواہ تھے جو مانگ کے خاموش ہو گئے تھے۔ اور عدالت میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے قاضی کی انصاف پسندی کو دیکھا تو انہوں نے بھی دعوے دائر کر دیئے۔ بالاخر انہیں بھی ان کا حق مل گیا۔

اب خلیفہ معتضد باللہ کو بھی اپنا قرض یاد آ گیا۔ اس نے بھی قاضی کو کہلا بھیجا کہ میں نے بھی اس شخص سے قرض لینا ہے۔ قاضی نے اس کے جواب میں لکھا کہ مدعی بن کے عدالت میں آیئے۔ اور گواہ پیش کیجئے۔ گواہوں کے بغیر آپ کا دعویٰ کیسے درست تسلیم کر لوں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں فرضی گواہوں سے کام نہیں بنے گا۔ میں جانتا ہوں آپ حاکم وقت ہیں آپ کے لئے گواہ پیش کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ آپ جو گواہ پیش کریں گے۔ مجھے ان پر جرح وقدح کرنا ہو گی۔ اور یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ وہ شرعی لحاظ سے قابل گواہی اور قابل اعتبار بھی ہیں۔ یا نہیں۔ اگر وہ اس کے اہل نہ ہوئے تو ان کی گواہی جھوٹی قرار دی جا سکتی ہے۔ اس کے باوجود اگر انہوں نے عدالت میں

Marfat.com

جھوٹ بولا تو جھوٹ کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

خلیفہ نے دو معزز اشخاص کے نام بطور گواہ پیش کر دیئے۔ اور خود ایک مدعی کی حیثیت سے آیا۔ قاضی نے کہا یہ دونوں شخص امیر المومنین کے لئے معزز ہو سکتے ہیں مگر ان پر جرح و قدح کئے بغیر گواہی نہیں لوں گا۔

خلیفہ نے کہا قاضی صاحب! آپ جانتے ہیں یہ قضا کا عہدہ پہلے میرے پاس تھا۔ ہم نے آپ کو یہ اعزاز بخشا مگر اس کے جواب میں آپ ہمیں ہی آنکھیں دکھانے لگے ہیں۔

قاضی نے کہا میں جانتا ہوں یہ عہدہ آپ کے پاس تھا۔ مگر آپ کے فیصلوں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ اب مجھے اللہ نے اس عہدے پر فائز کیا ہے۔ اب میرے غلط فیصلوں پر گرفت مجھ پر ہو گی۔

ابو حازم کو معلوم ہونا چاہئے میرے حق میں فیصلہ غلط نہیں ہو گا۔ میں نے واقعتاً اس شخص سے پیسے لینے ہیں۔

میں آپ کی بات درست تسلیم کرتا ہوں۔ مگر گواہوں کی گواہی کے بغیر میں کچھ بھی کہنے سے عاجز ہوں۔

یہ ایک عجیب منظر تھا خلیفہ وقت اپنے ہی قاضی کی عدالت میں بے بس ہو کے کھڑا تھا اس کی بات کو درست تسلیم نہیں کیا جا رہا تھا۔ عدالت کی کاروائی کسی بند کمرے میں نہیں ہو رہی تھی۔ لمحے لمحے کی خبریں لوگوں تک پہنچ رہی تھیں۔ آخر خلیفہ نے اپنے گواہوں کو بلا بھیجا۔ مگر گواہ پیش نہیں ہوئے۔ وہ شرعی لحاظ سے گواہی دینے کے اہل نہیں تھے۔ وہ بادشاہ کو خوش کرنے کے زعم میں عدالت کی قدغن نہیں لگوانا چاہتے تھے۔

خلیفہ وقت گواہوں کی آمد کا منتظر تھا۔ وہ گردن جھکائے کھڑا تھا۔ مگر جب گواہ پیش نہیں ہوئے تو قاضی نے امیر المومنین کا دعویٰ خارج کر دیا اور خلیفہ کو ہدایت کی کہ آئندہ ایسے مقدمات نہ لائے جائیں جن سے عدالت کا وقت ضائع ہو۔ خلیفہ محروم امیدوں کے ساتھ واپس آ گیا۔ اصولوں کے سامنے سر بخم تھا۔

ایک وقت تھا کہ اسلام کے نظام عدل میں حاکم اور محکوم اور راعی اور رعایا میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اسلامی عدالت میں سب ایک عام شخص سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ ایک ہی صف میں محمود و ایاز کو کھڑا کرنے والے نظام حیات کی امید ابھی تک امید بنی ہوئی ہے۔ داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

دوستی

موسیٰ بن اعین کہتے ہیں کہ وہ کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بکریوں کی نگرانی عموماً تین اعتبار سے کی جاتی تھی۔ کہ یہ کسی کے کھیت کا نقصان نہ کریں۔ کہیں اپنے ریوڑ سے الگ نہ ہو جائیں۔ انہیں کوئی چور لٹیرا اٹھا کر نہ لے جائے۔ لیکن کرمان کے اس جنگل میں گڈریئے کو بھیڑیوں سے بھی اپنی بکریوں کو بچانا ہوتا تھا۔ بھیڑیئے اس جنگل میں عام تھے۔ یہ درندہ قسم کا جانور نہ صرف بھیڑ بکریوں کو چیر پھاڑ کر جاتا بلکہ گڈریے پر بھی حملہ آور ہو جاتا تھا۔

ایک دن بڑا عجیب واقعہ ہوا کہ ایک بھیڑیا جنگل سے آہستہ قدموں کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں یہ مجھے ہی شکار نہ کرلے۔ میں جلدی سے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اور بکریوں کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ مگر بھیڑیئے نے نہ مجھے کچھ کہا اور نہ ہی بکریوں پر حملہ آور ہوا۔ بلکہ ان کے ساتھ گھاس کھانے لگا۔ پھر روزانہ ان بھیڑیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ یہ بھیڑیئے بالکل کمزور بکریوں کی طرح میرے ریوڑ میں پھرتے رہتے بلکہ ہم انسانوں کو بھی کچھ نہ کہتے۔

اس طرح اڑھائی سال گزر گئے۔ بھیڑیئے بالکل شریف جانوروں کی طرح بکریوں کے ساتھی بنے رہے۔ کہ اچانک ایک دن بھیڑیا ایک بکری کو اٹھا کر بھاگ نکلا۔ میں بڑا حیران تھا کہ ان کی پرانی درندگی کیسے عود کر آئی۔ بہر حال جب شام کو گھر پہنچا۔ تو پتہ چلا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ انتقال کر گئے ہیں۔ لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے کتنے سال حکومت کی۔ وہ کہنے لگے سوا دو سال یا اڑھائی سال تک۔

تب یہ راز مجھ پر آشکار ہوا۔ کہ نیک اور عادل بادشاہ سے جنگل کے درندے بھی ڈرا کرتے ہیں۔

آج اکثر حکمران اپنے عدل وانصاف کی پالیسی کا اظہار اخبارات ورسائل اور ریڈیو ٹیلیویژن پر کرتے ہیں۔ مگر چوریاں۔ ڈاکے۔ ڈکیتیاں۔ اور قتل وغارت گری اور رشوتیں۔ سفارشیں۔ جوں کی توں رہتی ہیں۔ خیال یہ ہے کہ اگر یہ برائیاں کسی ملک میں باقی ہیں تو سمجھ لیا جائے گا کہ حاکم وقت میں انصاف پسندی۔ اور عدل پسندی نہیں ہے۔ اچھے اور عادل حکمرانوں میں تو حیوان بھی اپنی درندگی سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمادے۔

سیرت عمر بن عبدالعزیز از عبدالسلام ندوی

Marfat.com

خصوصی عدالت

نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کے قیام دمشق کے زمانہ میں اس کے بہت سے امراء بھی دمشق میں آباد ہو گئے تھے۔ چونکہ ان کے پاس وافر دولت تھی لہٰذا انہوں نے بہت سی جائدادیں خرید لیں۔ اس خرید و فروخت میں بعض لوگوں نے ایسی جائدادیں بھی بیچ دیں جو ان کی اپنی نہ تھیں۔ یہ جائدادیں بعض بیوہ عورتوں کی تھیں یا غریب لوگوں کی جن پر بدمعاش قسم کے لوگوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔

جب نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے لوگوں کو انصاف ملنے لگا۔ تو قاضی کمال الدین کی عدالت میں استغاثوں اور دعووں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

قاضی کمال الدین فیصلہ کرنے میں امراء کی تو کوئی رعایت نہ کرتا تھا۔ اور ان کے مقابلہ میں بے لاگ انصاف کرتا تھا۔ لیکن امیر الامراء اسدالدین شیر کوہ کے جاہ و اقتدار کی وجہ سے اس کے خلاف کاروائی میں انہیں دشواری پیش آئی تھی۔ اس سے انصاف کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور دوسرے اسدالدین شیر کوہ انہیں دھمکاتا بھی تھا۔

آخر قاضی صاحب نے نورالدین کے ہاں اس بات کی شکایت کی مزید کہا اگر اسدالدین کی من مانی کے فیصلے ہونے لگیں گے تو انصاف کا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ سلطان نورالدین کے عہد کی بدنامی کی تاریخ مرتب ہو گی۔ میں یہ تو کر سکتا ہوں کہ اپنی اس مجبوری کے باعث استعفیٰ دے دوں مگر من مانی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور نورالدین کے عہد کی تاریخ میں بے انصافیوں کا الگ باب قائم ہو گا۔

نورالدین نے اس شکایت پر دارالعدل کے نام سے ایک خاص عدالت قائم کی اور اس میں خود بیٹھتا تھا۔

اب عدالت میں ایسے استغاثے جن کے انصاف میں قاضی کمال الدین کو دقت یا دشواری پیش آتی انہیں دارالعدل میں بھیج دیا جاتا۔ اسدالدین کو معلوم ہو گیا کہ یہ اہتمام صرف اس کی

Marfat.com

وجہ سے کیا گیا ہے۔اب اس نے اپنے تمام ماتحت امراء کو بلا کر ان سے کہا کہ میرے علاوہ قاضی کمال الدین کو اور کسی امیر سے کوئی مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے۔یہ عدالت صرف میری وجہ سے قائم ہوئی ہے۔اب یاد رکھو اگر تم میں سے کسی کے باعث مجھے عدالت میں حاضر ہونا پڑا تو اسے میں سولی پر چڑھا دوں گا۔ جن جن لوگوں سے تمہارے تنازعات ہیں ابھی جا کر ان کا فیصلہ کر لو۔ اور جس قیمت پر بھی ہو سکے مدعیوں کو رضامند کرو۔ خواہ اس میں میری کل املاک میرے ہاتھ سے نکل جائیں۔

امراء نے کہا اگر ان لوگوں کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ مطالبہ میں بڑی زیادتی کریں گے۔

اسد الدین نے کہا کچھ بھی ہو میری کل املاک کا ہاتھ سے نکل جانا میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ نور الدین مجھ کو ظالم سمجھے اور زمرہ عوام میں شامل کرے۔

اس حکم پر تمام امراء کو اپنے اپنے فریق کو رضامند کرنا پڑا اور دار العدل میں ان کے خلاف ایک مقدمہ بھی پیش نہ ہو سکا دو تین دن عدالت میں بیٹھنے کے بعد نور الدین نے قاضی کمال الدین سے کہا کہ اسد الدین کے خلاف مدعی نظر نہیں آتے۔اس وقت قاضی کمال الدین نے پورا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر نور الدین سجدہ شکر بجا لایا اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے ساتھی خود انصاف کر لیتے ہیں۔اور اس کے لیے ان کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

آج بھی بعض لوگوں کے لیے خصوصی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ مگر نتائج حوصلہ افزاء بر آمد نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہوتی ہے کہ ان خصوصی عدالتوں کے ارباب اختیار کا تعلق بھی ان لوگوں سے ہوتا ہے۔ جو مسائل پیدا کیا کرتے ہیں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

قطعہ اراضی

شریعت اسلامیہ میں کوئی وقف زمین خریدی نہیں جاسکتی۔ مگر خلیفہ مقتدر باللہ کی ماں کو ایک قطعہ اراضی پسند آگیا۔ جو موقوفہ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ یہ زمین خرید لے۔ اس نے اس کے لیے یہ طریقہ سوچا کہ اس کے وقف کی دستاویز جو قاضی ابو جعفر کے پاس محفوظ تھی لے کر اسے تلف کردے۔ چنانچہ خلیفہ کی والدہ نے قاضی صاحب کو اپنے گھر میں طلب کیا۔

قاضی صاحب نے پیغام لانے والے سے کہا کہ سیدہ سے کہیں اگر تو قضاہ کے متعلق کام ہے تو انہیں میری عدالت میں آنا ہوگا۔ اور اگر کوئی کام اس نوعیت کا نہیں تو مجھے عدالت کے وقت کے بعد آنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔

سیدہ (والدہ خلیفہ مقتدر باللہ) نے جواباً کہلا بھیجا۔ نہیں آپ چلے آئیں۔ آپ سے کوئی مشورہ کرنا ہے۔

قاضی ابوالجعفر والدہ خلیفہ کے ہاں حاضر ہوا۔ تو بات ایسی نکلی۔ سیدہ نے کہا۔ کہ فلاں قطعہ اراضی کو میں خریدنا چاہتی ہوں۔ اس کے وقف کے کاغذات ضائع کردو۔ تاکہ مجھے اس کے خریدنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ اس کام میں آپ جو چاہیں میں خدمت کرنے کو تیار ہوں۔

قاضی ابوالجعفر کہنے لگا۔ اللہ آپ کو عزت دے۔ میں مسلمانوں کے کاغذات کا امین ہوں۔ میں نے یہ عہدہ آپ سے مانگ کر نہیں لیا۔ آپ نے مجھے اس کا اہل سمجھا تو مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ مجھے جس خلوص اور دیانت داری سے کام کرنا ہے۔ آپ اس کی راہ میں روڑے اٹکار ہی ہیں۔ انصاف اور عدل کے جو تقاضے ہیں اس کے مطابق مجھے کام کرنے دیں۔ یا میں استعفیٰ دے دیتا ہوں۔ آپ اپنی مرضی کا کوئی اور آدمی رکھ لیں۔ پھر اس سے آپ جو چاہیں کروائیں۔ جب تک میں اس عہدے پر فائز ہوں یا موجود ہوں۔ کسی قیمت پر یہ بددیانتی نہیں کروں گا۔ اور نہ کرنے دوں گا۔ اس کے لئے خواہ میری گردن کیوں نہ کاٹ دی جائے۔ اور میں یہ بھی آپ کو بتادوں اگر آپ جیسے اقتدار والوں نے ایک دفعہ ایسے کاموں کا رستہ کھول دیا تو پھر اسے کوئی بھی

Marfat.com

بند نہ کر سکے گا۔

قاضی ابو جعفر یہ بات کہہ کے محل سے باہر نکل گیا۔

قاضی کا یہ رویہ سیدہ کو پسند نہیں آیا۔ اس نے اس کی شکایت اپنے بیٹے خلیفہ وقت مقتدر باللہ سے کی۔ کہ اس قاضی نے میرے ساتھ شائستہ گفتگو نہیں کی۔ میں آپ سے کہتی ہوں کہ ایسے قاضیوں کو شام سے پہلے فارغ کر دیا جائے۔ جنہیں خلیفہ کی ماں کا احترام کرنا بھی نہیں آتا۔

خلیفہ یہ بات سن کر غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے فوراً قاضی کو اپنے پاس طلب کیا۔ اور حقیقت حال دریافت کی۔

قاضی ابو جعفر نے بے کم و کاست سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اور خلیفہ سے کہا اگر میرا رویہ آپ کو ناپسند ہے تو میرا استعفیٰ قبول فرمایا جائے۔

تھوڑی دیر کے لیے مقتدر باللہ سکتے میں آ گیا۔ پھر اس نے قاضی ابو جعفر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور کہا۔ ابو جعفر بے شک تمہارے ہی جیسے لوگ عہدہ قضاہ کے قابل ہیں۔ سن لو! اگر کسی وقت میرے خلاف بھی تمہیں فیصلہ کرنا پڑے تو بے دھڑک کرنا۔ یہ تمہارا فرض ہے۔ اقتدار کے نشہ والوں کو عدلیہ ہی لگام دے سکتی ہے۔ اور ایک اسلامی مملکت میں عدلیہ آزاد اور خود مختار ہوتی ہے۔

آج ہر ملک کی عدلیہ اقتدار کے ماتحت ہے۔ اور اس کے فیصلے اس اقتدار کے اشاروں پر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بے چینیاں بڑھ گئی ہیں۔ جن کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا وہ چیختے چلاتے رہ جاتے ہیں۔ اقتدار کی قوت کو تو عدلیہ کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمٰن خان

Marfat.com

جزیہ

اسلام کے عادلانہ نظام میں یہ ایک خاص بات ہے کہ جب وہ کسی ملک یا شہر کو فتح کر لیتا ہے تو وہاں کی غیر مسلم آبادی کو پورا تحفظ دیتا ہے ان کی جان و مال اور عقیدہ و ایمان کی حفاظت کرنے میں جزیہ وصول کرتا ہے جس کی مقدار زیادہ نہیں ہوتی۔ جزیہ ادا کرنے والے ذمی کہلاتے ہیں جو ذمی بن جائیں وہ اپنے گھروں میں محفوظ رہیں گے۔ نہ انہیں لڑنا ہوگا اور نہ ان پر حفاظت کے سلسلے میں کسی قسم کی ذمہ داری ہوگی۔ اسلامی لشکر ہی ان کی حفاظت کا فریضہ انجام دے گا۔

لشکر اسلام پر ایک ایسا دور بھی آیا کہ یہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ ریگ زار عرب کے بادیہ نشینوں کا سیل رواں کہیں تھمتا ہی نہیں تھا۔ دمشق پر وہ قابض ہو گئے۔ حمص اور شام کے کئی بڑے بڑے شہر روند ڈالے اور پھر ان پر اسلامی پرچم لہرانے لگے۔ مگر مسلمان فاتحین نے کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان نہ پہنچایا۔ صرف انہی سے نبرد آزما ہوئے جو ان سے لڑنے کے لئے میدان میں آئے تھے۔

اب غیر مسلم جزیہ دے کر آرام سے رہنے لگے۔ ان لوگوں کو جزیہ ادا کئے ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اسلامی لشکر کو یہ اطلاع ملی کہ ہرقل روم نے ایک لشکر جرار تیار کیا ہے اور مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن معرکے میں اتارنے والا ہے۔

دارالخلافہ مدینہ پاک کو مطلع کیا گیا تو وہاں سے حکم آیا کہ شام کے اکثر مفتوحہ علاقے خالی کر دیئے جائیں اور سارا اسلامی لشکر ایک مقام پر اکٹھے ہو کر ہرقل روم کی تیار کردہ بھاری فوجی طاقت کا مقابلہ کرے۔

جونہی یہ حکم سپہ سالار کو ملا اسلامی لشکر نے مفتوحہ علاقے یعنی دمشق اور حمص وغیرہ کو خالی کرنا شروع کر دیا۔

ان علاقوں کے غیر مسلم ایک سال کا جزیہ ادا کر چکے تھے۔ اسلامی نظام کے مطابق ان کی حفاظت ان کے ذمے تھی۔ مگر اس حفاظت کے لئے وہ کوئی سپاہی بھی یہاں نہیں رکھ سکتے

Marfat.com

تھے۔ کیونکہ ہرقل روم کی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے انہیں زیادہ سے زیادہ فوجیوں کی ضرورت تھی۔

چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمص کے باشندوں کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق کے ذمیوں کو اور دوسرے شہروں کے کمانڈروں نے اپنے اپنے مفتوحہ علاقوں کے شہریوں کو جمع کر کے فرمایا۔

ہم نے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا آپ نے اصول کے مطابق جزیہ ادا کیا۔ مگر چونکہ ہم ایک بڑی قوت سے لڑنے جا رہے ہیں اور یہاں ہمارا ایک بھی سپاہی نہ رہ سکے گا۔ جس کے باعث آپ لوگوں کی حفاظت اس انداز سے نہ ہو سکے گی جیسی حفاظت کرنا ہمارا فرض بنتا ہے اور بیرونی کسی بھی حملہ آور سے بچاؤ نہ کر سکیں گے۔ اس لئے آپ کے جزیہ کی یہ رقوم آپ کو واپس کر رہے ہیں۔ انہیں آپ اٹھالیں۔

ان علاقوں کے عیسائیوں اور یہودیوں نے اس بات کا جو جواب دیا وہ آج بھی تاریخ کے حافظے میں محفوظ ہے۔ انہوں نے کہا۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو رومیوں کے مقابلہ میں فتح یاب کرے۔ اور یہاں دوبارہ لوٹائے۔ آپ کی حکومت اور عدل نے ہمیں گرویدہ بنا دیا ہے۔ کیونکہ رومی اگرچہ ہمارے ہم مذہب ہیں۔ مگر ہم نے ان کی زیر حکومت بھی رہ کے دیکھا ہوا ہے۔ ان کے جور و ظلم کے بڑے تلخ تجربات ہمیں ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم اگر تمہاری جگہ آج وہ لوگ ہوتے تو وہ ہم سے لئے ہوئے اموال میں سے ایک کوڑی بھی نہ لوٹاتے۔ بلکہ اپنے ساتھ وہ تمام چیزیں اٹھا کر لے جاتے جنہیں وہ اٹھا سکتے تھے۔

آج کی حکومتیں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ بھی ایسا کرنے سے قاصر ہیں جو ان کا حق بنتا ہے۔ قتل ہو جائے تو قاتل تک ان کی رسائی نہیں ہے۔ ڈاکے یا چوری کی واردات ہو جائے تو صرف رپورٹ درج کرنے تک کام محدود ہوتا ہے۔ کوئی جھگڑا یا اغوا ہو جائے تو شائد انہیں بھی تحفظ کی ضمانت نہ مل سکے۔ آج کے حالات بتا رہے ہیں کہ سینکڑوں لوگوں نے قومی دولت کو قرضوں کی صورت میں لیا ہے مگر ڈکار مار گئے ہیں۔ ہر دور کی حکومتیں ایسے لوگوں کے ناموں کو اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر خوب اچھالتے ہیں مگر پھر چپ ہو جاتی ہے۔ نہ جانے اس چپ میں کیا کیا مصلحتیں ہوتی ہیں۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

فیصلہ

بصرہ کا ایک سوداگر اپنا مال تجارت لے کر کہیں دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا۔ بصرہ میں اس کا ایک قطعہ اراضی تھا۔ جو شہر کے کاروباری مرکز کے بڑا قریب تھا۔ اسی اعتبار سے اس کی مالیت اور اہمیت بہت زیادہ تھی۔ عباسی خلیفہ المنصور کا ایک سائیں بڑا بااثر تھا۔ اس نے یہ قطعہ اراضی دیکھا تو اس کے منہ سے رال ٹپکنے لگی پہلے اس نے خیال کیا کہ اس قطعہ کو اونے پونے داموں سے خرید لے۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ سوداگر (مالک قطعہ اراضی) کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ تو اس نے ویسے ہی اس پر قبضہ کر لیا۔

جب سوداگر واپس آیا تو وہ سائیس اس قطعہ اراضی پر تعمیر کھڑی کر رہا تھا۔ وہ آیا اور سائیس کے کارندوں کو اس قطعہ اراضی پر کام کرنے سے رک جانے کو کہا۔ مگر سائیس نے برابر کام کرتے رہنے کی ہدایت کی۔ مزید یہ کہ سوداگر کو دھمکیاں بھی دیں اور دوڑا بھی دیا۔

سوداگر قاضی وقت سوار بن عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سائیس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی کی عدالت میں سماعت شروع ہوئی۔ تو سوداگر کے دلائل زیادہ قوی اور مضبوط تھے۔

سائیس نے جب یہ صورت حال دیکھی تو گھبرا سا گیا۔ اسے فکر لاحق ہو گئی۔ کہ ایک تو قطعہ اراضی ہاتھ سے نکل جائے گا دوسرے بدنامی بہت زیادہ ہو گی۔ وہ بھاگا بھاگا بغداد میں گیا اور خلیفہ المنصور سے ملتجی ہوا۔

حضور! میں آپ کا نمک خوار ہوں۔ میرے ایک قطعہ اراضی کا کیس بصریٰ کے قاضی سوار بن عبداللہ کی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی سوار بن عبداللہ فیصلہ سوداگر کے حق میں دے دیں گے۔ آپ میری سفارش فرمائیں۔ کہ فیصلہ میرے حق میں ہو۔ آپ کے ہوتے ہوئے اگر آپ کے خدمت گار کا فیصلہ اس کے خلاف ہو گیا۔ تو حضور ہم دونوں کی بدنامی ہو گی۔

اس گفتگو کے بعد خلیفہ المنصور نے قاضی بصرہ سوار بن عبداللہ کو ایک شاہی فرمان لکھا۔ کہ

Marfat.com

سائیس اور سوداگر کے مقدمہ میں آپ سائیس کے حق میں فیصلہ کریں۔

یہ فرمان جونہی قاضی کے ہاں پہنچا تو بیچارہ سکتے میں آ گیا۔ اس کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ فریقین کے بیانات سے بالکل عیاں تھا کہ سوداگر کا موقف مبنی بر صداقت ہے۔ سائیس بالکل جھوٹا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ خلیفہ نے بغیر سوچے سمجھے یہ فرمان کیوں جاری کر دیا ہے۔ انصاف کا گلا میرے ہاتھ سے کیوں کٹوایا جا رہا ہے۔ خود اس کی سماعت کریں اور خود یہ فیصلہ کر لیں۔ میں خلیفہ کے کہنے پر غلط فیصلہ کر کے نہ صرف حقوق العباد کا غاصب بنوں گا بلکہ حقوق اللہ میں بھی بددیانت گردانا جاؤں گا۔ اس سے تو قاضی کا منصب بدنام ہو گا۔ آنے والے قاضیوں کے لیے ایک غلط روش کی بنیاد میرے ہاتھوں سے رکھی جائے گی۔ اور پھر قیامت تک اس غلط روش پر چلنے والوں کے گناہ میں میں شریک رہوں گا۔ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔

یہ ٹھیک ہے وقتی طور پر بادشاہ کی خواہش کے مطابق فیصلہ کر کے اس کی نظروں میں شاید اچھا بن جاؤں۔ اور شاید مجھے اس سے بہتر عہدہ بھی مل جائے۔ مگر خدا کے دربار میں جو رسوائی ہو گی اور سزا سنائی جائے گی۔ وہ مجھے ہی جھیلنی ہو گی۔

قاضی نے ٹھنڈے پانی کا ایک پیالہ منہ سے لگایا۔ اور ہر ایک گھونٹ پر غور و فکر کرتا رہا۔ پیالے کا پانی ختم ہوا تو زمین پر سر رکھا۔ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا مانگی۔ حوصلے۔ ہمت اور جرات کی التجا کی۔ پھر اس فرمان شاہی کی پشت پر لکھا کہ

میرے پاس جو گواہ گزرے ہیں ان سے تاجر کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے اس لیے میں واضح اور سچی شہادت کے خلاف کیسے فیصلہ کر سکتا ہوں۔

یہ تحریر قاصد کے حوالے کی اور اپنے عبادت کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ پھر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ بار الٰہا! اس مشکل وقت میں اپنے عاجز بندے کی مدد فرما عہدہ قضاء کی حفاظت فرما۔ اگر یہ عہدہ حکمرانوں کی مرضی اور خواہش کے تابع ہو گیا۔ تو تیرے سارے بندوں کے حقوق غصب ہوتے رہیں گے۔ ناانصافی عام ہو جائے گی۔ اور تیری زمین خون ریزیوں سے بھر جائے گی۔

دو تین دن کے بعد دوسرا فرمان شاہی آیا کہ

واللہ تمہیں سائیس کے حق میں ہی فیصلہ کرنا ہو گا

آج قاضی کا دل پہلے کی نسبت زیادہ مضبوط تھا۔ اسے خدا کی نصرت عطا ہو چکی تھی۔ اس کی

Marfat.com

قوت ارادی زیادہ قوی دکھائی دیتی تھی۔ اس نے یہ فرمان پڑھا اور فوراً لکھ دیا۔ کہ خلیفہ وقت کو معلوم ہونا چاہیے کہ مقدمہ میرے ہاں زیر سماعت ہے۔ مقدمے کی نوعیت میں آپ کی نسبت زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ گواہوں کے بیانات مجھ پر خوب واضح ہو چکے ہیں کہ کون حق پر ہے اور کون باطل کا سہارا اتلاش کر رہا ہے۔ میں اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ کا سائیس جھوٹا ہے۔ سوداگر سچا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میرا جواب جب آپ تک پہنچے گا میں اس مقدمہ کا فیصلہ سنا چکا ہوں گا اور اس کے بعد میں میرا قلم وہ استعفیٰ لکھنے میں مصروف ہو جائے گا جو شاید آپ کے تیسرے فرمان کے جواب میں آپ کو مل سکے۔

واقعتہً قاضی سوار بن عبداللہ نے ایسا ہی کیا۔ فیصلہ سوداگر کے حق میں فرماتے ہوئے کہا کہ پلاٹ سوداگر ہی کا ہے۔ اسے اس کا حق دیا جاتا ہے علاوہ ازیں شاہی کارندے اس کا قبضہ سوداگر کو دلوانے کے لیے بھیجے جا رہے ہیں۔ اور سائیس نے جو ناجائز وقت عدالت کا ضائع کیا ہے اس کے گیے 10 ہزار درہم بطور جرمانہ آج شام سے پہلے جمع کروائے۔ مزید پانچ ہزار درہم سوداگر کو اس کی پریشانی اور وقت کے زیاں کے ضمن میں ادا کرے۔ اگر سوداگر پانچ ہزار درہم معاف کر دے تو عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

لوگوں نے جونہی یہ فیصلہ سنا تو خوش ہو گئے۔ انصاف زندہ باد کا نعرہ بلند ہوا۔ اور لوگ اپنے گھروں میں جانے لگے۔ قاضی نے اس نعرے کو پسند نہیں کیا۔

ادھر جب قاضی بصرہ کا آخری جواب خلیفہ کی خدمت میں پہنچا تو اگرچہ قاضی کا فیصلہ اس کی خواہش کے خلاف تھا مگر۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں کھیل رہی تھیں۔ شاہی امراء و وزراء سے کہا کہ

لوگو! سن لو۔ قاضی بصرہ نے میری مخالفت کر کے اللہ کی زمین کو انصاف اور عدل سے بھر دیا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اللہ نے مجھے ایسے قاضی دیئے ہیں جو انصاف اور عدل کی راہ میں حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

آج جو معاشرتی ناہمواریاں ہمیں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ محض اس لیے ہیں کہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے والے حکام وقت کے اشارات چشم کے منتظر رہتے ہیں۔ یا رائج الوقت سکوں کی کھنکھناہٹ انہیں مسحور کر دیتی ہے۔ یا ترقی درجات کا لالچ ان کے قلم کی حرکت کو تابع کر لیتا ہے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

انصاف کا تقاضا

شہزادہ سعود کوئی معمولی شہزادہ نہ تھا۔ بلکہ سلطان محمود غزنوی کا بیٹا تھا۔ جس کے متعلق امید کی جارہی تھی کہ وہ باپ کے بعد تخت حکومت پر متمکن ہو گا۔ لہٰذا تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی اس کا حکم حکمرانوں کی طرح مانا جاتا تھا۔ یہ بات اس کے اچھے معاملات کے باعث تھی۔ ان معاملات میں تاجرانہ معاملات کا دخل زیادہ تھا کیونکہ وہ ایک اچھا تاجر بھی تھا۔

ایک بار اس نے ایک تاجر سے 60 ہزار دینار کا مال خریدا۔ مگر ادائیگی نہ کی۔ تاجر سے کہا کہ اسے چند دن انتظار کرنا ہو گا۔ تاجر اس بات کو مان گیا اور کہا کوئی بات نہیں چند دن کوئی زیادہ دن تو نہیں ہیں۔

مگر چند دن کی مہلت میں دونوں دھوکہ کھا گئے۔ تاجر نے اس وعدہ کے 5 یا 6 دن سمجھے جبکہ شہزادہ کے نزدیک اس سے مراد 10 یا 12 دن تھے۔ 6 دن گزر گئے۔ ساتویں دن کا آغاز ہوا۔ تاجر بڑا تھوڑدلا ثابت ہوا وہ شہزادے سے رقم مانگے بغیر بادشاہ کے حضور پیش ہو گیا۔

عرض کیا، جہاں پناہ میرا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا جائے۔ تاکہ میں انصاف حاصل کر سکوں۔

بادشاہ نے پوچھا۔ آپ کا مقدمہ کس کے خلاف ہے اور کس نوعیت کا ہے۔

شہزادے نے عرض کیا۔ آپ کے صاحبزادے شہزادہ سعود نے مجھ سے 60 ہزار دینار کا مال خریدا تھا اور رقم کے بارے میں وعدہ کیا تھا کہ جلد ادا کر دوں گا (یعنی چند دنوں میں)۔ مجھے چونکہ اپنے وطن جلدی جانا ہے۔ کاروباری آدمی ہوں۔ رقم کی ادائیگی میں تاخیر سے مجھے بہت زیادہ نقصان ہو گا۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ شہزادے کے پاس بار بار جا کر رقم کا تقاضا کروں مبادا شہزادے کو ناگوار خاطر ہو۔ اس لئے میں آپ کے دربار میں آیا ہوں۔

آپ کا شہرہ سنا ہے۔ کہ آپ کے در سے کوئی سائل محروم نہیں جاتا۔ ہر شخص کو انصاف ملتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا دشوار نہیں۔ آپ کے کان ہمیشہ

Marfat.com

رعایا کی فریاد کی طرف لگے رہتے ہیں۔ میری مدد فرمائیں اور میری رقم دلوانے کے لئے قاضی شہر کی طرف رجوع کرنے کی اجازت دیں۔

سلطان محمود تاجر کی باتوں پر چونکا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس لئے نہیں کہ اس کے بیٹے کی شکایت تاجر نے کیوں لگائی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ شہزادہ نے وہ وعدہ کیوں کیا جس کا وہ ایفا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ایسی روش کیوں اختیار کی جس پر چلنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ اور اس نے وہ کام کیوں کیا جس سے رعایا کے ایک فرد کو تکلیف پہنچی۔

اس نے فوراً شہزادے کو پیغام بھجوایا کہ یا تو تاجر کا حق ادا کر دیا قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر فیصلہ کراؤ۔ ورنہ میرے سامنے ایسا چہرہ لے کر نہ آنا جسے دیکھ کر مجھے نفرت ہو۔

یہ پیغام بھجوانے کے بعد سلطان محمود غزنوی نے تاجر کو قاضی کی عدالت میں جانے کا حکم بھی دیدیا۔

جب تاجر قاضی کے ہاں پہنچا۔ عین اس وقت ادھر بادشاہ کا پیغامبر بھی شہزادہ سعود کے ہاں پہنچ چکا تھا۔ شہزادہ باپ کا پیغام پاکر پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے خزانچی کو بلایا اور دریافت کیا کہ اس کے خزانے میں کس قدر رقم موجود ہے۔

خزانچی نے فوراً عرض کیا۔ حضور! اس وقت صرف بیس ہزار دینار پڑے ہیں۔

شہزادے نے حکم دیا۔ یہ بیس ہزار دینار فوراً تاجر کو ادا کرو اور اس سے تین روز کی مہلت مانگ لو اور ساتھ ہی اس نے ایک قاصد سلطان محمود غزنوی کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ پیارے ابو جان! بیس ہزار دینار تاجر کو بھجوائے جا رہے ہیں۔ بقیہ رقم تین روز کے بعد ادا کی جائے گی۔ مزید یہ کہ میں کپڑے پہنے بالکل تیار بیٹھا ہوں جس وقت جناب والا اس سلسلے میں مجھے طلب فرمائیں گے میں مجلس خاص میں یا مجلس عام میں حاضر ہو جاؤں گا۔

سلطان محمود غزنوی نے اس قاصد سے فرمایا جا کر شہزادے کو میرا پیغام دے دینا کہ وہ میری غضب آلود صورت اس وقت نہ دیکھے جب تک تاجر کی پوری رقم ادا نہ کر دے۔

اس دوسرے پیغام پر شہزادہ اور بھی زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً ایک قاصد ان لوگوں کے ہاں بھیجا جن کے ذمے شہزادے کی ادائیگیاں تھیں اور ظہر کی نماز سے پہلے پہلے تاجر کو ساٹھ ہزار دینار مل گئے۔

Marfat.com

اب بادشاہ کی طرف سے شہزادے کو اجازت ملی کہ دربار شاہی میں باریاب ہو کہ عدل اسلامی کا تقاضا یہی تھا۔

قرض لے کر اس کی ادائیگی میں دیر کرنا یا ڈکار مار جانا بے پناہ فسادات کو جنم دیتا ہے اور امراء کے صاحبزادے تو یہ حرکت کرتے رہتے ہیں۔ قرض خواہ اپنے مقروض کی امیرانہ ٹھاٹھ کے پیش نظر عموماً خاموش ہی رہتے ہیں جس کے پیچھے مزید نقصان (مالی اور جانی) کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں امراء کے صاحبزادے ایسی ایسی عادات بد کے خوگر ہو جاتے ہیں جو معاشرتی اعتبار سے بے حد قابل اعتراض ہوتی ہیں۔ اور جب کبھی وہ پکڑے جائیں تو والدین ان کی بریت کی قسمیں کھانے لگتے ہیں اور ان کی رہائی کی پوری کوشش کرتے ہیں عموماً ایسے بگڑے ہوئے لوگوں کو رہائی بھی مل جاتی ہے۔

مگر اسلامی نظام عدل فرق مراتب کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ انصاف کے تقاضے بہر حال اور بہر صورت پورے کئے جاتے ہیں۔

روشنی، از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

جرم و سزا

حدیث بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

اقبال

Marfat.com

گستاخیاں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں مہاجر بن ابی امیہ کو یمامہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ تو سب سے پہلے جو معاملہ ان کے سامنے لایا گیا۔ وہ دو خوبصورت عورتوں کا تھا۔ وہ گایا کرتی تھیں۔ وہ جس قدر خوبصورت تھیں اسی قدر ان کی آواز بھی خوبصورت تھی۔ وہ گاتیں تو سوتے ہوئے بیدار ہو جاتے۔ ان کے شائقین کہتے تھے کہ اگر وہ قبرستان میں گانے لگیں تو مردے بھی قبروں سے اٹھ کر انہیں داد دینے کو آجائیں۔ بہر حال ان کی آواز کا جادو اور فن کا کمال ہر عمر کے لوگوں پر مسلط تھا۔ وہ گانے لگتیں تو لوگ رات گئے تک انہیں سنتے رہتے۔

ان کے گانے سے دو طرح کے لوگوں کا نقصان ضرور ہوتا تھا۔ کہ جو ان کا گانا سنتے ان کی نمازیں قضا ہو جاتیں اور جو نوافل میں موجود ہوتے ان کا سجود و قیام بے کیف و سرور بن جاتا۔

حضرت مہاجر بن ابی امیہ نے جاتے ہی ان کے گانے پر پابندی لگادی۔ مگر نوجوان طبقہ پھر بھی خفیہ طور پر ان کے گانوں سے لطف اٹھاتا رہا۔ دونوں عورتیں غیر مسلم تھیں اور غیر مسلم ہی ان کے گانے سے حظ اٹھاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان پر زیادہ سختی نہ کی گئی۔ مگر ایک بار سنا گیا کہ ان دونوں میں سے ایک نے اپنے گانے میں حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کی ہیں اور دوسری نے مسلمانوں کی ہجویں گائی ہیں۔ اور سننے والوں نے خوب قہقہے لگا لگا کر داد دی ہے۔

گورنر یمامہ نے انہیں اس وقت دربار میں طلب کر لیا۔ پوچھا کہ انہوں نے واقعی حضور سرور کونین ﷺ کی شان میں گستاخانہ اشعار گائے ہیں۔ اور مسلمانوں کی ہجویں گائی ہیں۔

دونوں کی زبانیں بند تھیں۔ انکار و اقرار کے الفاظ حلق میں اٹکے ہوئے تھے۔ گورنر کی طرف سے پھر بلند آواز میں پوچھا گیا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتی ہیں؟ انہوں نے اپنے جھکے ہوئے سر اوپر اٹھائے۔ تو گویا ان کا حسن آشکار ہو گیا دربار کے کئی لوگوں کے دلوں میں سفارش کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مگر گورنر نے فوراً کہا کہ سروں کو نیچا رکھیں بلکہ چہروں کو ڈھانپ لیں۔ اور میرے سوال کا جواب دیں۔

Marfat.com

اب ہلکی ہلکی دو آوازیں سنی گئیں۔ جن میں عورتوں نے جرم کا اقرار کرلیا۔ اور ان کے اقرار کو تین بار دہرایا گیا۔ جن لوگوں نے ان سے گانا سننے کا اہتمام کیا تھا انہیں بھی طلب کر لیا گیا۔ بھرے دربار میں انہیں کوڑے لگوائے گئے۔ اور ان عورتوں کے دانت تڑوادیئے اور ہاتھ کٹوادیئے۔

یہ خبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ نے گورنر یمامہ کو لکھا۔ کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے دو عورتوں کو اس طرح سزا دی ہے۔ اگر تم نے اس سزا میں عجلت نہ کی ہوتی تو میں اس عورت نے جس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کے اشعار پڑھے ہیں قتل کی سزا تجویز کرتا۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان تمام لوگوں سے افضل و اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگر ایسی گستاخی کسی مسلمان سے ہو جائے تو وہ مرتد ہے۔ یا غدار محارب ہے اس سے جدال فرض ہے۔ اور وہ عورت جو مسلمانوں کی ہجو کرتی ہے اس کی سزا میں توقف کرتا اور اسے اسلام کی دعوت دیتا اور اس کے اسلام لانے کے بعد اسے شرم دلاتا۔ اس کے ہاتھ پیر نہ کاٹتا اسے ادب سکھاتا۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرتی تو اسے ذمیہ مشرک کہہ کر اس کے شرک پر صبر کر لیتا۔ ہاتھ پیر کٹوانا سوائے قصاص کے مکروہ ہے۔ سزا پانے والے تو ہمیشہ لوگوں کے سامنے شرمندہ رہتے ہیں۔ اب تمہیں چاہیے کہ ان عورتوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھیں۔

آج گانے کی سٹیج چودہ سو سال پہلے کی سٹیج سے زیادہ بے حیا بن گئی ہے۔ ناچنے اور گانے کو ثقافت کہا جانے لگا ہے۔ اس سٹیج کے ذریعے سے مال کی بربادی اخلاق کی تباہی اور اسلامی تہذیب کے مذاق کے ساتھ پاکیزہ سیرت لوگوں کی عبادات میں دخل اندازی ہوتی ہے۔ اور اس سٹیج سے وہ سب کچھ سنا اور سنایا جاتا ہے جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ غیر مسلم خوش ہیں کہ مسلمان بھی ہم جیسے بن گئے ہیں۔ مسلمانوں کی دعوت اسلام غیر موثر بن گئی ہے اور غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمن خان

Marfat.com

پٹائی

قرطبہ یونیورسٹی سے گریجوایشن کرنے والا محمد ابن ابی عامر ایک غریب نوجوان تھا۔ مگر تھا بڑا محنتی اور دیانت دار۔ یونیورسٹی میں اکثر ملک کی ابتر حالت پر تذکرے ہوتے۔ بعض حکام وقت پر الزام دیتے اور بعض کہتے کہ اگر ہم خود ٹھیک ہو جائیں تو ملک ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر یہ نوجوان ان بحثوں میں بہت کم حصہ لیتا تھا۔

جب وہ یونیورسٹی سے فارغ ہوا اور اسے نوکری نہ ملی تو اسے واقعتہً قصور حکام کا ہی نظر آیا۔ تاہم اس نے حکام وقت کے خلاف محاذ نہیں بنایا وہ قلم دوات لے کر شاہی محل کے باہر بیٹھ گیا۔ اور لوگوں کی عرضیاں اور درخواستیں لکھنے کا کام کرنے لگا۔ اس کی لکھی ہوئی درخواستیں بڑی خوش خط ہوتیں اور مربوط اور جاندار فقرے ہوتے۔ قاضی وقت نے اس کی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنے محکمہ میں ملازم رکھ لیا۔ یہاں اس نے کام بڑی محنت اور لگن سے کیا۔ اس کے کام کی شہرت شاہی محلات تک پہنچ گئی۔

خلیفہ الحکم نے اپنے نابالغ لڑکے اور ملکہ سیدہ صبح کی جاگیر کا ناظم مقرر کر دیا۔ یہاں بھی اس نے اس دیانت سے کام کیا کہ سات ماہ کے اندر جاگیر کی آمدنی دگنی ہو گئی۔ بادشاہ الحکم اور وزیر اعظم مصحفی اس کی کارکردگی پر اتنے خوش ہوئے کہ اسے شاہی ٹکسال کا معتمد مقرر کر دیا گیا۔

ٹکسال ہاتھ میں ہونے کے سبب سے اس نے لوگوں کو اتنا خوش کیا کہ ہر ایک اس کے گن گانے لگا۔ مگر اس کی عزت اور وقار دیکھ کر جلنے والے اس کے دشمن ہو گئے۔ انہوں نے خیانت کا الزام اس پر لگا دیا۔ شاہی محتسب نے اس کے کام اور حساب کو دیکھا تو ایک پائی کی کمی بھی نظر نہ آئی۔ اور نہ ہی بد دیانتی دکھائی دی۔ اس پر اسے بیک وقت اشبیلیہ اور لبلہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ اور پھر قرطبہ کا گورنر بن گیا۔

اب ایک گورنر کے ناطے اسے ان الزامات کو دور کرنا تھا۔ جو قرطبہ یونیورسٹی میں اس کے دوست لگایا کرتے تھے۔ کہ ملکی ابتری حکام وقت کے باعث ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس نے قرطبہ کی گورنری کا چارج لیا تو پولیس افسران کو چیلنج دیا کہ جس کسی نے مجرموں کی سرپرستی کی اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ اس کی اس سخت گیری سے نظام درست ہو گیا۔ اور اتنا امن وامان ہوا کہ لوگ دکانیں کھلی چھوڑ کر سو جاتے۔ مگر کیا مجال کہ کوئی بھی چیز چوری ہو۔

اسی زمانہ میں اس کے لڑکے نے والد کی گورنری کے گھمنڈ میں بازار سے گزرتے گزرتے ایک بچے کو بید مارے۔ بچے کی ٹانگوں اور پیٹھ پر نشان بن گئے۔ بچہ روتا رہا۔ چیختا رہا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اور آناً فاناً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اور بڑی جلدی گورنر کو اپنے بیٹے کی اس حرکت کا پتہ چل گیا۔

ابن ابی عامر نے اپنے بیٹے کو بھری عدالت میں طلب کیا۔ اور بید مارنے کی سزا دی۔ بید مارنے والے سے کہا کہ خوب زور سے بید مارے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

ناز و نعم میں پلنے والا نازک بچہ بیدوں کی سزا کب برداشت کر سکتا تھا۔ ایک ہی بید بجا تھا کہ چیخیں نکل گئیں۔ ہاتھ باندھ کر معافیاں مانگنے لگا۔

باپ نے اس کی چیخ پر بھی توجہ نہ دی۔ بلکہ بید مارنے والے سے کہا کہ جلدی سے اس کام کو ختم کرو۔ کہیں باپ کی محبت انصاف میں حائل نہ ہو جائے۔

بادشاہ کا صاحبزادہ بیہوش ہو گیا۔ اسی حالت میں بھی اسے بید مارے جاتے رہے۔ بیدوں کی گنتی پوری ہوئی تو شہزادے کے سانس بھی پورے ہو گئے۔ شہزادے نے جان دے دی۔

اب ابن ابی عامر نے حکم دیا کہ اس کی لاش کو گھر میں پہنچا دو۔ عدالت برخاست کر کے جب وہ گھر پہنچا تو اپنے محبوب بچے کی نعش سے لپٹ لپٹ کر رویا۔ خوب رویا اور ہچکی بند ہو گئی۔

بچے کی ماں تو پہلے ہی رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ اب ابن ابی عامر بیوی کے پاس گیا۔ معذرت کرتے ہوئے کہا۔

بیگم! میں باپ بعد میں ہوں۔ اور قاضی پہلے ہوں۔ قاضی کی حیثیت سے انصاف کیا ہے۔ باپ کی حیثیت سے رو رہا ہوں۔

اللہ اکبر۔ بچہ قربان کر دیا۔ عدل وانصاف پر حرف نہیں آنے دیا۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو کسی کو دوسرے کے ساتھ آئندہ زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ پورا معاشرہ شریف ہو گیا۔

Marfat.com

دوسروں کی جانیں بچانے کے لیے اپنے عزیز کی جان قربان کرنی پڑتی ہے۔

آج عدالتیں ہر ملک میں ہیں مگر عدالت کا انصاف کا نام ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ سفارشیں اور رشوتیں انصاف کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ منصف کو دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ اگر فیصلہ ان کی خواہش پر نہ ہوا تو یا تو تمہارے بچے اغوا کر لیے جائیں گے۔ یا تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

Marfat.com

گانا

ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کرتے کرتے ایک مکان کے قریب سے گزرے تو ایک عورت کے گانے کی آواز سنی۔ اس گانے کے اشعار عشقیہ تھے جو نضر بن حجاج کی محبت میں گائے جارہے تھے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ نضر بن حجاج کون ہے جس کی محبت میں مدینہ کی ایک دوشیزہ رات کی نیند قربان کر کے تڑپ رہی ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ وہ بڑا حسین و جمیل اور خوبصورت بالوں والا سرو قد جوان ہے۔

صبح ہوئی تو آپ نے نضر بن حجاج کو دربار میں بلا بھیجا۔ وہ گورے چٹے رنگ اور پورے قد کا خوبصورت جوان تھا۔ لمبی گردن۔ موٹی موٹی آنکھیں اور ستواں ناک اس کی خوبصورتی میں اضافہ کررہی تھیں۔ اور اس کے لمبے لمبے بال جو اس کے کندھوں پر پڑے قیامت ڈھارہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجام کو بلایا اور اس کا سر مونڈ دینے کا حکم دیا۔

حجام نے قینچی استرا پکڑا اور ایک ایک بال گویا جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

نضر اٹھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جو ایک احتجاج لیے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ خلیفہ وقت نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس نے کسی کو تنگ نہیں کیا۔ کسی کی چوری نہیں کی۔ شراب نہیں پی۔ جوا نہیں کھیلا۔ میرے سر کے بال میری زینت کا ایک حصہ تھے۔ انہیں بے وجہ مونڈ کے پھینک دیا گیا ہے۔

مگر وہ خلیفہ وقت کے سامنے ایک بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

سلام کر کے جانے لگا۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھا تو محسوس کیا کہ نضر بن حجاج کے حسن اور خوبصورتی کی کشش میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کے دونوں رخسار چاند کے ٹکڑوں کی مانند چمکنے لگے ہیں۔ مدینہ کی عورتیں اب بھی اس کے عشق میں گانے گاتی رہیں گی۔

آپ نے اسے روک لیا۔ بیت المال سے اس کے لیے زاد راہ کا انتظام کیا اور اسے مدینہ سے

Marfat.com

نکال دیا۔ اور فرمایا۔ میں اپنے ہوتے ہوئے شہر مدینہ میں ایسے شخص کو نہیں دیکھ سکتا جو پردہ دار خواتین کے لیے بھی فتنہ کا باعث بنے۔ اور اس کے بارے میں عشقیہ اشعار پڑھیں۔

نصر بن حجاج بصرے میں چلا گیا۔ اسے ہدایت کی گئی کہ وہ سر پر عمامہ باندھ کے رکھا کرے۔ نصر بن حجاج کی والدہ سے بیٹے کی جدائی برداشت نہ ہوئی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ آپ کے بیٹے تو آپ کے پہلو میں رہیں اور میرا بیٹا بلاوجہ اتنی دور کر دیا گیا ہے۔ آپ نے میرے ساتھ اور میرے بیٹے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میں خدا کے حضور آپ کی اس بیداد پر فریاد کروں گی۔

آپ نے فرمایا میرے بیٹوں کے بارے میں پردہ دار کنواری عورتیں عشقیہ شعر نہیں کہتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوتا۔

نصر بن حجاج نے اپنی بے گناہی اور برأت پر مشتمل ایک عریضہ لکھا اور اس عورت کی بے گناہی اور پاک دامنی بیان کی مگر۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا حکم واپس نہیں لیا البتہ بیت المال سے اس کی مستقل رہائش کے انتظامات بصرے میں کر دیئے گئے۔

حسن مرد میں ہو یا عورت میں ایک فتنہ ہے۔ اس فتنے سے بچاؤ کی صورت پردہ اور سادگی ہے۔ آج مرد بھی اور عورتیں بھی وہ ذرائع استعمال کر رہے ہیں جن سے حسن مزید نکھر کے سامنے آتا ہے۔ اور فتنوں کا باعث بنتا ہے۔ پھر مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط۔ ملازم پیشہ عورتوں کے مردوں سے معاملات نے فتنوں میں اضافہ ہی تو کیا ہے۔ ان فتنوں کی بیخ کنی کی حاکم وقت کی توجہ چاہتی ہے۔

ماہنامہ السعید ملتان

دسمبر 1997ء

Marfat.com

ہار

مدینہ پاک میں ایک گھر میں کوئی تقریب تھی۔ جہاں عورتیں بیٹھیں تھیں وہاں ایک ہار گم ہو گیا۔ ہار اٹھانے والی مدینہ کے معزز خاندان بنی مخزوم کی ایک امیر ترین عورت تھی اور جس نے اسے ہار اٹھاتے دیکھا وہ بیچاری ایک غریب عورت تھی۔ وہ حیران ہو گئی کہ جب اللہ نے اسے سب کچھ دیا ہے تو اس نے یہ ذلیل حرکت کیوں کی ہے۔ مگر وہ خاموش رہی کہ اگر اس نے اس ہار اٹھانے والی کا نام بتا دیا تو خواہ مخواہ مجھ غریب کے یہ لوگ سر آئیں گے۔

جب ہار کی گم شدگی کا شور مچا۔ تو ہار کی چوری کرنے والی عورت آگے بڑھی۔ کہا خدا کرے آپ کا ہار مل جائے۔ میں ہار مل جانے تک یہاں رکتی مگر مجھے سخت مجبوری ہے مجھے جلدی گھر جانا ہے آپ میری تلاشی لینا چاہیں تو لے لیں۔

مالکن نے کہا، نہیں نہیں۔ میں آپ کی تلاشی بھلا کیوں لوں۔ آپ کے بارے میں یہ گندہ خیال میں قطعاً دل میں نہیں لا سکتی۔ یہ کام یقیناً کسی گھٹیا عورت نے کیا ہو گا۔ ابھی جب ایسی عورتوں کو ڈانٹ پلائی جائے گی تو وہ خود بخود ہار ہمارے حوالے کر دیں گی۔ آپ نے اگر جانا ہے تو جائیں۔ بہتر تو یہی تھا کہ آپ ہار تلاش کرنے میں ہماری مدد کریں۔ مگر ہمیں آپ کی مصروفیت کا احساس بھی ہے۔

یہ امیر عورت ابھی دروازے سے باہر نہ نکلی تھی کہ اس غریب عورت کو چٹیا سے پکڑ کر کھینچ لیا گیا جسے علم تھا کہ کس نے ہار اٹھایا ہے۔ بتاؤ تم نے یہ چوری کیوں کی ہے۔

اس نے کہا۔ باجی جی! میں نے قطعاً آپ کا ہار نہیں اٹھایا۔ کسی اور نے اٹھایا ہو گا۔

کسی اور کی بچی ایسے کام تم جیسی ہی کمینی اور ذلیل عورتیں کیا کرتی ہیں۔ اس غریب نے عرض کیا۔ باجی جی ایسے گندے کام شیطان کرواتا ہے جو اس کی بات مان لے وہ کر گزرتا ہے۔ ایسے میں امیر اور غریب کی کوئی بات نہیں ہے۔

پاگل کی بچی! صاحب ثروت لوگ بھلا ایسی حرکت کیوں کریں۔ ان پر تو اللہ پہلے ہی بڑا خوش

Marfat.com

ہوتا ہے ان کی تجوریوں کو وہ ہمیشہ بھرے رکھتا ہے۔ وہ چوریاں بھلا کیوں کریں۔

دوسرے لمحے اس کے گال پر ایک زوردار طمانچہ لگا۔ جس سے چہرے پر انگلیوں کے نشان بن گئے۔ یہ طمانچہ کیا تھا اُس کی جرأت گفتار کے تالے کی کنجی تھی۔ اس نے گال سہلاتے ہوئے کہا۔ امیروں کی تجوریاں ایسے ہی بھری جاتی ہیں۔ وہ سب غریبوں کا مال لوٹا ہوا ہوتا ہے۔

بکواس بند کرو۔ خواہ مخواہ ایسے بھلے لوگوں پر الزام لگائے جا رہی ہو۔ الزام نہیں۔ میں حقیقت عرض کر رہی ہوں۔ آپ کی وہ امیر زادی جو ابھی آپ سے اجازت لے کر گئی ہے آپ کا ہار اس کے پاس ہے۔ جا کر اس کا پرس کھول کر دیکھو۔ اگر ہار نہ نکلا تو جتنی چاہو سزا دیتے رہنا۔

اتنے میں اس غریب عورت کا خاوند بھی آ گیا۔ ہار چوری ہونے کی بات بن رہا تھا۔ جب اس امیر عورت کا نام سنا تو جلدی سے بھاگا گیا اور اس امیر عورت کو بلا لایا۔ اس کے پرس کو کھولا گیا تو واقعتہ ہار مل گیا۔

اب اس عورت نے کہا۔ فاطمہ! یہ تم نے کیا حرکت کی ہے تم اور یہ چوری۔

یہ فاطمہ چپ تھی۔ اس کی زبان پر ایک لفظ بھی نہ آ رہا تھا۔ وہ بھلا کیسے بول سکتی تھی۔ وہ تو رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔

اب یہ مقدمہ حضور نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچایا گیا۔

اس عورت نے تسلیم کر لیا کہ ہاں اسی سے یہ ہار چوری کرنے کی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جانتی ہو اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے تاکہ وہ معاشرہ میں ایک اشتہار بنا رہے۔ زندگی بھر شرماتا رہے اور دوسرے لوگوں کے لئے ایک عبرت بنا رہے۔

ادھر اس مقدمہ چوری کی سماعت ہو رہی تھی اُدھر مدینہ کے امراء بے حد پریشان تھے وہ سزا معاف کروانے کی کوشش میں تھے۔ مگر بارگاہ نبوت میں سزا کی معافی کی سفارش کون کرے؟

آخر یہ لوگ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حاضر ہوئے کہ وہ ان کے سفارشی بنیں اور ہماری بچی کو سزا سے بری کروا دیں۔ آخر مدینہ میں ہماری عزت ہے ہمیں معزز سمجھا جاتا ہے۔ ہمارا سارا خاندان پر وقار ہے۔ بھولے سے یہ حرکت اس سے ہو گئی ہے۔ ہم تو پہلے ہی سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے اگر ہاتھ کاٹ دیا گیا تو ہماری عزت خاک میں مل

Marfat.com

جائے گی۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے ساتھ سفارشی بن کے چل دیے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس وفد کی قیادت کرتے ہوئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا تو فرمایا۔

اسامہ کیسے آئے ہو؟

عرض کیا یارسول اللہ فاطمہ کے قصور کی معافی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

آپ نے فرمایا! اسامہ تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو۔ معلوم ہے کہ بنی اسرائیل اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں معزز لوگ جرم کرتے تو سزا نہ دیتے اور جب معمولی درجہ کے لوگ جرم کرتے تو ان کو پوری سزا دیتے۔

اسامہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر بالفرض محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کی مرتکب ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

پھر اس عورت کے اعتراف جرم پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

سزا دینے یا نہ دینے کی روایت آج کے دور میں دوبارہ دہرائی جارہی ہے۔ سفارشوں والے سزاؤں سے بچ جاتے اور جن کے پاس کوئی سفارش نہیں ہوتی وہ سزا ضرور پاتے ہیں۔

سیرۃ النبی از شبلی نعمانی

ذخیرہ

Marfat.com

عدل فاروقی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مصر میں جہاد کے لیے گئے تھے۔ ابن جوزی کی روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک نشہ آور مشروب پی لیا۔ جو تاڑ کے درخت کے رس سے بنا تھا جسے تاڑی کہتے ہیں۔ اگرچہ اس سے محاذ جنگ میں تلوار چلانے میں زیادہ جوش آ گیا تھا۔ مگر اس سے نشہ بھی ہو گیا۔ اور گفتگو کا انداز بہکا بہکا سا ہو گیا۔ تاہم جب فوجیں واپس اپنے خیموں میں آئیں تو یہ نشہ بالکل زائل ہو چکا تھا۔ اب وہ اس فعل پر بڑے نادم ہوئے۔ اور امیر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس پہنچے۔ نشہ خوری کا اعتراف کیا اور حد جاری کروانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

انہوں نے کہا۔ میں عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا سن رہا ہوں۔ کیا خلیفہ کے بیٹے سے یہ فعل سرزد ہو سکتا ہے؟

حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فوراً جواب دیا۔ اے امیر مصر آپ عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے درست سن رہے ہیں۔ مجھے اس فعل پر اعتراف ہے اور ندامت بھی۔ میں چاہتا ہوں آپ مجھ پر حد لگائیں اور مجھے پاک کریں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں مکان میں لے گئے اور درے لگائے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے حدود اللہ سے تجاوز کرنے پر یہ حدیں اور سزائیں عام لوگوں کے سامنے دی جاتی ہیں۔ تاکہ نہ صرف دوسرے لوگوں کو عبرت ہو بلکہ ارتکاب جرم کرنے والے کو بھی زیادہ سے زیادہ ندامت ہو۔ تاکہ آئندہ اس فعل کا اعادہ نہ ہو۔

خفیہ نویسوں نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچائی۔ اور یہ بھی لکھا کہ ان پر مکان کے اندر خفیہ طور پر سزا دی گئی ہے مجمع عام میں نہیں دی گئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خوب نرمی برتی گئی ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں سرخی آ گئی۔ غصے سے ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ انہوں نے فوراً حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جواب طلبی کی اور اپنے لڑکے عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی واپس بلا بھیجا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی خدمت میں

روانہ کر دیا اور ایک معذرت نامہ بھی جواب طلبی کے متعلق لکھا۔ کہ

میں نے ان کو اپنے مکان کے اندر صحن میں اس لیے حد ماری

کہ خدا کی قسم جس سے بڑی کوئی قسم نہیں میں اپنے گھر کے صحن

میں ہر مسلمان اور ذمی کو حد مارتا ہوں۔ یہ اختصاص اس

لیے نہ تھا کہ وہ امیر المؤمنین کا بیٹا ہے۔

جونہی عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ پاک میں پہنچے۔ انہیں گھر سے باہر روک لیا گیا۔ انہیں بیوی بچوں اور والدہ سے ملنے نہیں دیا گیا۔ ایک مجمع عام اکٹھا کیا گیا۔ آپ نے (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا

لوگو مجھے اطلاع ملی تھی کہ عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تاڑی پی ہے۔ اگرچہ ان پر حد شرعی ماری گئی ہے۔ چونکہ وہ حد مجمع عام میں نہیں ماری گئی۔ میں انہیں دوبارہ وہ سزا دیتا ہوں۔

لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین جب عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر شرعی حد ماری گئی ہے تو یہ دوسری سزا کیوں؟

آپ نے فرمایا مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ سزا میں نرمی برتی گئی ہے۔ علاوہ اس کے یہ سزا تادیبی بھی ہے۔ جو اولاد کی لغزش پر باپ دے سکتا ہے۔ امیر المؤمنین کے بیٹے کا جرم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ بھاری ہے۔

اب پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ننگی پیٹھ پر درے لگائے جا رہے ہیں۔ کمر کے زخم تو پہلے ہی تازہ تھے۔ مزید درے برسے تو کھال ہی ادھڑ گئی۔ کس باپ کا حوصلہ ہے جو اپنی آنکھوں کے سامنے ہر درے کی تڑاخ پر تڑپتے ہوئے بیٹے کو دیکھے مگر چپ رہے۔ لازمی بات ہے جب یہ سزا دی جا رہی تھی تو یہ درد بھری خبریں ان کی والدہ (زینب بنت مظعون) تک بھی

Marfat.com

پہنچ رہی تھیں۔ مگر وہ بھی گھر میں تڑپ رہی تھیں۔ عبداللہ بن عمر (ان کے بھائی) کو مصر میں پتہ تھا کہ ان کے بھائی کی کھال اڈھیڑی جارہی ہوگی۔ سب چپ تھے۔ اس لیے چپ تھے کہ یہ سب کچھ اطاعت خداوندی کے تحت ہورہا تھا۔

اندازہ کریں حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک سزا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی ہے۔ دوسرے طویل سفر جو اونٹ پر (مصر سے مدینہ تک) کیا گیا۔ سفر کی کوفت۔ تیسری سزا۔ اور چوتھی یہ کہ سزا دینے کے بعد انہیں قید کردیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ چند یوم کے بعد آپ انتقال فرما گئے۔ بعض روایات کے مطابق جب انہیں کوڑے مارے جارہے تھے تو انہوں نے اپنی جان۔ جان آفرین کے سپرد کردی تھی۔

جب بیٹا مر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ فرمایا۔ بیٹا! میں کوئی ظالم باپ نہیں ہوں۔ نہ جانے تیرے غم میں میں کب تک روتا رہوں۔ مگر جس سزا نے آپ کی جان لی ہے وہ سزا دینے میں عمر بے بس تھا۔ بڑا مجبور تھا۔ اگر میں تجھے وہ سزا نہ دیتا تو آنے والے حکمرانوں کے لیے اپنے بچوں کے معاملے میں جواز بن جاتا۔ بیٹا! میں نے اس غم کو سینے سے لگا لیا ہے مگر اس بوجھ کو ضرور اتارنے کی کوشش کی ہے۔ جو شریعت نے ہمارے کندھوں پر رکھا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سخت گیر خلیفہ کہا جاتا ہے کہ وہ جرائم کی پاداش میں حد جاری کرتے وقت کسی کی عظمت وشان کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے تھے۔ مگر جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ اس معاملہ میں اپنے عزیزو اقارب سے بھی رعایت نہیں کرتے تو خاموش ہوجاتے ہیں۔

ایسے حکمرانوں نے ثابت کردیا ہے کہ جب تک قانون کو شخصیتوں سے بالاتر نہ سمجھا جائے ملک میں اس کا وقار قائم نہیں رہ سکتا۔ آج ہم جو اس دور میں ایک مستقل بے چینی اور بدامنی دیکھتے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ قانون کو لاگو کرنے والے مخلص نہیں ہیں جو نہی وہ خود یا ان کے عزیزو اقارب تردیدیں کرتے ہیں تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی قانون کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں۔ تشریحات کرکے قانون کا حلیہ بگاڑ دیتے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

دیہاتی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام زبان پر آتا ہے تو ایک ایسے بہادر اور پکے سچے مسلمان کی شخصیت آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ آپ وہ شخص ہیں جنہوں نے بڑے بڑے عظیم معرکوں میں شرکت کی اور فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ معرکہ ذات السلاسل میں امیر لشکر تھے۔ فتح مکہ کے بعد عمان کے حکمران کے پاس پیغمبر اسلام ﷺ کا خط لے کر گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مرتدین کی سرکوبی میں بڑی سرگرمی دکھائی 13ھ میں عمان کے گورنر بنے۔ فلسطین کی جنگ میں امیر لشکر تھے۔ اور رومیوں کو زبردست شکست دی۔ اس کے بعد دمشق خمل کو فتح کر کے فاتح روم و شام کہلائے۔ پھر مصر۔ سوڈان۔ فرانس۔ الفرب اور بصرہ کو فتح کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔

گویا کہ آپ اپنی اسلامی خدمات اور عہدہ کے اعتبار سے بہت بڑے آدمی تھے ان کے بیٹے کی عزت باپ کی وجہ سے بہت زیادہ تھی۔ وہ بازار میں سے گزرتا تو لوگ اٹھ اٹھ کر اسے سلام کرتے۔ اور عزت و تکریم سے پیش آتے تھے۔

شہزادے کی یہ عزت اس کے باپ کی وجہ سے تھی۔ وہ بذات خود اس عزت کا مستحق نہ تھا وہ لوگوں کو ناجائز تنگ کیا کرتا تھا۔ وہ اپنی اس عادت کے باعث جب ایک دیہاتی سے ٹکرایا۔ تو اس نے اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ بلکہ الٹا اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس دیہاتی کو مارنے لگا۔ دیہاتی زخموں سے چور چور ہو گیا وہ اپنے قلب رنجور کے ساتھ اپنے گاؤں میں واپس آ گیا۔

گورنر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کے خلاف شکایت کس سے کرتا۔ بھلا پلکوں کی شکایت آنکھوں سے کب کی جا سکتی ہے۔ اتفاق سے چند ماہ کے بعد اس دیہاتی کا مدینہ میں جانا ہوا۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ تم مدینہ پاک میں تو جا ہی رہے ہو۔ وہاں امیر المؤمنین سے اپنے

Marfat.com

ساتھ ہونے والی زیادتی کی شکایت ضرور کرنا۔

پہلے تو وہ کچھ ہچکچایا کہ جو شخص گورنر سے شکایت نہیں کر سکتا۔ وہ خلیفہ سے بات کرنے کا حوصلہ کہاں سے لائے گا۔ مگر مدینہ میں جاکر اسے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے ہاں ہر فریادی جاسکتا ہے۔ اسے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ایک دن چلا گیا۔ اور اپنی داستان پوری وضاحت سے بیان کر دی۔ اس دیہاتی کو ملزم کے آنے تک ٹرخایا نہیں گیا۔ بلکہ اسے سرکاری مہمان بناکر رکھا گیا۔ اور حکم صادر فرمایا۔ کہ گورنر کا بیٹا جلدی سے مدینہ میں خلیفہ کے ہاں حاضر ہو۔ پھر قلیل ترین عرصے میں گورنر کا بیٹا دارالحکومت میں حاضر تھا۔

مقدمہ پیش ہوا فریادی نے فریاد کی۔ اور جلد ہی گورنر کے بیٹے نے اقبال جرم کر لیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے۔ کوڑا پکڑا اور اس دیہاتی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور کہا کہ اس ظالم سے اپنا بدلہ اپنے ہاتھ سے لے لو۔ اب ایک طرف گورنر کے بیٹے کی پیٹھ تھی اور دوسری طرف ایک دیہاتی کا کوڑا۔ کوڑا پیٹھ پر برس رہا تھا۔ اور عالم ملکوت کے باسی آسمان کے جھروکوں سے جھانک کر حیرت واستعجاب سے عدل فاروقی کے اس حیران کن مظاہرے کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

سزا پوری ہو گئی۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے ایسا جملہ نکلا جسے تاریخ چودہ سو برس سے بطور امانت اپنے حافظے میں محفوظ کئے ہوئے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے جنہیں ان کی ماں نے آزاد جنم دیا تھا۔ تمہیں یہ کس نے اختیار دیا کہ انہیں تم اپنا غلام بنالو۔ رعایا حکمران کی غلام نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حکمران رعایا کا خادم اور نگران ہوتا ہے۔

گورنر کا بیٹا ہونا تو بڑی بات ہے۔ یہاں تو کسی گلی محلے کے چودھری کا بیٹا مان نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو کسی غریب کی عزت سے کھیل لے اس کے خلاف کسی کو احتجاج کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مظلوم کی جرأت مر چکی ہے یا ظالم کو کھلی چھٹی مل چکی ہے۔ کہ اسے اس کے کئے کی سزا دلوانا بڑا مہنگا ہے۔ آج کے حکمرانوں کے لئے یہ بات ایک لمحہ فکریہ ہے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

درہ فاروقی

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور ہے۔ آپ معاشرتی برائیوں کے انسداد کے لئے مدینہ پاک کی گلیوں اور بازاروں کا گشت کرتے ہیں۔ ایک دن آپ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ کی نگاہ ایک مرد اور عورت پر پڑی جو بازار کے کنارے پر کھڑے باہم گفتگو کر رہے تھے۔

اس عورت کا مرد کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس تعلق سے واقف نہیں۔ وہ دونوں بہن بھائی ہو سکتے تھے۔ ماں بیٹا ہو سکتے تھے۔ میاں بیوی ہو سکتے تھے۔ قریبی رشتہ داری ہو سکتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ ان کے کسی بھی رشتہ کو نہیں جانتے ہیں۔

انہیں ان دونوں (مرد وزن) کا بازار میں گفتگو کرنا نہ صرف اچھا نہیں لگا بلکہ انتہائی معیوب لگا۔ کیونکہ انہیں ہر دیکھنے والا شخص اپنی رائے قائم کر سکتا تھا۔ اسے ان کے بارے میں شک ہو سکتا تھا۔ اس میل جول کی خبر بغیر تحقیق کئے پورے شہر میں گشت کر سکتی تھی۔ اگر کوئی شرعی تعلق انہیں باہم بات چیت کرنے کی اجازت دیتا ہے تو بھی ایسا تعلق نہ رکھنے والے اسی راہ پر چل سکتے ہیں۔

آپ آگے بڑھے اس شخص کو گردن سے پکڑ لیا اور ایک جھٹکا دیا اور نیچے گرا دیا پھر درّہ فاروقی ہوا میں لہرا لہرا کر اس کے جسم پر نشان بنانے لگا۔ جب اس کی پٹائی اچھی طرح سے ہو گئی۔ تو آپ نے پوچھا کہ اسے سر بازار ایک عورت سے گفتگو کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟

اس نوجوان نے عرض کی حضور! یہ عورت میری بیوی ہے۔ میں اس کا شوہر ہوں۔ میں اس سے بعض گھریلو امور پر بات چیت کر رہا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ تو اپنی بیوی کے ساتھ راستہ میں کھڑے ہو کر گفتگو کر کے مسلمانوں کو اپنے متعلق غیبت۔ گلہ اور شکوہ کرنے کا موقعہ فراہم کر رہا ہے۔ جانتے ہو غیبت کا اثر کیا ہوتا ہے؟ وہ ایسے ہی ہے جیسے اپنے مومن بھائی کا گوشت کھانا۔ ایک مسلمان جو اس گناہ میں مبتلا ہو گا۔ وہ

Marfat.com

آپ کی وجہ سے ہو گا۔ یہ صلاح مشورے تمہیں گھر میں بیٹھ کر کرنے چاہئیں۔ تاکہ مسلمان تمہاری یہ حالت دیکھ کر بدظنی اور بدگمانی کا شکار نہ ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کچھ نہیں کہا صرف مرد کو زدوکوب کیا۔ عین ممکن ہے وہ اپنی اس بیوی کو خود باہر نہ لایا ہو۔ بلکہ اس کی بیوی خود ہی اس سے ضروری بات چیت کرنے کی غرض سے آگئی ہو۔ مگر سزا مرد کو ملی۔ اس کی وجہ یقیناً یہ ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اپنی بیوی کی پہلی آواز پر ہی اس کے ساتھ گھر میں بلایا جاتا۔ اور مطلوبہ امور پر بات چیت کر لیتا۔

آج کی عورت گھر سے باہر نکل آئی ہے۔ وہ گلی اور بازار کی نکڑ نکڑ پر دوسرے مرد کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی ہے۔ وہ مرد اس عورت کا بھائی بھی نہیں ہے۔ خاوند بھی نہیں۔ باپ بھی نہیں۔ رشتہ دار بھی نہیں۔ مگر گفتگو بڑی بے تکلفی کے ساتھ کی جارہی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جس عورت کو دیکھا وہ پردے میں تھی۔ اس کا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ مگر یہ عورت بغیر پردے کے ہے۔ زیب وزینت اس کے چہرے پر خوب جلوہ گر ہے۔ آنکھوں میں کاجل ہے۔ ہونٹوں پر سرخی ہے۔ رخساروں پر غازہ ہے۔ بالوں کی تراش خراش قیامت ڈھا رہی ہے۔

ادھر اس مرد کو کوئی خطرہ نہیں ہے کہ کوئی گشت والا آئے گا اور بغیر پوچھ گچھ کے گردن پکڑ کر جھٹکا دے گا اور نیچے گرا کر کوڑوں کی بارش کر دے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سلوک تو اس مرد کے ساتھ ہوا جو برسر راہ محض بات چیت کرنے کی وجہ سے کیا اگر کوئی دو غیر محرم حالت خلوت میں پائے جاتے تو نہ جانے ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا۔

ماہنامہ السعید ملتان

دسمبر 1997ء

Marfat.com

جلوس

نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات 1173ء میں ہوئی تو مصر میں صلاح الدین ایوبی نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس کے شروع زمانہ میں ایک فوجی نے کسی شخص پر زیادتی کی یہ زیادتی کوئی سنگین قسم کی نہ تھی۔ بس وہ اپنے گڈے پر مویشیوں کا چارہ لاد رہا تھا۔ گڈے کی وجہ سے رستہ تنگ ہو گیا فوجی کا گھوڑا گزر نہیں سکتا تھا۔ اس پر اس فوجی نے بد کلامی بھی کی اور دو چھڑیاں بھی رسید کر دیں۔

ایسے لوگوں نے چونکہ نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کا دور دیکھا تھا۔ وہ زیادتیاں برداشت کرنا بھول گئے تھے۔ اس زیادتی کو فوجی کا بہت بڑا ظلم قرار دیا گیا۔ لہٰذا وہ شخص مظلوم کی حیثیت میں صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں پیش ہوا لیکن شنوائی نہ ہو سکی۔ وہ مایوس ہو کر روتا پیٹتا نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا اور یہ کہتا جاتا تھا۔ کہ نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ آج تمہارا انصاف کدھر ہے۔ جس ظلم کا ہم لوگ شکار ہیں اگر تم اسے دیکھ سکتے تو تم کو ہماری حالت پر رحم آ جاتا۔

صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ کے فوجی کی زیادتیوں کی شکایت عام طور سے تھی۔ اس لئے ایک انبوہ کثیر اس کے ساتھ ہو گیا۔ اور شہر میں گھوم پھر کر خوب جلوس نکالا گیا۔ اتفاق سے صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ اس وقت دمشق میں موجود تھا۔ اور یہ جلوس دمشق میں ہی نکالا گیا تھا۔ جس سے حکومت کی خوب رسوائی ہوئی۔

صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ جلوس کی قیادت کرنے والوں کے پاس فوراً پہنچا۔ ان کی بات سنی اور بلند آواز سے کہا۔ لوگو! تمہارا احتجاج بجا ہے۔ میں اپنی اس کوتاہی کو تسلیم کرتا ہوں۔ آپ رک جائیں اور دیکھیں کہ زیادتی اور ظلم کرنے والے کے ساتھ ہم کیا سلوک کرتے ہیں۔

مگر لوگوں نے نعرہ بازی میں اور جوش دکھایا۔ صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ وہیں رکا رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس فوجی کو بلا لیا گیا۔ اور مجمع عام میں اسے سزا دے کر مظلوم کی شکایت رفع

Marfat.com

کی گئی۔ اور کچھ روپیہ دے کر اس کی دلجوئی بھی کی۔

اب بجائے اس کے کہ وہ دیہاتی خوش ہوتا۔ اس نے اور رونا شروع کر دیا۔

صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ اب کیوں روتے ہو۔ کیا تمہارے ساتھ اس سزا سے بھی زیادہ ظلم ہوا ہے۔

نہیں زیادتی کی نسبت فوجی کو زیادہ سزا ہوئی ہے۔ مگر میں تو اس بادشاہ کو روتا ہوں جس کی موت کے بعد بھی اس کی عدالت قائم ہے۔ اور اس کے عدل وانصاف کا فیض جاری ہے۔

صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ہاں تم سچ کہتے ہم نے جو کچھ اب کیا ہے اور آئندہ بھی عدل وانصاف کی جو روش اپنائیں گے وہ نور الدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کے فیض کا نتیجہ سمجھا جائے گا۔

آج ایسی زیادتیاں بلکہ ان سے بھی زیادہ عوام کے ساتھ ہوتی ہیں۔ احتجاجی جلوس بھی نکلتے ہیں اور خوب توڑ پھوڑ بھی ہوتی ہے۔ مگر زیادتیوں کا ازالہ کرنے والے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ایسے لگتا ہے کہ احتجاجی مظاہرے بس ایک رسم بن کے رہ گئے ہیں۔

اللہ کرے ہمارے حکمران ایسے جلوسوں کے بغیر عوام کے دکھ درد میں شریک ہو جائیں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین لادین ندوی

Marfat.com

اشرفی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے عہد میں ایک بار یمن کے بیت المال کا حساب چیک کیا گیا تو ایک اشرفی کا فرق آیا۔ حساب میں ایک اشرفی زائد تھی جبکہ وہ مال کل میں نہ تھی۔ دوبارہ، سہ بارہ پڑتال کی گئی مگر اس اشرفی کا کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا۔ جب چوتھی بار پڑتال کی جانے لگی تو کھانے کی دعوت آ گئی۔

افسر خزانہ نے عرض کیا آؤ کھانا کھالیں۔

پڑتال کنندہ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا کہا۔

اگر آپ کا حساب صاف ہوتا تو مجھے ایک دوست کے ہاں سے کھانا کھانے میں تردد نہ ہوتا۔ مگر آپ کا حساب چونکہ صاف نہیں ہے۔ مجھے آپ کے کام کی رپورٹ کرنی ہے۔ اگر کھانا کھالوں گا تو آپ کے کھانے کا نمک صحیح رپورٹ لکھنے میں حارج ہو گا۔

افسر خزانہ نے ایک اشرفی جیب سے نکالی اور پڑتال کنندہ کے آگے رکھ دی۔ عرض کیا۔ اس اشرفی کے شامل کرنے سے حساب یقیناً صاف ہو جائے گا۔

حساب چیک کرنے والے نے کہا۔ ہاں اس سے رقم تو پوری ہو جائے گی مگر اس کی اطلاع مجھے بہر صورت خلیفہ کو دینی ہو گی۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد پڑتال کنندہ کی رپورٹ پر امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا۔

میں تمہاری امانت پر بدگمانی نہیں کرتا۔ مگر اس لاپرواہی کا مجرم تمہیں ضرور قرار دیتا ہوں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا میں مدعی ہوں۔ تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی میں شرعی قسم کھاؤ۔

مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ تم نے پڑتال کنندہ کو کھانے کی رشوت دینے کی کوشش کی ہے۔

Marfat.com

اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنی گرہ سے اس اشرفی کو جمع کروانے کو کہا ہے۔

یاد رکھو یہ تمہاری طرف سے بیت المال پر احسان نہیں ہے۔ یہ آپ کو جمع کروانی ہی ہو گی۔ مگر مجھے تو یہ بات حیران کر رہی ہے کہ تمہارے علم میں وہ اشرفی کیوں نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اسے خرچ میں لکھنا بھول گئے ہوں۔ لہٰذا خرچ شدہ اشرفی جب تم اپنی گرہ سے دو گے تو یہ آپ کے ساتھ بھی زیادتی ہو گی۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کیا آپ جیسے لاپرواہ شخص کو خزانہ کا افسر رہنا چاہیے۔

آپ کے بارے میں فیصلہ کرنے میں میں عجلت سے کام نہیں لوں گا۔ آپ کے اور آپ کے عزیز و اقارب کے کوائف ہم جمع کر رہے ہیں۔ زیادہ گمان یہی ہے کہ آپ کی جگہ پر کوئی نیا آدمی جو زیادہ محتاط عقل کا مالک ہو بھیجا جائے گا۔

پاکستان کے قومی خزانے پر کس کس نے ہاتھ صاف نہیں کیے۔ ادھر ایک اشرفی کی بات تھی ادھر اربوں کی بات ہے۔ ادھر ایک اشرفی والے کی نوکری خطرے میں پڑ گئی۔ ادھر کروڑوں کے گھپلے ہیں مگر سب گنگا نہائے بیٹھے ہیں۔

لوگ سوچتے رہ جاتے ہیں جو سربراہ ملت حکومت کے اربوں روپے وصول نہیں کر سکتا وہ غریب کی چرائی گئی لنگوٹی کیسے برآمد کروائے گا۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

آنکھیں

1560ء میں جب اکبر بادشاہ دلی اور آگرہ میں حکومت کرتا تھا تو مالوہ میں راجہ باز بہادر کی ایک چھوٹی سی حکومت بھی تھی۔ یہ راجہ صرف نام کا بہادر نہ تھا بلکہ بڑا جری اور منصف مزاج تھا۔ مالوہ کو اس نے بیرونی حملوں اور اندرونی سازشوں سے محفوظ رکھنے کی پیش بندی کر رکھی تھی اس کام میں اس کا ایک افغان سردار شجاعت خان خاصا ممد و معاون تھا۔ اس پر راجہ کو اس قدر اعتماد تھا کہ اسے بڑی جلدی مالوے کی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس نے راجہ کے حوصلوں کو ہمیشہ بلند رکھا۔ یہاں تک ایک بار جب راجہ نے اس سے پوچھا کہ اگر مغل فوجیں ادھر کا رخ کریں تو ہمیں اطاعت کرنا ہو گی یا مقابلہ۔

شجاعت خان نے کہا ہم مقابلہ کریں گے اور فتح بھی ہماری ہو گی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس راجہ کی زندگی میں اکبر نے مالوہ کا رخ نہیں کیا اگر اس کی فوجیں اس طرف آتیں تو نہ جانے صورت حال کیا ہوتی۔ تاہم راجہ باز بہادر اکبر سے بھی ٹکرا جانا چاہتا تھا۔

ایک دن صبح کے وقت راجہ ابھی دربار میں برآمد نہ ہوا تھا کہ محل کی دیواروں کے نیچے شور بلند ہوا۔ ایک بوڑھا روتا پیٹتا راجہ کی دہائی دیتا فریاد لے کے پہنچا تھا۔ یہ شور اس کا تھا۔ لوگوں نے اسے بڑا روکا کہ ابھی راجہ کے آرام کرنے کا وقت ہے۔ جب وہ دربار سجائے گا۔ تو آ جانا۔

مگر اس بوڑھے نے کہا اگر راجہ نے سو کر حکومت کرنی ہے۔ تو وہ راجہ کیوں بنا ہے۔ لوگوں پر ظلم ہو رہا ہے اور راجہ آرام کر رہا ہے۔

بوڑھا برابر شور مچا رہا تھا۔ بوڑھے کا شور سن کر راجہ باہر آ گیا۔ اور اس بوڑھے کے قریب تک پہنچ گیا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اسے حوصلہ دیا۔ کہا۔ میاں جی! رونے سے صرف یہ ظاہر ہو گا کہ آپ پر ظلم ہو رہے ہیں مگر یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ ظلم کرنے والا کون ہے؟ مجھے اطمینان سے اپنے مظلوم ہونے کی کہانی سنائیں اور ظالم کا ظلم اور زیادتی ثابت کریں اور پھر آج اور اسی وقت اس کا نتیجہ دیکھیں۔ بوڑھے بابے نے رونا بند کیا۔ اپنے آنسو پونچھے۔ مگر ہچکی بندھی

Marfat.com

رہی۔ اسے پانی پلایا گیا۔

اب بوڑھے بابے نے اپنی داستان غم یوں بیان کی۔ حضور! سپہ سالار شجاعت خان نے میرے گاؤں میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ میرے گاؤں کے لوگوں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ وہ ہمارے ملک کا محافظ تھا اس کی شجاعت کے کارنامے لوگوں نے سن رکھے تھے۔ گاؤں کے مرد اور عورتیں اسے دیکھنے اور سلام کرنے کو آئے۔ ان آنے والی عورتوں میں میری نئی بیاہتا بہو بھی تھی۔ اللہ نے اسے اچھی صورت میں بنایا تھا۔ شجاعت خان نے اسے دیکھا تو اس کی نیت میں کھوٹ آ گیا۔ وہ اسے بازو سے پکڑ کر خیمے میں لے گیا اور اس پر دست درازی کی۔ وہ بیچاری کچھ نہ بولی۔ اور ندی میں ڈوب کر مر گئی۔ اس کے خاوند یعنی میرے بیٹے کی غیرت کو جوش آیا تو تلوار لے کر باہر نکلا۔ لوگوں نے اسے روکنا چاہا۔ تو نوجوان نے وہی تلوار اپنے سینے میں گھونپ لی اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

بوڑھے کی کہانی ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ راجہ بار بہادر کا خون کھولنے لگا۔ کہا بابا جی! بس کریں۔ اب مجھے مزید نہ تڑپائیں۔ راجہ باز بہادر نے اسی وقت شجاعت خان کو بلایا۔ اور کہا اے شجاعت خان اگر ہمت ہے تو اس ظلم کی داستان کی تردید کرو یا صفائی پیش کرو۔

یہ وہی شجاعت خان تھا جس کے اباؤ اجداد نے مالوے کے تخت کو اپنی ہڈیوں پر قائم کیا تھا۔ آج راج دربار میں مجرموں کی طرح کھڑا تھا۔ درباریوں پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ کس کی مجال تھی جو راجے کے سامنے لب کشائی کرتا۔ شجاعت خان مجرم تھا اس لیے خوف سے کانپ رہا تھا۔

راجہ نے گرج کر کہا شجات خان! اس ظلم کی داستان میں میرے نزدیک تمہاری آنکھوں کا زیادہ قصور ہے۔ اس میں حیا کی روشنی نہیں ہے۔ ان میں حسن پرستی کی چمک زیادہ ہے۔ نہ جانے یہ کس کس حسن کو برباد کرنے پر ابھارتی رہیں۔ یہ آنکھیں اب شجاعت خان کے سر میں نہیں رہنی چاہئیں۔ میں حکم دیتا ہوں کہ شجاعت خان نے جن آنکھوں سے ایک عورت کو بری نیت سے دیکھا ہے وہ نکال کر چھین لی جائیں۔

شجاعت خان ساکن وساکت کھڑا تھا۔ جلاد آگے بڑھا۔ اس نے ایک بار راجہ کی طرف دیکھا۔ راجا کڑکا۔ دیکھتے کیا ہو۔ جلدی کرو۔ اس کی آنکھیں نکال کر اسے اندھا کردو۔ وہ سپہ سالار ہے تو کیا ہوا۔ انصاف کی نگاہ میں وہ مجرم سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں ایک اچھے سپہ

Marfat.com

سالار سے محروم ہو جاؤں گا۔ مگر انصاف سے میرے ملک کے حسن کی مانگ سجی رہے گی آئندہ کوئی گندی نگاہ سے کسی کو دیکھ نہ سکے گا۔

اب وہ جلاد آگے بڑھا اور آن واحد میں شجاعت خان کی دونوں آنکھیں کھینچ نکالیں۔

اسلام نے عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ مگر موجودہ تہذیب اسے بازار میں لے آئی ہے۔ جس کے باعث اس کی عزت و عصمت غیر محفوظ ہو گئی۔ عورت کے اغواء کے جرائم کی تعداد بڑھنے لگی ہے۔ اگر عورت گھر کی چار دیواری سے باہر آنے پر مجبور ہو گئی ہے تو حاکم وقت بھی اتنا مضبوط ہونا چاہئیے تھا۔ کہ وہ اس کی آنکھ کی روشنی سلب کر سکتا جو ملک کی بیٹی کو بیٹی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ماہنامہ نور التعلیم جنوری 1960ء
گورنمنٹ فارمل سکول گکھڑ

Marfat.com

تصویریں

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کا دور خلفائے راشدین کے دور میں رنگا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے دور حکومت میں کسی بھی بے حیائی کو پسند نہیں کیا۔ چنانچہ آپ کو پتہ چلا کہ عورتیں اور مرد ایسے حماموں میں جا کر نہاتے ہیں جہاں پردے کا اہتمام نہیں ہے۔ آپ نے ایسے تمام حمام بند کرنے کے احکام جاری فرما دیئے۔ علاوہ ازیں عورتوں کے لئے یہ حکم بھی تھا کہ وہ حماموں میں قطعاً نہیں جا سکتیں خواہ وہاں پردے کا اہتمام بھی ہو وہ اپنے گھروں میں ہی نہایا کریں گی۔

دوسری بات اس حکم میں یہ تھی کہ اس حکم پر عمل کرنے کی تاریخ کا تعین نہ تھا۔ کہ یہ حکم ہفتے یا دو ہفتے کے بعد نافذ العمل ہو گا۔ یعنی آپ اسی دن سے اس پر عمل ہوتا دیکھنا چاہتے تھے۔

اس حکم سے حماموں کی آمدنی پر فرق پڑا۔ مالکوں نے اپنی محفلوں میں شکوہ و شکایت کیا۔ اور بعض رنگین طبع لوگوں نے شکوہ کرنے والوں کی ہاں میں ہاں ملائی تاہم ملک کی بیشتر آبادی نے اسے سراہا بھی اور پسند بھی کیا۔

ایک بار ایک عام آدمی کی حیثیت سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ ایک حمام میں گیا۔ تاکہ یہ دیکھ سکے کہ اس کے احکام پر کہاں تک عمل ہوا ہے۔ اس حمام میں کوئی بھی عورت نہانے والی نہ تھی۔ مزید یہ کہ حمام کے مالک سے کہا۔

میں ایک مسافر ہوں۔ میری بیوی کو نہانے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے ہاں عورتوں کے نہانے کا باپردہ انتظام ہے تو میں اسے لے آؤں۔ آپ کے منہ مانگے دام آپ کو ملیں گے۔

حمام والے نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر انکار کر دیا۔ ہمارے امیر المومنین نے اس کام کو جرم قرار دیا ہے ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ یہاں سے نکلا اور ایک دوسرے حمام میں چلا گیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ اس حمام کی دیواروں پر مردوں اور عورتوں کی ایسی تصویریں بنی ہوئی ہیں جن سے شیطانی خیالات کی تشہیر ہوتی تھی۔

دوسرے دن امیر المومنین کے دربار میں تین آدمی پیش کئے گئے۔

Marfat.com

پہلے حمام کا مالک، دوسرے حمام کا مالک، مصور (جس نے دوسرے حمام میں تصویریں بنائی تھیں)

پہلے حمام کے مالک کو انعام سے نوازا گیا۔

دوسرے حمام کے مالک سے کہا کہ تم نے دکان کی رونق کو چمکانے کے لئے ایسی تصویریں کیوں بنوائی ہیں جن سے انسان کے ذہن میں پراگندگی پیدا ہوتی ہے۔ انسانی ذہن میں افعال بد کی تحریک پیدا کرنا ایک جرم ہے۔ لہٰذا تمہیں اس جرم کی سزا دی جائے گی۔

حمام کا مالک کانپ گیا۔ عرض کیا حضور معاف فرمادیں میں آج ہی ان تصویروں پر برش پھروا دیتا ہوں۔

مگر تم نے آج سے پہلے یہ برش کیوں نے پھروایا۔ اور پھر ان ذہنوں پر تم برش کیسے پھیرو گے جنہیں تم پراگندہ کر چکے ہو۔

اس مالک کو پانچ کوڑوں کی سزا دی گئی۔

اب مصور سے گفتگو ہوئی۔ کہ اس نے آگ بھڑکانے والے فیتے کو دیا سلائی کیوں سنگھائی جس سے بے حیائی اور اخلاق سوزی کو تقویت ملتی ہے؟

اس نے کہا۔ حضور! میں تو ایک مزدور ہوں جیسا کوئی کہتا ہے میں کام کر دیتا ہوں۔

خلیفہ نے کہا۔ مزدوری پر اگر تمہیں بندہ قتل کرنے کو کہا جائے تو کر دو گے۔ اور مزدوری پر ہی تمہیں کسی کے مکان کو آگ لگانے کو کہا جائے تو کیا تم ایسا کر گزرو گے۔

حضور! ایسی مزدوریاں کرنے والے مزدور بھی ہیں۔

تو ایسے مزدور اگر پکڑے جائیں تو سزا مزدوری کرنے والے کو ہو گی یا کام کروانے والے کو۔

ظاہر ہے جو پکڑا جائے گا اسے ہی ہو گی۔

خلیفہ نے کہا۔ مگر میرے نزدیک دونوں سزا کے مستحق ہیں۔ آپ والے جرم میں ایک کو سزا ہو چکی۔ اب تمہاری باری ہے۔ تمہیں بھی پانچ کوڑے مارے جائیں گے۔

اس سے کیا ہوا معاشرہ میں پاکیزگی آ گئی۔

ہم اپنے معاشرے کو اسلامی معاشرہ کہنے کے دعوے دار ہیں مگر اخلاق سوزی کی دعوت دینے والے مناظر اور ان کے نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ہمارے ٹی۔ وی پروگرام۔ اور اخبارات و جرائد اپنا بھرپور کام کر رہے ہیں۔ مگر کسی حاکم وقت کی سیرت میں عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کی صفات پیدا نہیں ہو سکیں۔ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

عامل

ایک سرکاری عامل کو کسی نہایت ضروری کام کی غرض سے کہیں جانا تھا۔ سواری اس کے پاس نہ تھی۔ وہ پیدل ہی چل دیا۔ کہ رستہ میں اسے ربیعہ شعوذی ملا۔ جو اپنے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔

عامل نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی کہا۔

مجھے سرکاری کام کی غرض سے جلدی جانا ہے۔ لہٰذا تم یہ گھوڑا میرے حوالے کر دو۔ کچھ دیر کے بعد تمہیں گھوڑا واپس مل جائے گا۔

ربیعہ شعوذی ایک ذمی شخص تھا۔ انکار نہ کر سکا۔ تاہم یہ ضرور کہا کہ وہ اپنے بیمار باپ کے لئے حکیم کو لینے جا رہا تھا۔ میں آپ کی واپسی تک یہیں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔ اور گھوڑا عامل کے حوالے کر دیا۔

ہاں ہاں۔ آپ یہیں رکیں۔ میں بڑی جلدی آجاؤں گا۔ عامل نے کہا اور گھوڑا لے کر چلا گیا۔

ربیعہ انتظار میں کبھی بیٹھ جاتا۔ کبھی لیٹ جاتا اور کبھی کھڑا ہو جاتا صبح سے دوپہر اور دوپہر سے عصر کا وقت ہو گیا مگر وہ عامل واپس نہ آیا۔ اس دوران کتنے ہی لوگوں کا ادھر سے گزر ہوا۔ کچھ تو خاموشی سے گزر گئے۔ اور کچھ نے ربیعہ سے اس لمبی انتظار کی وجہ پوچھی۔

اس کے جواب میں اس نے بس یہی کہا کہ سرکاری عامل اس کا گھوڑا کچھ دیر کے لئے لے گیا ہے۔ مگر پوری دیہاڑی گزر گئی ہے۔ نہیں آیا۔ نہ جانے میرے باپ کا کیا حال ہے۔ وہ سخت بیمار ہے اس کے لئے معالج لینے کے لئے میں جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے عامل کی اس حرکت کو پسند نہیں کیا۔ انہوں نے دوسرے لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا یوں آہستہ آہستہ یہ خبر خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچ گئی۔

امیر المومنین نے اسی وقت ربیعہ شعوذی کے پاس قاصد بھیجا۔ کہ جونہی عامل آئے اسے میرے ہاں آنے کا پیغام دے۔ اور خود (ربیعہ شعوذی) بھی میرے پاس آئے۔

Marfat.com

جب عامل واپس آیا تو ربیعہ شعوذی نے امیر المومنین کا پیغام اسے دے دیا۔ عامل چونکہ سرکاری کام کی غرض سے گیا تھا۔ اس لئے اسے یہی گمان ہوا کہ اس کے کام کے متعلق کوئی بات پوچھنی ہوگی۔ مگر جب وہ خلیفہ کے ہاں پہنچا تو اس کا یہ گمان غلط ثابت ہوا۔ خلیفہ کا غصہ تو ایک عتاب بنا ہوا تھا۔ اتنے میں ربیعہ بھی آ گیا۔

اولاً خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ اس کے باپ کا کیا حال ہے؟

ربیعہ نے کہا بس موت وحیات کی کشمکش میں ہے۔

خلیفہ نے اس کی صحت کی دعا کی۔ اب اس عامل سے پوچھا کہ اس نے اس کا گھوڑا کیوں لیا۔ عامل کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس کی زبان پر لفظ نہیں آ رہے تھے۔ چپ کے تالے لگے ہوئے تھے۔ خلیفہ نے گرج کر پوچھا۔

میرے سوال کا جواب مجھے کیوں نہیں مل رہا۔

عامل نے عرض کیا۔ حضور! سرکاری کام کی غرض سے مجھے جلدی جانا تھا لہٰذا میں نے اس سے سواری مانگ لی۔

تمہیں اس کی ضرورتوں کا خیال نہ رہا۔ اس کے سارے کام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس نے تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ اس کا باپ بیمار ہے وہ معالج کو لینے جا رہا ہے۔ مگر تم نے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ عامل کو تو دوسرے لوگوں کا خادم بن کے رہنا چاہئے اور تم نے اس کے مقابلے میں ظالم ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

عامل نے ہاتھ باندھ دیئے۔ عرض کیا۔ حضور! معاف کر دیا جائے۔ آئندہ ایسی غلطی مجھ سے نہ ہو سکے گی۔

تمہیں بحیثیت انسان یہ پتہ چل گیا تھا کہ تم اس سے گھوڑا لینے کی غلطی کر رہے ہو۔ اور پھر بحیثیت عامل تمہارا یہ فرض بنتا تھا کہ تم ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کرو نہ کہ ان کے حقوق غصب کرو۔

عامل ابھی تک ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ جونہی خلیفہ چپ ہوتا عامل یہی عرض کرتا حضور! معاف فرما دیں حضور! معاف فرما دیں۔

اب خلیفہ نے کہا معافی صرف اس حد تک ہے کہ میں تمہیں نوکری سے برخاست نہیں

Marfat.com

کرتا مگر اس جرم کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔

اب ربیعہ سے پوچھا گیا۔ کہ گھوڑا اس نے عامل کے مانگنے پر بخوشی دیا تھا یا اس سے چھین کر لے گیا۔

عرض کیا۔ گھوڑا دینے میں میری خوشی تو نہ تھی البتہ مجبوری ضرور شامل تھی۔ اور اس مجبوری میں بھی ایک سرکاری اہل کار کی اہم ضرورت پیش نظر تھی۔

کیا تمہارے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ اگر تم نے اسے گھوڑا نہ دیا تو وہ تمہیں کسی وقت بھی تنگ کر سکتا ہے؟

یہ خیال تو ہم زمیوں کو ہر وقت ہی رہتا ہے۔

خلیفہ نے کہا تو تم نے ایسے عامل کی شکایت کیوں نہیں کی؟

عرض کیا حضور! میں تو جنگل میں تھا۔ اگر گھر میں ہوتا تو شکایت ضرور کرتا۔

پھر بھرے دربار میں عامل کو چالیس درے لگائے گئے۔

اس زمانہ میں کوئی بھی سواری اس کے مالک سے لی جا سکتی ہے۔ انکار اس کی زبان پر آ ہی نہیں سکتا۔ اگر انکار ہو بھی گیا تو وہ اہل کار کی طرف سے معتوب ہوتا رہے گا۔ اس کے علاوہ بسیں اور ویگنیں محض اس بنا پر قبضے میں کر لی جاتی ہیں کہ صدر یا وزیر نے جلسہ سے خطاب فرمانا ہے۔ ان کی سواریاں اتار دی جاتی ہیں اور گاڑیاں تھانوں میں روک دی جاتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں مسافر سڑکوں پر دھکے کھانے کو رہ جاتے ہیں۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

رشوت

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم

اقبال

Marfat.com

تحفہ

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کا ایک خادم بازار سے سیب خرید رہا تھا۔ کہ ان (عمر بن عبد العزیز) کا عم زاد اچانک آ گیا۔ خادم سے پوچھا۔

یہ سیب کس لئے خرید رہے ہو؟

خادم نے عرض کیا امیر المؤمنین کا دل سیب کھانے کو بے تاب ہوا تو انہوں نے مجھے بھیج دیا۔

خلیفہ کے بھائی نے کہا۔ ٹھہرو یہ سیب اچھے نہیں ہیں۔ تم ان کے ذوق خواہش سے بھی واقف نہیں ہو۔

وہ اس خادم کو سیبوں کی منڈی میں لے گیا۔ اور اعلیٰ قسم کے سیبوں کا ایک ٹوکرا لے کر دے دیا۔

جونہی امیر المؤمنین نے خادم کے سر پر سیبوں کا ٹوکرا دیکھا تو فرمایا میں نے تو بہت تھوڑے پیسے دیئے تھے۔ اتنے سارے اور عمدہ سیب کیسے آ گئے۔

خادم نے عرض کیا آپ کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے ہدیہ کے طور پر یہ سیب آپ کو بھیج دیئے ہیں وہ کہتے تھے۔ یہ سیب بہت اچھے ہیں۔ ان کی خوشبو بھی بڑی اچھی ہے۔ اور رنگ بھی بڑا پیارا ہے۔ گویا جو جو تعریفیں خلیفہ کے عم زاد نے کی تھیں وہی خادم نے دھرا دیں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا دیکھو عمرو (عمرو مہاجر خادم کا نام) یہ ٹوکرا اٹھاؤ اور اس کے پاس لے جاؤ جس نے بھیجا ہے۔ ان سے میرا شکریہ اور سلام کہنا۔ کہ آپ کا ہدیہ بہت اچھا ہے۔ مگر امیر المؤمنین نے شکریے کے ساتھ واپس بھیج دیا ہے۔

خادم نے عرض کیا یہ ہدیہ بھیجنے والا تو آپ کا برادر عم زاد ہے اور وہ آپ کے اہل بیت سے ہے۔ نیز یہ کہ حضور ﷺ بھی ہدیہ قبول فرما لیتے تھے۔ خادم یہ ساری باتیں ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ مگر ان باتوں کے جواب میں اس نے سنا۔

تم پر حیف ہے۔ ہدیہ تو حضور ﷺ کے لئے ہدیہ تھا۔ ہمارے لئے تو یہ رشوت ہے۔ اور

Marfat.com

رشوت کے بارے میں تم جانتے ہو کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ حاکم کا فرض بنتا ہے کہ وہ خود بھی آتش دوزخ سے بچے اور رعایا کو بھی بچائے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ تحفہ یا ہدیہ یا رشوت لے کر اپنے برادر عم زاد کو دوزخ میں لے جاؤں۔

ایسے ہدیے اور تحفے قبول کرنے والے آج کے افسروں کو دیکھیں کہ ان کے دامن میں کہیں رشوت تو نہیں لپٹی ہوئی ہے۔ یاد رہے تحفے کے بدلہ میں تحفہ دینا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں جو لوگ ایسے تحفے قبول کرتے ہیں اگر وہ اپنے عہدے پر نہ ہوں تو کیا پھر بھی انہیں تحفے تحائف مل پائیں گے اگر ایسا نہیں تو یہ رشوت ہی ہے۔

روشنی از مولانا سید محمد متین ہاشمیؒ

Marfat.com

تحفے

خیبر فتح ہو گیا تو خیبر کی ہر چیز مسلمانوں کی ملکیت بن گئی۔ وہ چاہیں تو اپنے تصرف میں لائیں۔ چاہیں تو فروخت کر دیں یا کسی کو بخششیں میں دیدیں۔ خیبر کی زمینیں حکومت مدینہ کی ملکیت میں آ گئی تھیں۔ یہودی کاروباری لحاظ سے بالکل مفلوج ہو گئے۔

اب یہودیوں کے سردار حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ! ہمارے پاس تو اب کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے۔ نہ زمین ہے نہ کاروبار۔ ہم اپنی زندگی کیسے گزاریں گے۔ خود کیا کھائیں گے بچوں کو کیا کھلائیں گے۔

آپ ﷺ نے پوچھا۔ تم کیا چاہتے ہو؟

یارسول اللہ (ﷺ) ہم چاہتے ہیں خیبر کی زمین ہمارے پاس حسب سابق رہنے دیں۔ ہم جو فصل کاشت کریں گے اس کی نصف پیداوار آپ کو دیدیا کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات مان لی۔

پیداوار کا نصف حصہ بٹوانے کے لئے حضور نبی کریم ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کرتے تھے۔ آپ فصل کی کٹائی کے موقعہ پر جاتے۔ ساری پیداوار کے دو حصے بنادیتے۔ اب ان سے فرماتے جون سا حصہ تم لینا چاہو لے لو۔

یہودیوں میں رشوت دے کر سرکاری حکام سے فائدہ اٹھانے کی عادت تھی۔ انہوں نے یہاں بھی اس عادت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیشہ میں اتارنا چاہا۔ ان سب نے مل کر پیسے اکٹھے کئے۔ عورتوں کے زیورات بھی اس فنڈ میں جمع کئے گئے۔ چنانچہ پیداوار کی بٹائی کے موسم میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر میں تشریف لائے تو انہوں نے یعنی یہودی سرداروں نے وہ جمع شدہ مال لا کر ان کی خدمت میں ڈھیر کر دیا۔

آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟

Marfat.com

کہنے لگے۔ اے نبی اللہ (ﷺ) کے سفیر۔ یہ آپ کا مال ہے۔ آپ ایک افسر ہیں۔ یہ تحفے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں آپ انہیں قبول فرمالیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ مجھے یہ تحفے کس بنا پر دیئے جا رہے ہیں۔ میں تو بس رسول اللہ ﷺ کا ایک ایلچی ہوں۔ ایک خدمت مجھے سونپی گئی ہے جسے میں بہر طور پوری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر یہ تحفے قبول کرنا میرا حق نہیں بنتا۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں آخر یہودی سرداروں سے گفتگو ہوئی تو وہ کہنے لگے۔ یہ لوگ آپ کے حسن سلوک پر خوش ہیں اس خوشی کے اظہار میں وہ آپ کو اپنی طرف سے تحائف دے رہے ہیں۔ آپ کے نبی فرماتے ہیں تحفے قبول کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مگر تحفے قبول کرنے کے ساتھ ساتھ تحفے دینے کی بات بھی تو حضور ﷺ نے فرمائی ہے۔ اگر میں یہ تحفے قبول کروں تو انہیں اپنی طرف سے کیا تحفے دوں گا۔ میرے پاس تو کچھ بھی تحفے دینے کو نہیں ہے۔

سردار کہنے لگے۔ ان تحفوں کا بدلہ آپ یوں بھی دے سکتے ہیں کہ آپ پیداوار کی بٹائی میں جو حصہ لیتے ہیں وہ تھوڑا سا کم لے لیں۔ یہ انہیں فائدہ ہو جائے گا۔ گویا یہ آپ کی طرف سے ان کے لئے تحفہ ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً چونکے وہ تحفہ میری طرف سے کیسے ہو گا۔ میں تو اس مال کا مالک نہیں ہوں۔ وہ مال تو مسلمانوں کی امانت ہے۔ یہ تو کھلی کھلی رشوت ہے۔ آپ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ چہرے پر مومنانہ جلال ایک شعلہ جوالہ بن کر کوندنے لگا۔ فرمایا۔

یہودیو! قسم ہے خدائے واحد و لایزال کی خدا کی ساری مخلوق میں مجھے تم سب سے زیادہ مبغوض لگتے ہو۔ مگر البغض مجھے تمہارے ساتھ ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ رشوت کی جو رقم میرے سامنے پیش کر رہے ہو۔ تو سن تو یہ حرام ہے بالکل اسی طرح جس طرح کہ خنزیر حرام ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ جو حرام کے قریب تک بھی نہیں جاتے۔ اس لئے کہ ہمارے نبی ﷺ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ رشوت دینے والے پر اس لئے کہ وہ رشوت لے کر جرم کی اعانت کرتا ہے اور جرم کی اعانت کرتا ہے اور جرم کی اعانت قانوناً و اخلاقاً دونوں حیثیت سے منع ہے۔

Marfat.com

یہودی سرداروں نے اچھے اخلاق و کردار کی اعلیٰ بات سن کر سر جھکا لئے پھر کہنے لگے۔ کہ یہی وہ انصاف ہے جس سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

آج ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہے۔ جائز کاموں پر بھی اور ناجائز کاموں پر بھی رشوت لینا اپنا حق سمجھا جاتا ہے۔ کام کرانے والے لوگ اہل کاروں کے ہاں مختلف انداز میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں۔ اپنی بعض تقریبات میں بلاتے ہیں۔ خوب پروٹوکول دیتے ہیں۔

ایسے مفادات اور تحفے سب حرام ہیں۔ اس حرام کے پیسے سے گھر کے ہر فرد کے لئے حرام کا لقمہ تیار ہوتا ہے اور پھر اس لقمے سے افراد خانہ کی جسمانی تعمیر ہوتی ہے۔ تو اندازہ کریں اب۔

کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

ہمارے اسلاف نے حرام کے پیسے سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کی ہے۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

تحفوں کا مال

جب زکوٰۃ کا نظام نافذ ہوا تو قبیلہ ازد کی زکوٰۃ کو جمع کرنے کے لئے حضرت ابن اللبیہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ جب وہ زکوٰۃ جمع کر کے مدینہ پاک میں واپس پہنچے تو اس مال میں دینار و درہم کے علاوہ اونٹوں کی قطاریں تھیں۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تھے اور شہد کے کپے بھرے ہوئے تھے۔ لوگوں کا اندازہ یہ تھا کہ اگر اس مال کو سارے اہل مدینہ میں بانٹ دیا جائے تو ہر شخص کے حصے میں مہینوں کا خرچہ آسکتا تھا۔ مدینہ کے غریب لوگ یہ مال دیکھ کر بڑے خوش تھے۔ کہ جب حضور نبی کریم ﷺ لوگوں میں یہ مال بانٹیں گے تو ہماری غربت امارت میں بدل جائے گی۔ واقعۃً مسجد نبوی شریف میں غلے، اور دینار و درہم کے ڈھیر لگے ہوئے تھے مسلمانوں نے زکوٰۃ کے نظام کی بڑی تعریف کی۔ کہ اس میں مصلحت یہی ہے کہ امیروں سے مال لے کر غریبوں کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ تاکہ چند ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز نہ رہے۔ اور سائل و محروم لوگوں کو ان کا حق ملتا رہے۔ اس طرح مال میں بڑھوتری ہوتی ہے۔ اور معاشرے کے افراد کے درمیان اخوت۔ محبت۔ مواخات۔ ہمدردی اور بھائی چارہ کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ دنیا کے تمام معاشی مسائل کا حل دولت کی منصفانہ تقسیم میں ہے۔ اور زکوٰۃ کا نظام اس منصفانہ تقسیم کا پیش خیمہ ہے۔

یہی وجہ تھی کہ مدینہ کے فقراء یہ مال دیکھ کر بڑے خوش تھے۔ کہ ان کے حصے کا مال انہیں کل تک مل جائے گا۔ حضور ﷺ اس مال کے ڈھیروں میں پھر رہے تھے۔ تو بڑے مسرور نظر آتے تھے۔ آپ حضرت ابن اللبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفر کے حالات اور زکوٰۃ لینے میں دقتوں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ کہ اچانک حضور ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا جب ابن اللبیہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اس سارے مال میں سے آدھا میرا ہے۔

آپ نے خفگی کے عالم میں پوچھا کیسے؟

عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آدھا مال وہ ہے جو مجھے قبیلہ ازد کے لوگوں نے تحفے

Marfat.com

دیئے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تم کو زکوٰۃ جمع کرنے کے بغیر وہاں بھیجا جاتا۔ یا تم گھر میں ماں باپ کے پاس بیٹھے رہتے تب بھی تمہیں ایسے تحائف ملتے تھے۔

ابن اللتبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ کھڑے تھے۔ ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ واقعۃً ایسے تحائف انہیں آج تک نہیں ملے ہیں۔ اور نہ ہی بغیر عامل زکوٰۃ کے اب مل سکتے ہیں۔ ابن اللتبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے کوئی لفظ بھی ادا نہیں ہو رہا تھا۔

حضور ﷺ نے مسجد میں کھڑے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لوگو! سن لو۔ یہی رشوت ہے۔ خبردار ایسا مال نہ لینا۔ نہ دینا۔ تاکہ قیامت کے دن تم اس حال میں اللہ کے سامنے حاضر کئے جاؤ کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ۔ گائے اور بکری سوار نہ ہو۔ یعنی عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھانا یہ بھی رشوت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تیرا حکم تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔

آج سرکاری عہدے دار ان کے کام میں کمیشن اور حصے لیتے ہیں۔ اور پھر ان حصوں کی بانٹ ہوتی ہے۔ سرکاری گاڑیاں اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ ٹیلیفون اور بجلی کا استعمال محض ذاتی ضروریات کے تحت استعمال کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ساری صورتیں رشوت کی ہیں۔ اور رشوت دینے والا حضور کے فرمان کے مطابق جہنمی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمادے۔

روشنی از مولانا حضرت سید محمد متین ہاشمیؒ

Marfat.com

رشوت

سلیمان کے وقت اندلس میں ایسی طوائف الملوکی پھیلی کہ قرطبہ کے رہنے والوں کی زندگی اجیرن بن گئی۔ ہر شخص دوسرے کے ہاتھ لٹ رہا تھا۔ شکایت کرنے والوں کو شکایت کی بھاری قیمت دینا پڑتی تھی۔ آخر لوگوں نے سلیمان سے پیچھا چھڑانے کے لیے بات چیت کی کچھ لوگوں نے کہا حکمران بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ کیا خبر دوسرا حکمران اس سے بھی زیادہ لاپرواہ ہو۔ اپنے آپ میں جُرأت پیدا کرو۔ اور بے قاعدگیاں کرنے والوں کے ہاتھ پکڑلو تاکہ برائی کی رفتار ست ہو۔

دوسرے شخص نے کہا۔ ایسا کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ملک کی اصل قوت تو سلیمان کے پاس ہے۔ جسے پکڑو گے اس کا فیصلہ تو سلیمان نے ہی کرنا ہے۔ جب تک وہ دلچسپی نہیں لے گا یہ نیچے والے کارندے یونہی اپنی من مانیاں کرتے رہیں گے۔

آخرانہوں نے خفیہ طور پر افریقہ کی حکومت سبتہ کے حاکم علی ابن محمود سے رابطہ قائم کیا۔ اور قرطبہ کی باگ ڈور سنبھالنے کی دعوت دی۔

علی ابن محمود کو اور کیا چاہیے تھا۔ قرطبہ کا تخت اسے بغیر جنگ کیے مل رہا تھا۔ عوام کے دل اسے چاہ رہے تھے۔ مگر وہ اتنا غیر دانش مند نہ تھا کہ فوراً قرطبہ کی طرف چل پڑے۔ اس نے کچھ خفیہ نویس بھیجے تاکہ وہ وہاں کے حالات کا درست جائزہ لے کر اسے اطلاع دیں۔

ان خفیہ نویسوں نے بڑی جلدی اسے اطلاع دی کہ اہل قرطبہ کی دعوت درست ہے۔ یہاں کے حالات بادشاہ کے بالکل خلاف ہیں۔ وہ بذات خود عدم دلچسپی کا شکار ہے۔ رعایا سرکاری مشینری کی چکی میں پسی جارہی ہے۔ سرکاری مشینری کا ہر پرزہ اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتا ہے۔

علی بن محمود پھر بھی ایک منظم فوج کے ساتھ بحری بیڑہ میں سوار ہو کر اندلس کے ساحل پر پہنچ گیا لوگوں نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا۔ بڑھتے بڑھتے جب وہ قرطبہ کے نزدیک پہنچا تو سلیمان کی فوج نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ لوگوں نے اپنے حاکم سلیمان کو اس کے حضور اس

Marfat.com

طرح پیش کیا جیسے کوئی پالتو بھیڑ ہو۔

علی بن محمود آگے بڑھا اس نے سلیمان کو گریبان سے پکڑ لیا۔ کہا۔ جانتے ہو حاکم وقت کے کیا فرائض ہیں۔ دوسرے لمحے اسے زمین پر گرا دیا۔ اور تلوار اس کے گلے پر رکھ دی۔ اور اسے بھیڑ کی طرح ذبح کر کے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اور خود علی ابن محمود الناصرالدین اللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

علی بن محمود نے جب زمام اقتدار سنبھالی تو ملک کی حالت بڑی خراب تھی۔ لوگوں کے عام اجتماع میں کہا۔ میں دیکھ رہا ہوں ملک کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دیا گیا ہے۔ عوام وہی ہیں۔ کمانے والے ہاتھ وہی ہیں۔ اور پیداواری وسائل بھی وہی ہیں۔ تو پیداوار کدھر گئی۔ پیداوار کون لے گیا۔ لوگ کیوں بھوکے مرنے لگ گئے۔ ہم نے اس سٹور کا پتہ لگانا ہے جہاں ملک کی دولت جمع ہو چکی ہے۔ اس سٹور تک جانے والے راستوں کا مجھے خوب علم ہے۔ میں بالکل تھوڑے دنوں میں ان راستوں پر آنے جانے والوں کا پتہ لگا لوں گا۔

جو لوگ یہاں ہیں وہ کان کھول کر سن لیں اور جو نہیں ہیں ان کو بتا دیں کہ آج کے بعد جس نے بھی کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی اور دوسروں کا حق مارا اسے خوفناک سزا دی جائے گی۔

ملک کی دولت لوٹنے والوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہر نیا حکمران ایسی ہی باتیں کیا کرتا ہے۔ مگر عمل کوئی نہیں کرتا۔ یہ بھی تو انہی لوگوں کی طرح ضروریات اور خواہشات رکھتا ہے۔ مگر نہیں علی ابن محمود نے وہ کچھ کر دکھایا جو اس نے کہا تھا۔

وہ لباس بدل کر شہر میں پھرا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک فوجی سپاہی گھوڑے پر انگوروں کا ٹوکرا لادے جا رہا تھا۔ علی ابن محمود کی نظر اس پر پڑی اس نے اسے روک لیا۔

پوچھا۔ آپ کے ٹوکرے میں کیا ہے؟

اس نے عرض کیا۔ انگور لیے جا رہا ہوں۔

پوچھا۔ انگور آپ نے کہاں سے لیے ہیں؟ کیا آپ کا کہیں انگوروں کا باغ ہے؟

نہیں حضور۔ باغ تو نہیں ہے۔

تو پھر یہ انگور آپ کو کہاں سے مل گئے۔ کیا کسی باغ والے کے ساتھ آپ بٹائی پر کام کرتے ہیں؟

Marfat.com

نہیں۔ایسا بھی نہیں مگر آپ یہ سب کچھ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔

مجھے تم بڑے دلچسپ آدمی لگتے ہو۔ آپ کی باتوں میں کتنی صداقت اور مٹھاس ہے۔اگر تم مجھے بتادو کہ آپ نے انگور کہاں سے حاصل کیے ہیں تو شاید میں بھی وہاں سے انگور خرید لوں۔ کس بھاؤ سے آپ کو یہ انگور ملے ہیں؟

دیکھئے صاحب میں سپاہی ہوں۔میں کہیں سے بھی کوئی چیز لے سکتا ہوں۔

قیمتاً یا مفت۔

جناب ہمیں چیزیں خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔ بس جدھر جائیں جو چیز چاہیں لے لیتے ہیں۔ ہمیں کون روکتا ٹوکتا ہے۔

یہ لوگ جن سے آپ چیزیں لے آتے ہیں خوشی سے دیتے ہیں یا ناراض ہو کر۔

ناراض تو نہیں ہوتے مگر خوش بھی نہیں ہوتے۔ بس ایک وطیرہ سا بن گیا ہے۔انہیں پیسے مانگنے کی عادت نہیں اور ہمیں پیسے دینے کی نہیں ہے۔

علی ابن محمود جو کہ لباس بدل کر ایک عام شہری کی حیثیت سے باتیں کر رہا تھا۔ کہنے لگا۔ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں علی ابن محمود ہوں۔ قرطبہ میں وقت کا حکمران ہوں۔ آپ نے میرا اعلان ضرور سنا ہو گا۔ کہ جس کسی نے بھی کسی پر کوئی ظلم وزیادتی کی اسے خوفناک سزا دی جائے گی۔ تم نے میرے اس اعلان کی پروا نہیں کی۔اب تم سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سپاہی نے ہاتھ باندھ دیئے حضور! ایک بار معاف فرمادیں۔اب ہرگز نہیں ہو گا۔

نہیں۔ایسی رعایتوں نے ہی تمہیں ایسے کاموں کے لیے دلیر بنایا ہے۔ بادشاہ آگے بڑھا اس نے سپاہی کو گھوڑے سے گھسیٹ کر نیچے گرادیا خدام جو کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔انہیں بلایا۔ کہا اس کی گردن اڑادو۔اور اسے انگوروں والے ٹوکرے میں رکھ کر سارے شہر میں پھیراؤ جبکہ اس کا جسم گھوڑے کی پشت سے بندھا رہے۔اور لوگوں کو بتادو کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو رعایا پر ظلم اور زیادتی کرتا تھا۔

دوسرے لمحے ایک چمکدار تلوار نیام سے باہر نکلی ہوا میں لہرائی اور سپاہی کی گردن کو کاٹتی ہوئی گزر گئی۔ پھر جیسا علی ابن محمود نے کہا تھا ایسا ہی کیا گیا۔

ظاہری طور پر یہ ایک بہت بڑی سزا تھی۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ پھر کسی کو رشوت لینے

Marfat.com

اور زیادتی کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔

اس کے مقابلے میں ان ملکوں پر نظر ڈالو جہاں سزا کا خوف نہیں ہے۔ رشوت اور سفارش سے کام نکلوا لیے جاتے ہیں۔ وہاں انسداد رشوت ستانی کے لیے قوانین بنتے ہیں۔ آرڈیننس وغیرہ نافذ ہوتے ہیں۔ سپیشل سٹاف مقرر ہوتا ہے۔ مگر یہ رشوت کا کاروبار اس آزادی کے ساتھ چل رہا ہے کہ الامان والحفیظ

بس جرأت کرنے کی ضرورت ہے۔ جرأت کا ایک قدم بے جراتی کی ساری زندگی سے بہتر ہے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

پیش بندیاں

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

اقبال

Marfat.com

تحفظ

علاؤالدین خلجی 1296ء میں تخت ہندوستان پر بیٹھا۔ تخت سنبھالتے ہی اس نے اپنی رعایا سے دو باتیں کیں۔

1۔ کوئی شخص اپنے گھر کو تالا نہیں لگایا کرے گا۔ اگر کسی کا سامان چوری ہوا تو وہ مجھ سے آ کر اس کی مالیت کی رقم وصول کرے گا۔

اس سلسلے میں اس نے انتظامیہ کو چوکس کیا کہ جس کے علاقہ میں چوری کی واردات ہو گی۔ وہ اس کا ذمہ دار ہو گا۔ اور نقصان سے دوگنا مال اس حاکم سے وصول کیا جائے گا۔

2۔ دوسری بات یہ کہ کوئی شخص کم سودا تول کر نہیں دے گا۔ جتنا کسی کا تول کم ہو گا اس کے جسم سے اتنا گوشت کاٹ کر ترازو کے پلڑے برابر کئے جائیں گے۔

1297ء میں جب گجرات کاٹھیاواڑ فتح ہوا تو وہاں چوری کی واردات ہوئی علاؤالدین خلجی کا بھائی الف خان خلجی وہیں موجود تھا۔ یہاں کے لوگ کو نیا نیا نظام دیا جا رہا تھا۔ کہ ایک شخص الف خان خلجی کے پاس آیا کہ علاؤالدین خلجی نے یہ اعلان کیا تھا کہ کوئی شخص گھروں کو تالے نہیں لگائے گا۔ چونکہ اب گجرات اس کی قلمرو میں ہے۔ لہٰذا ہم بھی اس قانون سے فائدہ اٹھانے کے حق دار ہیں۔ میرے گھر سے چوروں نے 10 ہزار روپے کی چوری کر لی ہے۔ لہٰذا وعدے کے مطابق میرا نقصان پورا کیا جائے۔

الف خان کے چہرے پر کوئی ملال نہیں آیا۔ اور نہ ہی بہانہ بنایا۔ کہ ہم نے نیا نیا نظام سنبھالا ہے۔ دس ہزار کی رقم اس کے آگے ڈھیر کر دی۔ کہا یہ آپ کا نقصان پورا ہو گیا۔ مگر ہمیں صرف دو دن دیجئے تا کہ یقین کر لیں کہ کیا واقعی آپ کا نقصان ہوا ہے۔

الف خان نے ایک طرف تحقیق حال شروع کی اور دوسری طرف چوروں کا پتہ لگانا شروع کر دیا۔ دوسری شام کا سورج غروب ہونے سے پہلے راجہ کرن بھاگ کے بندے اس چوری میں ملوث پائے اور گرفتار کر کے مال برآمد کیا اور سخت سزا دی گئی۔

Marfat.com

ملک کافور جو گھمائت کا ایک ہندو غلام تھا۔اس واقعہ سے متاثر ہو کر دہلی میں آیا اور مسلمان ہو گیا اور پھر مسلم افواج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔

ادھر دہلی میں ایک بنئے نے چنے کی دال کم وزن میں دے دی۔ شکائت ہوئی حکومت کے کارندے آئے انہوں نے اس کی ران سے بوٹی کاٹ کر دال والے پلڑے میں رکھ دی۔ وہ چیختا چلاتا رہا۔ کہ میں دگنی دال دینے کو تیار ہوں۔ مگر قانون پر عمل کرنے والوں نے ایک نہ سنی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باٹ اور ترازو درست کر لئے گئے۔ اور پورے تول تولے جانے لگے۔ اور زندگی کے دوسرے معاملات بھی درست ہو گئے۔

رعایا کو تحفظ ملا۔ ملک اندرونی سازشوں سے بچ گیا۔ اور تاتاریوں کا ہر حملہ ناکام ہو گیا۔

ہر حکمران کے پاؤں دو قوتیں کھینچتی رہتی ہیں۔ اندرونی قوتیں اور بیرونی قوتیں۔ اندرونی قوتیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ اور دکھائی بھی نہیں دیتیں۔ یہ حکمران زیادہ وقت بیرونی قوتوں سے پنجہ آزمائی میں صرف کرتے ہیں۔ اور اندرونی حالات بگڑتے رہتے ہیں۔

سمجھدار حاکم اندرونی حالات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ انتقام کے جذبے سے نہیں ان کے حقوق کی حفاظت کرنے پر۔ کاش ہم اسلاف کے کارناموں سے کچھ سیکھ پائیں۔

ہمارے حکمران از محمد نعیم میاں

Marfat.com

شکایتیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں آپ تک مختلف گورنروں کی شکایتیں پہنچیں۔ تو آپ نے حضرت محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا۔

آپ خفیہ طور پر ہر علاقے میں پہنچے۔ اور مختلف لوگوں سے شکایت کے درست ہونے یا غلط ہونے کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں۔ اور گورنروں کو اس بارے میں قطعاً کوئی خبر تک نہیں ہے۔ کہ ان کے بارے میں انکوائری ہو رہی ہے۔ اب ذرا شکایتیں سنیں۔

حاکم مصر کے بارے میں شکایت تھی کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ آدمی اپنی خدمت پر مامور کر لئے ہیں۔ وہ باریک کپڑے پہننے لگ گیا ہے۔ اور دروازے پر دربان رکھا ہوا ہے۔

بصرے کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بارے میں شکایت تھی کہ وہ اپنی کنیز کو اعلیٰ درجے کی غذا کھلاتے ہیں۔

ایک گورنر کے بارے میں شکایت تھی کہ انہوں نے کاروبار حکومت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ جو چاہیں کریں۔

تحقیق کرنے پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف کنیز کو عمدہ کھانا کھلانے والی شکایت درست ثابت ہوئی۔ اس پر حاکم اعلیٰ کی فہمائش کی گئی۔ اور کنیز چھین لی گئی اور دوسری شکایتیں گویا تھیں ہی نہیں۔

تاہم ان شکایتوں سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ شکایتیں درست ہوتیں تو بہر حال قابل اعتراض تھیں۔ اور اسوۂ نبوی ﷺ پر عمل کرنے والے مسلمان انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ اب آپ پر حاکم اعلیٰ کا تقرر کرتے وقت یہ عہد لیتے ہیں کہ وہ قسم کھائے کہ

1۔ میں ترکی گھوڑے کی سواری نہیں کروں گا۔

Marfat.com

2۔ باریک کپڑے کا لباس نہیں پہنوں گا۔

3۔ چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھاؤں گا۔

4۔ میرا دروازہ اہل ضرورت کے واسطے ہر وقت کھلا رہے گا۔

یہ شرطیں تقرری کے پروانے میں تحریر کی جاتی تھیں۔ اور علاقہ کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت عام لوگوں کے سامنے دھرائی جاتی تھیں۔

معاشرہ کو بنانے یا بگاڑنے میں سربراہ ریاست کا بہت ہاتھ ہوتا ہے اور سربراہ کو درست سمت پر لے جانے میں عوام کی جرأت کام کرتی ہے۔ شیطان ان دونوں قوتوں میں سب سے پہلے کمزور قوت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ عوام کی قوت کمزور ہے تو سربراہ کو فرائض سے غافل کرنا اس کے لئے مشکل نہ ہو گا۔ اور اگر سربراہ کمزور ہے تو عوام کو مفادات میں الجھا کر یا لالچ دے کر برائیوں کا جال پھیلانے میں مدد دے گا۔ اگر دو طرفہ حقوق و فرائض کا احساس رہے تو معاشرے اس حد تک نہ بگڑنے پائیں جس حد تک اب بے قابو بن گئے ہیں۔

دربار عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے

Marfat.com

ٹیکس

ابتداء میں رومی اور اسلامی مقبوضات میں جو تجارت ہوتی تھی۔ اس ضمن میں اگر کوئی رومی تاجر اسلامی ریاست میں مال تجارت لے کر جاتا تو دس ہزار درہم کے مالک پر ایک ہزار درہم ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ ایسے ہی اگر کوئی اسلامی تاجر رومی ریاست میں جاتا تو اسے بھی اسی شرح سے ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ اسلامی ریاست کی طرف سے اس کام کی نگرانی زیاد بن حدید کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک رومی تاجر بیس ہزار درہم کی مالیت کا ایک گھوڑا لے کر اسلامی ریاست میں آیا۔ تو جناب زیاد نے اس سے 2 ہزار درہم وصول کر لئے۔ مگر اس کا گھوڑا یہاں بکا نہیں۔ وہ گھوڑا لے کر واپس چلا گیا۔ اور پھر اسی سال کے اندر دوبارہ اس گھوڑے کو لے کر اسلامی مقبوضات میں داخل ہوا تو دوبارہ اس سے دو ہزار درہم کا مطالبہ کیا گیا۔

تاجر کے پاس چونکہ اتنی رقم نہ تھی۔ اس نے کہا کہ میں واپسی پر یہ رقم ادا کروں گا۔ چونکہ یہ حج کے ایام تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کرنے کے لئے مکہ شریف میں آئے ہوئے تھے۔ یہ عیسائی تاجر سیدھا ان کی خدمت میں پہنچا۔ اور ساری روداد انہیں سنائی۔ اور عرض کیا۔

کیا یہ درست ہے کہ میں جتنی بار گزروں آپ کی حکومت مجھ سے اسی گھوڑے پر جس کی مالیت بیس ہزار درہم ہے پر ایک ہزار درہم ٹیکس وصول کرے گی۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ مناسب نہیں ہے صرف ایک بار ہی ٹیکس ہونا چاہئے۔ آپ بے فکر رہیں میں اس کا بندوبست کر دوں گا۔ اس کے سوا خلیفہ نے کچھ نہیں فرمایا۔

تاجر سمجھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بس یونہی بات کہہ دی ہے۔ اور ذہنی طور پر وہ دو ہزار کے ٹیکس کا انتظام کر کے گیا۔ لیکن وہ جب ٹیکس سرحد پر پہنچا اور اس نے وہ ٹیکس ادا کرنے کا ارادہ کیا تو زیاد بن حدید نے یہ ٹیکس لینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ عامل کے پاس خلیفہ کا حکم پہنچ چکا تھا۔ کہ جس چیز پر ایک بار ٹیکس وصول کیا جا چکا ہو اگلے سال اسی تاریخ تک دوبارہ اس پر کچھ نہیں

Marfat.com

لیا جائے۔

نصرانی نے زیاد بن حدید سے کہا۔ میں تو وعدہ کے مطابق ٹیکس کی رقم لے کر آیا تھا۔ لیکن تمہارے حاکم کا انصاف دیکھ کر یہ اقرار کرتا ہوں کہ آج سے میں اسی شخص کے دین پر ہوں۔ جس نے آپ کو یہ حکم بھیجا ہے۔

یہ اس ٹیکس کی بات ہے۔ جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں داخلہ کے وقت لیا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں تو شہر سے شہر میں داخل ہونے پر ٹیکس (محصول) لیا جاتا ہے۔ اور بار بار لیا جاتا ہے۔ شاید کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عقیدت رکھنے والا حاکم اس زیادتی پر توجہ دے سکے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

زیادتی

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار کوفہ سے باہر جارہے تھے۔ رستے میں انہوں نے دو آدمیوں کو گتھم گتھا دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھونسے مار رہے تھے۔ اور گالیاں بھی دے رہے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے سے نیچے اترے اور ان لڑنے والوں کو الگ الگ کر دیا۔

فرمایا۔ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اگر تم خود ہی آپس میں لڑو گے تو دوسرے مسلمان کس طرح تمہارے دکھ درد میں شریک ہوں گے۔ مجھے بتاؤ تمہارے نزاع کی وجہ کیا بنی ہے۔

ایک نوجوان نے کہا۔ اے امیر المومنین! میں نے اس آدمی سے کپڑے کا سودا اس شرط پر کیا تھا کہ وہ مجھے کھوٹے سکے نہیں دے گا۔ میں نے کپڑے دے دیئے ہیں مگر یہ کھوٹے درہم نہ دینے والی شرط کو پورا نہیں کر رہا ہے۔ اس نے کھوٹے سکے دیئے ہیں۔ اور میں نے انہیں قبول نہیں کیا۔ اب یہ مجھ سے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہے۔ اس نے مجھے ایک طمانچہ بھی بڑے زور سے مارا ہے۔ دیکھو! میرے منہ سے خون بہہ رہا ہے۔

شیر خدا نے فرمایا۔ کھوٹے سکے لینے کی فکر تم نہ کرو۔ وہ بدلے جا سکتے ہیں۔ میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ البتہ طمانچہ مارنے کا کیا ثبوت ہے۔ کہ اس نے تمہیں پہلے طمانچہ مارا ہے۔

نوجوان نے فوراً دو گواہ پیش کر دیئے۔ جنہوں نے تصدیق کر دی۔ کہ واقعتہً پہلے نوجوان نے دوسرے کو طمانچہ مارنے میں پہل کی ہے۔

اب مجرم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا۔ اور نوجوان سے کہا کہ تم بھی بدلے میں اس کو اس طرح طمانچہ مارو جس طرح اس نے تمہیں مارا تھا۔

اب زیادتی کرنے والا بڑا نادم تھا۔ اسے خوف آرہا تھا کہ بڑی جلدی اس کے رخساروں پر زناٹے دار طمانچہ انگلیوں کے نشان بنادے گا۔

Marfat.com

مگر نوجوان نے اس فیصلے پر خوش ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنے مسلمان بھائی کا قصور معاف کر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ بڑے خوش ہوئے۔ فرمایا معاف کرنے کا اختیار تمہیں تھا۔ تم نے اپنا حق استعمال کر لیا۔ اب تمہیں اجازت ہے تم گھر میں جا سکتے ہو۔ اور بحیثیت حکمران میرا جو فرض تھا وہ میں نے ادا کر دیا۔ لیکن اس مجرم پر حکومت کا ایک حق ابھی باقی ہے۔ وہ یہ کہ اس نے معاشرے کے امن کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے وعدہ کیا اور پھر وعدہ خلافی کی اور اپنی غلطی پر نادم ہونے کی بجائے طاقت کا استعمال کیا۔ حکومت اس حق کو نہیں چھوڑے گی۔ کیونکہ امن عامہ کو برقرار رکھنا اور کمزور کے حقوق کی حفاظت کرنا ایک اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ اس مجرم کو درے لگائے جائیں۔

مجرم کو واقعتہً درے لگائے گئے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ خود بھی آئندہ ایسی حرکت کرنے سے تائب ہو گیا۔ بلکہ ہر گزرنے والے نے اس سے عبرت پکڑی۔ اور آئندہ کی نسل انسانیت کے لئے یہ کام سند بن گیا۔

آج زیادتی کرنے کے بعد اول تو وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں مگر جب وہ مجرم ثابت ہو جاتے ہیں تو معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ بلکہ جس سے معافی مانگنی ہے اس پر بعض لوگوں کی سفارشیں بھیجی جاتی ہیں۔ اب اسے معاف کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اور اگر وہ معاف نہیں کرتا تو یہ ساری سفارشیں اس کے خلاف ہو جاتی ہیں۔ لیکن امن عامہ کی دیوار میں جو نقب لگی اس پر توجہ دینا حاکم وقت کا کام ہوتا ہے جو عموماً نہیں کیا جاتا۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

محصول

بغداد کے داخلی راستے پر ایک تاجر کو روک لیا گیا۔ کہ وہ اپنے مال کا محصول دے کر جائے۔
تاجر نے کہا۔ ہاں میں محصول دینے کو تیار ہوں کہئے میرے مال کا محصول کس قدر بنتا ہے۔
آپ کا مال کس قسم کا ہے؟
تاجر نے اپنے مال کی تفصیل بتائی۔ جو لکھ لی گئی۔
محرر نے پوچھا۔ آپ کے پاس دمیاط کی قیمتی چادریں بھی ہیں جن پر زردوزی کا کام کیا ہوا ہے۔ مگر آپ نے وہ چادریں نہیں بتائیں۔
تاجر جھٹ سے بولا۔ اس کے پاس ایسا کوئی مال نہیں ہے۔
محصول چونگی والوں نے کہا۔ اگر ہم آپ کا مال کھول کر دیکھیں گے تو ایسی چادریں نکل سکتی ہیں۔ لہٰذا ہم نہ تو آپ کا وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی آپ ہمارا وقت ضائع کریں۔
تاجر نے اب بھی انکار ہی کیا۔
چونگی محرر نے کہا کیا آپ کے پاس 350 چادریں نہیں ہیں۔ جن میں 100 سرخ رنگ کی ہیں۔ 50 کالے رنگ کی۔ 150 پیلے رنگ کی۔ اور 50 سفید رنگ کی۔ اور پھر ان چادروں کا کپڑا فلاں فلاں قسم کا ہے۔
مگر تاجر اب بھی نہیں مانا۔ اس نے سرے سے چادریں نہ ہونے پر اصرار کیا۔
چونگی محرر نے کہا۔ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ آپ نے یہ چادریں فلاں شہر سے اور فلاں فلاں دکان سے خریدی ہیں تو کیا آپ پھر بھی انکار کر سکیں گے۔
تاجر تلملا کے بولا۔ آپ خواہ مخواہ چادروں کو میرے مال کا حصہ بنا رہے ہیں۔ میں نے کتنی بار آپ سے کہا ہے کہ میرے پاس ایسی چادریں نہیں ہیں۔ جن پر محصول کا اطلاق ہوتا ہو۔
آخر چونگی کے عملہ نے خلیفہ وقت الناصر الدین اللہ احمد کے ہاں ساری صورت احوال لکھ بھیجی اور تاجر کو اپنے ہاں روک لیا۔

Marfat.com

کچھ دیر کے بعد خلیفہ وقت کی طرف سے پیغام آیا کہ تاجر سے پوچھا جائے کہ کیا اس نے فلاں ترکی غلام کو فلاں فلاں قصور کی وجہ سے قتل نہیں کیا ہے۔ اور اس کی لاش کو فلاں جگہ خفیہ طور پر دفن نہیں کیا ہے۔ اور آج تک اس کے اس راز سے کوئی آگاہ نہیں ہے۔

یہ سن کر تاجر حیران رہ گیا۔ کیونکہ واقعہ اسی طرح سے تھا۔ اس کے سوا کسی اور کو خبر نہ تھی۔

سوداگر کہنے لگا۔ ترکی غلام کے قتل کا واقعہ بھی درست ہے اور چادریں بھی میرے پاس ہیں۔ بالکل اسی تعداد میں جو آپ نے بتائی ہے۔ اور رنگ بھی وہی ہے جن کی نشان دہی آپ نے کی ہے۔

مگر میں حیران ہوں کہ اتنی درست اور خفیہ معلومات سے آپ کو کس طرح اطلاع ہوئی ہے۔

چونکہ محرر نے کہا کہ خلیفہ وقت کا نظام ایسا ہے کہ حکومت کی مشینری کے پاس ہر ہر شخص کی خبر پہنچتی رہتی ہے۔ اور یہ معلومات اس قدر درست ہوتی ہیں کہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

خفیہ نویسی کے محکمے آج بھی ہیں مگر یہاں صرف حکومت کے خلاف لوگوں کی معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اسمگلر، لٹیرے اور تخریب کار ملکی سالمیت کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

اگر ہم اپنے اکابر حکمرانوں کے اس نظام کا مطالعہ کریں تو کتنی ہی مفید مطلب باتوں سے ہم آگاہ ہو سکتے ہیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

یاد دھانی

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ اکٹھے ایک سفر پر جارہے تھے۔ خدم و حشم بھی ساتھ تھے۔ جب یہ قافلہ ایک صحرا میں سے گزر رہا تھا تو اچانک مشرق کی جانب سے ہوا کے کندھوں پر سوار بادل بھاگے آتے دکھائی دیئے۔ یہ آندھی اور کالے بادل کیا تھے۔ ایک طوفان کی شکل اختیار کئے جارہے تھے۔ بجلی زور زور سے چمکنے لگی اور رعد کڑکنے لگی۔ بادلوں کی گرج سے کان پھٹے جارہے تھے۔ سارے قافلے پر خوف ساطاری ہو گیا۔ اندیشہ تھا اس طوفان بادو باراں میں بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہو جائے۔ ساتھی بچھڑ جائیں۔ سواریاں بھٹکتی ہوئی کہیں ویرانوں میں کھو نہ جائیں۔

سلیمان بن عبدالملک گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے ایک لاکھ درہم عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو دیئے کہ وہ انہیں اس نیت سے خیرات کردے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں طوفان برق و رعد کی آفت سے محفوظ رکھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس خیرات کی نسبت یہ زیادہ بہتر تھا کہ جن لوگوں کی جائدادیں تم نے ضبط کر رکھی ہیں وہ ان کو واپس کردیتے۔ جن کے حقوق تمہارے ذمے ہیں وہ ادا کردیتے۔

سلیمان بن عبدالملک اس طوفانی مصیبت سے اس قدر خائف تھا جیسے یہ طوفان اس اکیلے کی ذات کے لئے تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے۔ وہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔

کہنے لگا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز! یہ لاکھ درہم بھی خیرات کردو اس کے علاوہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مال مغصوبہ کی واپسی بھی کردوں گا۔

اب عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ زمین پر سجدہ ریز ہو جاؤ اور قافلے کے سب افراد کی خیریت کی دعا مانگو۔

Marfat.com

اللہ نے کرم کیا طوفان کا زور تھم گیا۔ تیز آندھی ہلکے ہلکے جھونکوں میں بدل گئی۔ جس نے صحرا کے گرم موسم کو بڑا خوشگوار بنا دیا۔ واپس آکر سلیمان بن عبدالملک نے مستحقین کو ان کے اموال واپس کر دیئے۔

ہمارے اسلاف ارضی و سماوی مصیبتوں پر بھی اللہ سے رجوع کرتے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ایسے موقعوں پر ان کو تاہیوں کی یاد دہانی کرانے میں جرأت بھی رکھتے تھے۔ مگر آج ایسا نہیں ہے۔ مصیبت آجائے تو ہمارے ثقافتی پروگرام جوں کے توں جاری رہتے ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن

Marfat.com

روزینہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول بنے تو دوسرے دن اپنے کندھے پر کپڑے کے تھان رکھے گلی گلی محلے محلے میں بیچنے کے لئے چل دیئے۔ رستے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملے کہنے لگے۔

ابو بکر بھائی یہ کیا ہے؟ اگر تم یوں گلی گلی اور محلے محلے میں پھرو گے تو امور سلطنت پر آپ کی توجہ نہ رہے گی۔

فرمایا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر یہ تو میرا کام ہے میں پہلے بھی یہی کام کرتا تھا اب بھی کرتا ہوں۔ اگر یہ کام نہ کروں گا تو بچوں کا پیٹ کیسے پالوں گا۔ سلطنت کی ذمہ داریاں تو اضافی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کے لئے میں وقت نکال لیا کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا۔ نہیں۔ ادھر آؤ میرے ساتھ۔ آپ ان کے ساتھ ہو لئے۔ انہوں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے مسجد نبوی شریف میں مجلس شوریٰ بلائی اور بالا تفاق فیصلہ ہوا کہ خلیفہ اور ان کے بال بچوں کے روزانہ کھانے کے اخراجات بیت المال سے ادا کر دیئے جائیں۔ اور سال میں دو جوڑے کپڑے ایک جوڑا سردی کا اور دوسرا گرمی کا انہیں بیت المال سے فراہم کئے جائیں۔

روزینہ کی رقم کس قدر تھی اس کے اندازہ یوں لگالیں کہ اس سے ایک مہاجر صحابی کا ایک دن کا سادہ سا کھانا آجاتا تھا۔ کتابوں کی روایت کے مطابق 2500 درہم سالانہ تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھانے کے بعد میٹھی چیز بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ مگر جب سے خلیفہ بنے یہ میٹھی چیز گھر میں نہیں پکی۔

بچوں کے اصرار پر آپ کی بیوی نے روز کے خرچ میں سے ایک ایک پیسہ نکال کے نہ جانے کتنے دن کے بعد گھر میں حلوہ پکایا۔ اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ حیران رہ گئے کہ اس حلوہ کے لئے پیسے کہاں سے آگئے۔

Marfat.com

پوچھا یہ حلوہ کیسے بن گیا ہے؟
بیگم نے عرض کیا کہ میں نے ایک ایک پیسہ کی بچت کر کے حلوہ کے لئے پیسے جمع کئے تھے۔
اور آج ان پیسوں سے حلوہ بنایا ہے۔
فرمایا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر روزینہ میں سے ایک پیسہ کم کر دیا جائے تو بھی گھر کا خرچہ چل سکتا ہے۔لہٰذا آپ نے ایک پیسہ کم روزینہ لینا شروع کر دیا۔
اندازہ تو کریں روز کا خرچ ایک اندازہ ہے۔ کھانا زیادہ پکے گا گھر میں مہمان آجانے کی وجہ سے تو خرچہ زیادہ ہوگا۔ گھر کے افراد کہیں مہمان بن جائیں تو خرچ کم ہوگا۔اچھی قسم کا کھانا پکے تو خرچ زیادہ ہوگا۔اگر صرف نمک سے روٹی کھالی جائے (جیسا کہ ان بزرگوں کا طریقہ ہے) تو خرچہ کم ہوگا۔ایسے لگتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک ہی معیار کا سادہ سا کھانا پکتا ہوگا۔صرف ایک دن معمول کا معیار بلند ہوا (حلوہ پکا) تو گھر میں تفتیش شروع ہوگئی۔ اور اس پر اٹھنے والے خرچہ کو کم کر دیا گیا۔
آج ہم نے اپنی ضروریات اس قدر بڑھالیں ہیں کہ ہر گھر شاکی ہے کہ خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ سارے سرکاری ملازمین تنخواہیں بڑھانے کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ کبھی ہم نے اپنی آمدنی کے دائرہ میں رہ کر خرچ نہیں کیا۔البتہ دیگر ناجائز ذرائع سے آمدنی میں اضافہ کر کے ان اخراجات پر قابو پانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو اچھا طریقہ نہیں ہے۔ مانا کہ ایسے لوگوں کی آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے مگر جن لوگوں سے یہ ناجائز پیسے لئے جاتے ہیں ان کی آمدنی کیا اس نسبت سے کم نہیں ہو جاتی۔ان کے کھانے کا معیار کس نچلی سطح تک پہنچ جاتا ہوگا۔اللہ ہمیں سمجھ کی توفیق دے۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمٰن خان

Marfat.com

قسم

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ نے جب حلب پر فوج کشی کی تو اس کے گھوڑے عینتاب اور تل خالد کی آبادیوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور سنجار، نصیبین، خابور، رقہ اور سردج پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔ حلب پر قبضہ ہوا تو سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی دریائے دجلہ سے رود نیل تک اور افریقہ کے ساحل پر طرابلس کے تمام بڑے بڑے شہر اس کے زیر نگیں آگئے اور مختلف قوتیں اس کے تابع فرمان ہو گئیں۔ مکہ معظمہ سے لے کر بغداد کی مسجد تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

مگر شام کے فرمانرواؤں میں ریجی نالڈ (پرنس ارطاۃ) والی کرک سب سے زیادہ فریب کار، فتنہ پرست اور مسلمانوں کا دشمن تھا شر و فساد اس کی فطرت میں داخل تھا۔ مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں کو زیادہ وہی بھڑکاتا رہتا تھا۔ تاریخ میں اسے مکار اور قزاق کہا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک عہد و پیمان کی کوئی وقعت نہ تھی۔ معاہدوں کو توڑنے میں اس کو خاص شہرت حاصل تھی۔ اس کو اس بات میں خاص مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے۔ لوٹ لیتا تھا۔

آخر اس نے (ریجی نالڈ نے) جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا فیصلہ کیا تاکہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے مزار مبارک اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو مہندم کر دے وہ ایک بحری بیڑہ لے کر خلیج عقبہ کے ساحل پر آ گیا اور بحری راستہ بند کر دیا۔ مسلمانوں کی فوجوں نے اس بیڑے کا تعاقب کیا۔ فرنگیوں کو جونہی مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی وہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو بدوؤں کے گھوڑوں نے کام دیا۔ انہوں نے غاروں تک ان کا پیچھا کیا اور مسلمان شہسواروں نے ان فرنگیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ریجی نالڈ خود بھاگ گیا۔

اب بھی مسلمان قافلوں کو لوٹنے کا مشغلہ اس نے جاری رکھا۔ 1179ء، 574ھ میں ایک کارواں جو اس کے قلعے کے نیچے سے اترا تھا لوٹ لیا گیا۔ کارواں کے تمام آدمی گرفتار کر لئے گئے۔

Marfat.com

حکومت یروشلم نے اس کی اس حرکت کو پسند نہ کیا اور کہا کہ کارواں کو رہا کیا جائے اور لوٹا ہوا مال بھی واپس کر دیا جائے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو قسطنطنیہ پر صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ فوج کشی کر سکتا ہے اور کوئی بعید نہیں کہ قسطنطنیہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے۔

لیکن ریجی نالڈ نہیں مانا بلکہ 1183ء میں اس نے پھر یہی حرکت کی اور 1186ء میں بھی ایسا ہی کیا اور مسلمانوں کا ایک قافلہ لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کر لیا۔ اتفاق سے اس قافلہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ کی بہن بھی تھی۔

ریجی نالڈ نے اس کے گلے پر سنگین رکھتے ہوئے کہا کہاں ہے تیرا بھائی؟ جو صلیبیوں کا خاتمہ چاہتا ہے۔ آج اس کی بہن کی عزت و عصمت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں چاہوں تو اسے لوٹ سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ تاہم قید میں ضرور رکھوں گا۔ اور اس وقت تک رہا نہیں کروں گا جب تک صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ صلیبیوں پر لشکر کشی ختم نہیں کرے گا۔

جب لوگوں نے اس قافلہ کی رہائی کے لئے کہا تو ریجی نالڈ نے طعن آمیز جواب دیا کہ تم محمد (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آکر تمہیں چھڑائیں۔

اس تمسخر اور استہزاء کی خبر صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا۔ خدا نے چاہا تو اس گستاخ کو میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ نے صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے ممالکِ محروسہ میں جہاد کی عام منادی کرادی۔ اپنے زیر اثر تمام ممالک اور فرمانرواں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر جمع ہو جائیں۔

اس حکم پر عراق، کردستان کے تمام فرمانروا پہنچ گئے۔ سلطان محرم 583ھ، 1187ء میں دمشق سے فلسطین روانہ ہو گیا۔ راس الماء میں اطلاع ملی کہ ریجی نالڈ حاجیوں کے قافلہ کو جو حجاز سے واپس آرہا ہے کو لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس قافلہ میں سلطان کا بھانجا حسام الدین بھی تھا۔

ابھی بعض اسلامی ملکوں کی فوجیں نہیں پہنچیں تھی اس نے (سلطان نے) اپنے لڑکے الملک الفاضل کو راس الماء میں چھوڑا اور اس قافلہ کی حفاظت میں کرک چلا گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ریجی نالڈ کو قافلہ پر حملہ کی جرأت نہ ہوئی اور وہ صحیح سلامت گزر گیا۔ سلطان نے کرک اور شوبک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا۔

Marfat.com

ادھر راس الماء میں فوجیں جمع ہو چکی تھیں جو یروشلم کی جانب بڑھیں۔ دونوں طرف سے خوب تلواریں چمکیں۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ آخر صلیبیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور 90 سال کے بعد یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ابن کثیر کے مطابق جنگ میں اتنے صلیبی قتل ہوئے کہ اندازہ ہوتا تھا کہ ساری صلیبی فوج قتل ہو گئی ہے اور قیدیوں کو دیکھ کر خیال ہوتا کہ مکمل فوج زندہ گرفتار کر لی گئی ہے۔ فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے۔ مسیحی لشکر کے جو معمولی سپاہی زندہ بچے تھے وہ سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے۔ ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو قید کر کے خیمہ کی رسی میں باندھے ہوئے ہنکاتا تھا۔

اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے یروشلم کا بادشاہ گائی ان میں شامل تھا۔ ریجی نالڈ بھی ان میں کھڑا تھا جسے سلطان نے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہدہ کیا ہوا تھا۔

گائی اس کو بچانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ سلطان سے پینے کے لئے پانی مانگا۔ سلطان نے ٹھنڈا پانی پیش کیا اس نے خود تھوڑا سا پانی پی کر باقی ریجی نالڈ کو دیدیا۔ اس کا خیال تھا کہ عرب جس قیدی کو کھانا پانی دیدیتے ہیں اسے قتل نہیں کرتے۔ گویا وہ مامون ہو جاتا ہے۔

اس کی یہ چال دیکھ کر سلطان نے کہا میں نے اس ملعون کو پانی نہیں دیا اس لئے مجھ پر اس کی جان بخشی کی ذمہ داری نہیں ہے۔

اب تمام قیدیوں کو کھانے کے لئے رخصت کر دیا۔ صرف گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا گیا۔ ریجی نالڈ کے سامنے اس کی گزشتہ بد اعمالیوں کو گنا گیا اور کہا اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ریجی نالڈ مسلمانوں کے ایک قافلہ پر حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تھا۔ انہوں نے اس سے رہائی کی درخواست کی تھی تو اس ریجی نالڈ نے ان کو جواب دیا تھا کہ تم اس وقت محمد (ﷺ) کو چھڑانے کے لئے کیوں نہیں کہتے۔

گو سلطان ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد کر چکا تھا تاہم اس نے اسلامی اصول کے مطابق پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ پھر اس کے انکار کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کا سر قلم کر کے قسم پوری کر دی۔

Marfat.com

گائی، ریجی نالڈ کا انجام دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا مگر سلطان نے اس کو اطمینان دلایا اور کہا۔ بادشاہوں کا یہ دستور نہیں کہ وہ دوسرے بادشاہ کو قتل کریں۔ ریجی نالڈ کو صرف اس کی حد سے متجاوز زیادتیوں کی وجہ سے بوجہ مجبوری قتل کرنا پڑا۔

اس شکست کے بعد شام کے عیسائیوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی۔ اس جنگ نے ملک فلسطین کو فاتحوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ یروشلم کی سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ اس کا بادشاہ اور امراء سب گرفتار تھے۔ اب مشکل سے فرنگیوں کا کوئی ایسا ہادی اور رہنما نہ رہ گیا تھا جو منتشر اور پراگندہ صلیبی مبارزوں کو یکجا کرتا۔

اف۔ آج وہی فلسطین پھر کسی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا منتظر ہے۔

تاریخ اسلام

از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

خدمت

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر
اقبال

Marfat.com

ہنڈیا

یہ اس وقت کی بات ہے جب مدینہ میں قحط پڑ گیا تھا۔ غریب لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ آپ ایسے لوگوں کی مدد بیت المال سے فرما رہے تھے۔ اس طرح ایک سال بیت گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے متفکر تھے۔ کہ کہیں اس قحط میں کوئی بھوکا مر گیا تو عمر (رضی اللہ عنہ) پر ذمہ داری عائد ہو گی۔

وہ ایک دن مدینہ سے باہر جا رہے تھے۔ کہ ایک خیمہ کے باہر ایک عورت چولہے پر ہنڈیا پکا رہی تھی۔ اور اس کے تین چار بڑے نحیف بچے قریب بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چولہے پر ہنڈیا چڑھی ہوئی دیکھ کر خوشی ہوئی کہ خدا کا شکر ہے کہ قحط کے دن کٹنے والے ہیں۔

آپ اس عورت کے پاس اس خیال کے پیش نظر چلے گئے کہ قحط کے دنوں میں اس کے حوصلوں کی داد دے سکیں۔

فرمایا۔ بہن! قحط کے دنوں میں تمہیں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ آپ کے حوصلے قابل داد ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب قوم پر سے یہ سختی کے دن کٹنے والے ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہنڈیا میں کیا پک رہا ہے۔ آج ہم بھی آپ کے مہمان ہیں۔

عورت نے عرض کیا۔ بھائی جان! پکانے کا نام نہ لیں۔

آپ اس جواب پر چونک گئے۔

فرمایا۔ کیا مطلب! ہنڈیا چولہے پر یونہی جلائے جا رہی ہو۔

ہاں۔ اس ہنڈیا میں خالی پانی ہے۔

کیا یہ بچوں کو نہلانے کے لئے پانی گرم کر رہی ہو۔

نہیں۔ بچوں کو بہلانے کے لئے۔

کیا مطلب؟

بھائی جان بچے کھانا مانگ رہے ہیں۔ میرے پاس کھلانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ بس میں نے

Marfat.com

بہانہ بنا رکھا ہے۔ کہ جب یہ کھانا پکے گا تو کھانے کو دوں گی۔ اس طرح وہ رو رو کر ہلکان نہیں ہوں گے۔ بلکہ نیند آنے پر خود ہی سو جائیں گے۔ اور میری جان بھی نہیں کھائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ افسوس۔ یہ میرے ہی اعمال کی شامت ہے۔ استغفر اللہ۔ خدایا رحم کر۔ گنہگار بندروں پر رحم کر۔ اور اپنی شان کریمی دکھا۔ اور ہم لوگوں کے مصائب دور فرما۔ یااللہ! یااللہ! یااللہ!۔ رحم! رحم! رحم! کی آوازیں لگاتے تشریف لے گئے۔

بیت المال کے انچارج کو بلایا۔ ایک تھیلا آٹے کا لیا۔ کچھ گھی اور نقدی لے کر چل دیئے۔

اس آدمی نے عرض کیا۔ اے امیر المؤمنین یہ سامان مجھے دے دیں۔ میں اٹھالوں۔

فرمایا۔ تم میرا بوجھ کہاں کہاں اٹھاؤ گے۔ اگر یہاں اٹھا بھی لو گے تو کیا فرق پڑے گا۔ قیامت کو تو مجھے ہی اپنے بوجھ اٹھانے ہیں۔ فرمایا۔ بس تم چلے جاؤ گھر میں جاکر آرام کرو۔

آپ رات کے اندھیرے میں اس عورت کے خیمے میں چلے گئے۔ فرمایا۔ بہن! یہ کچھ کھانے کا سامان ہے۔ خود بھی کھاؤ۔ اور بچوں کو بھی کھلاؤ۔ خدا اور بھی بھیجے گا۔ وہ رازق ہے۔

اس عورت نے کہا۔ اللہ آپ کا بھلا کرے۔ خلافت کے لائق تو آپ جیسے لوگ ہیں۔ نہ جانے عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں خلیفہ بنادیا گیا ہے۔ جسے غریبوں کا خیال ہی نہیں ہے۔

اس عورت کو کیا خبر کہ یہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ جو اس کے دروازے پر ایک مزدور کی حیثیت سے آئے کھڑے ہیں۔

غریبوں کی خبر گیری کا احساس آج کے حکمرانوں میں بھی پیدا ہو جائے تو خدا کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ ریاست وحکومت کے انتظام میں استحکام بھی اور امن بھی پیدا ہو جائے۔

آج تو اگر کوئی غریب اس طرح شہر سے باہر بیٹھا ہوا ہو تو اس کی ضروریات کا خیال رکھنا تو کجا اسے مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہ جنگل میں بیٹھا ہوا یقیناً کوئی کالا دھندا کرتا ہے۔ منشیات کی فروخت کرتا ہے یا رات کے اندھیرے میں آبادیوں کے امن میں خلل ڈالتا ہے۔ یا لٹیروں کو پناہ دیتا ہے۔

ایسا ہونا بھی ممکن ہو سکتا ہے مگر دیکھنے والوں اور پوچھنے والوں کو اس کی مجبوریاں اور آسانیاں سب ان پر واضح ہو جائیں گی۔

داستان عمل۔ از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

دعوت

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی دعوت کی مسجد نبوی ﷺ میں دستر خوان بچھا دیئے گئے۔ جن پر سادہ سادہ کھانے چنے گئے۔ ان دستر خوانوں کے دونوں طرف مدعوین بیٹھے ہوئے تھے۔ اجازت ملنے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یہ لوگ کھانا کھانے لگے۔ کھانا بڑے سکون سے کھایا جا رہا تھا۔ کوئی شور شرابا نہیں تھا۔

خلیفۃ المسلمین خود اس دعوت میں نگرانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ جسے پانی کی ضرورت ہوتی اسے پانی دیتے۔ اگر کسی کو روٹی یا سالن کی ضرورت ہوتی تو وہ عطا فرماتے۔ آپ کی ایک ایک آدمی پر نگاہ تھی۔ کہ اچانک آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔

فرمایا۔ کیا بات ہے؟ دائیں ہاتھ سے کھانا کیوں نہیں کھاتے۔

وہ شخص بولا۔ حضور! مجبور ہوں۔

پوچھا کیا مجبوری ہے۔

عرض کیا دائیں ہاتھ سے محروم ہوں۔

پھر اس نے کٹا ہوا ہاتھ دکھاتے ہوئے عرض کیا۔ حضور! میدان جہاد میں یہ میرا بازو کٹ گیا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ رحم کرے۔ اس کی مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ خیر لاؤ میں تمہیں کھانا کھلاتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اور لقمے توڑ توڑ کر سالن سے بھگوتے اور اس کے منہ میں ڈالنے لگے۔

وہ آدمی ہر لقمے پر عرض کرتا اے امیر المؤمنین! میں بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا عادی بن گیا ہوں۔ مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ آپ یہ تکلیف نہ فرمائیں۔ میں پیٹ بھر کے کھا لوں گا۔

مگر آپ اسے برابر کھانا کھلاتے رہے۔ اور خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔ آپ نے فرمایا یہ میرا

Marfat.com

فرض ہے۔ مجھے اپنے فرض سے کیوں روکتے ہو۔

بیماروں اور معذوروں کے کام میں ہمارے اسلاف کس قدر خوشی محسوس کرتے تھے۔ ایسے واقعات ہماری تاریخ میں اکثر ملتے ہیں۔ اور پھر شاہان وقت بھی ایسے لوگوں کی مدد کرنے میں گریز نہیں کرتے تھے۔ کاش آج کے امراء بھی ایسے واقعات سے سبق حاصل کریں اور ایسے مجبوروں اور معذوروں کی دعائیں لیں۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

زچگی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو گشت کرتے کرتے مدینہ سے باہر نکل گئے۔ کہ دور جنگل میں ایک ٹمٹاتی روشنی آپ کو دکھائی دی۔ آپ وہاں چلے گئے۔ کہ دیکھیں اس ویرانے میں کون ہے ؟اور کس حال میں ہے۔ جا کر دیکھا تو ایک بدو خیمے کے باہر سر جھکائے بیٹھا ہے۔ آپ نے اس سے سلام کیا کچھ حال حقیقت دریافت کر رہے تھے کہ خیمے سے ایک عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔ آپ نے اس آدمی سے پوچھا۔ بھئی! خیریت تو ہے۔ خیمے میں کوئی عورت بیمار لگتی ہے۔ کہئے میں تمہارے کسی کام آسکتا ہوں۔

بدو نے کہا۔ ہاں۔ میری بیوی ہے۔ اسے ایسی تکلیف ہے۔ جسے وہی حوصلے کے ساتھ برداشت کرے گی۔

نہیں بھائی! مجھے بتائیں شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔

بھائی حقیقت یوں ہے کہ میری بیوی کے ہاں بچہ ہونے والا ہے۔ اسے دردزہ ہو رہا ہے۔ ایسے کاموں میں تو کوئی عورت ہی مدد کر سکتی ہے۔ اور یہاں جنگل میں کون ایسی عورت اس کے کام آسکے گی۔

فرمایا۔ فکر نہ کریں۔ میں ایسی عورت کا انتظام کرتا ہوں۔ بس حوصلہ رکھیں میں جلدی دوبارہ آنے کی کوشش کروں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی بیگم ام کلثوم کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ بیگم خیمے میں چلی گئی۔ اور آپ اس آدمی کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اس شخص کو کچھ علم نہ تھا کہ اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا شخص خلیفۃ المسلمین ہے۔ وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ ان سے باتیں کرتا رہا۔

اس بدو نے کہا۔ یار! خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ بڑا سخت آدمی ہے۔ کیا تم بھی اس سے واقف ہو؟

ہاں۔ واقعی وہ بڑا سخت گیر آدمی ہے۔

Marfat.com

بدو کہنے لگا۔ اسے خلیفہ بنانے والوں نے خواہ مخواہ یہ مصیبت اپنے سر پر مسلط کی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ ان لوگوں کی مرضی ہو گی۔ شاید انہیں ان سے اچھا آدمی نہ ملا ہو گا۔

اس لئے اکثریت نے انہیں پسند کر لیا۔

بدو کہنے لگا۔ عمر تو اب خوب عمدہ عمدہ کھانے کھاتا ہو گا۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں ہو سکتا ہے۔ آخر وہ امیر المومنین ہے۔ مسلمانوں کا بادشاہ ہے۔

بدو نے کہا۔ یار اسے عمدہ عمدہ کھانے کھانے کا حق نہیں بنتا۔ ہم جیسے غریب تو بھوکے مرتے رہیں اور وہ اپنے شاہی محل میں آرام کر رہا ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں ہے کہ جنگل میں پڑے ہوئے لوگ کس مصیبت میں ہیں۔ عمر سے تو بہتر آپ جیسے لوگ ہیں۔ آپ اگر خلیفہ بن جاتے تو غریبوں کے دن سنور جاتے۔

اسی اثنا میں خیمے سے آواز آئی اے امیر المومنین! اپنے دوست کو مژدہ سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند عطا فرمایا ہے۔

اس آواز پر بدو چونک اٹھا۔ میں جس عمر کے بارے میں باتیں کر رہا تھا کیا یہ وہی عمر ہے۔ وہ امیر المومنین ہے۔ اور وہ جو عورت اپنے ساتھ لائے ہیں ان کی بیوی ہے۔ بدو گھبرا گیا۔ پہلو سے اٹھ کر سامنے آ گیا۔ ہاتھ باندھ دیئے۔ پاؤں پر گر پڑا۔ عرض کی۔ حضور مجھے معاف فرما دیں۔ مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ آپ ہی امیر المومنین ہیں۔

آپ اٹھے۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ فرمایا۔ بھائی! کوئی بات نہیں ہر سردار اپنی قوم کا خادم ہوتا ہے۔ میں آپ کا خادم ہوں۔ خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ اور تلخ باتیں بھی خادم کو سننا پڑتی ہیں۔ اب صبح میرے پاس آنا اور اپنے بچے کا روزینہ بیت المال سے لے جانا۔

دوسرے دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے بچے کا وظیفہ جاری کر دیا اور انعام واکرام بھی دیا۔

آج کون ایسا حاکم ہو گا جو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر جنگل میں کسی غریب کے کام آئے گا۔ پھر وہاں اس سے کھری کھری باتیں سنے گا۔ اور پھر بھی کہے کہ میں آپ کا خادم ہوں اور اسے انعام واکرام سے بھی نوازے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

وظیفہ

بغداد میں شاہی محل کے قریب کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ ان بچوں میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بچہ بھی تھا اس بچے (خلیفہ کا بیٹا) سے کوئی زیادتی ہو گئی۔ مگر بچوں کی دنیا تو حق پسندی کی دنیا ہوتی ہے۔ وہاں کسی امیر غریب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ جس لڑکے کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی وہ نہایت ہی غریب لڑکا تھا۔ اس کا باپ بھی نہیں تھا وہ جانتا تھا کہ اس زیادتی کا بدلہ موت کو دعوت دینا ہے۔ زیادتی کرنے والا خلیفہ کا بیٹا تھا۔ اس سے بدلہ لینا کوئی معمول بات نہ تھی۔

تاہم اس نے خلیفہ کے بیٹے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ وہ آگے بڑھا اور اسے پکڑ لیا۔ گلے سے دبوچ لیا اور گتھم گتھا ہو گئے اور یوں اس غریب نے خلیفہ کے بیٹے کو نیچے پٹخ دیا۔ جو نہی وہ گرا اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس نے رو رو کر شور مچانا شروع کر دیا سب لڑکے اسے اس حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے کچھ دوست سہارا دے کر ملکہ کے پاس لے گئے۔

ماں نے بچے کی حالت دیکھی تو سٹ پٹا گئی۔ اس کے باپ (خلیفہ عمر بن عبدالعزیز) سے شکایت کی کہ آپ کیسے خلیفہ ہیں آپ کے بیٹوں کو غریبوں کے بچے مار رہے ہیں۔ انہیں ذرا بھی ڈر خوف نہیں ہے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ٹانگ توڑنے والے بچے کی ماں اپنے بچے کو ساتھ لے کر آئی اور رونا پیٹنا شروع کر دیا کہ میرے بچے کو معاف کر دیا جائے۔ یہ یتیم ہے۔ ایک بیوہ ماں کا سہارا ہے۔

خلیفہ نے بچوں کے معاملے کو چھوڑا۔ پوچھا بہن! تم بیوہ ہو۔ تمہارا بچہ یتیم ہے۔ بتاؤ کیا تمہیں بیت المال سے وظیفہ ملتا ہے۔

عورت نے کہا۔ نہیں۔ اسے کوئی وظیفہ وغیرہ نہیں ملتا ہے۔

خلیفہ نے اسی وقت افسر بیت المال کو طلب کیا۔ پوچھا کہ میری رہائش کے سائے تلے ایک

Marfat.com

بیوہ عورت اور اس کا یتیم بچہ ضروریات زندگی سے محروم ہیں وہ بھوکے پیاسے زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا اللہ کے ہاں ان کے بارے میں مجھ سے پوچھا نہ جائے گا؟ مجھے بتاؤ تم نے یہ کوتاہی کیوں کی ہے؟ تم نے ان کے نام وظیفہ پانے والوں میں کیوں نہیں لکھے؟ کیا تمہاری یہ کوتاہی میری نااہلی کی تشہیر نہ کرے گی۔

افسر بیت المال نے اسی وقت ان دونوں کے نام لکھے اور وظیفہ دینا شروع کر دیا۔ مزید یہ کہ خلیفہ نے اس بڑھیا سے کہا بہن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس جھگڑے میں زیادتی میرے بیٹے سے ہوئی ہے۔ خدا کے لئے میرے بیٹے کا قصور مجھے معاف کر دو۔

بیوہ سراپا نیاز بنی ہوئی تھی۔

خلیفہ کی بیوی حیران کھڑی تھی کہ یہ خوب انصاف ہے جس ماں کے بیٹے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اس کی بات ہی نہیں سنی جا رہی ہے اور جس ماں کے بیٹے نے زیادتی کی ہے اسے وظیفوں سے نوازا جا رہا ہے۔ اس نے خاوند سے کہا۔ میرے مالک اگر آپ ایسے انصاف کریں گے تو کل آپ کے دوسرے بچے کو بھی لنگڑا کر دیا جائے گا۔

خلیفہ نے فرمایا۔ بیوی! اللہ کو یہ بات زیادہ پسند ہے کہ قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیا جائے۔ اور حکومت ملے تو عوام کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے کیونکہ اسلام کے نظام حکومت کی بنیاد عوام کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر قائم ہے۔ جابر سلطان کو کسی بھی زمانے میں پسند نہیں کیا گیا۔

آج ایسے لوگ بھلا کہاں سے ملیں گے۔ کوئی شخص اپنی زیادتی یا اپنی اولاد کی زیادتی ماننے کو تیار نہیں ہے۔ اپنی ہی زیادتی پر بھی دوسروں کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔

روشنی از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

پیاس

خلیفہ مامون الرشید۔ باعظمت بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ گھر سے باہر وہ ایک امیر المومنین۔ خلیفہ۔ حاکم اور بادشاہ تھا۔ مگر گھر کی چار دیواری میں وہ ایک شفیق باپ بن جاتا۔ مخلص خاوند بن جاتا۔ اچھا ہمسایہ بن جاتا۔ یہاں تک کہ اپنے احباب کی محفل میں ان کا ایک بہترین دوست ہو تا تھا۔ اب وہ کوئی شاہی جاہ و جلال نہ دکھاتا تھا۔ بلکہ وہ بے تکلفی کے ساتھ ہر ایک سے پیش آتا۔

یہی وجہ تھی کہ اکثر اہل علم اور ارباب کمال راتوں کو ان کے مہمان ہوتے تھے اور اس کے بستر کے ساتھ بستر لگا کر سوتے تھے۔

ایک رات ان کے ایک دوست قاضی محمد یحییٰ اکتم آپ کے کمرے میں سو رہے تھے۔ مامون الرشید کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ کہ اچانک محمد یحییٰ بیدار ہو کر اٹھ بیٹھے۔ ان کے چہرے پر بے تابی کے اثرات تھے۔ انہیں سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ وہ دائیں بائیں پانی کی صراحی دیکھ رہے تھے۔ مگر انہیں یہ صراحی کہیں نظر نہ آئی۔

مامون الرشید نے دوست کی یہ بے قراری دیکھی تو پریشان ہو گیا۔ کتاب رکھی اور فوراً پوچھا۔

میرے یحییٰ دوست کیا ہوا ہے۔ یہ اچانک بے چینی کس وجہ سے ہے؟

قاضی نے نحیف آواز میں کہا مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ میرا حلق بالکل خشک ہو تا جا رہا ہے۔

مامون الرشید فوراً اٹھے۔ اور دوسرے کمرے سے صراحی اٹھا لائے اور جلدی سے پیالہ میں اس کا ٹھنڈا پانی بھر کر پیش کیا۔ قاضی یحییٰ نے پانی پیا تو راحت پائی۔

اب کہا۔ میرے جیسے ایک بے حیثیت شخص کے لئے امیر المومنین نے بڑی تکلیف کی ہے۔ آپ کسی خادم کو آواز دے دیتے۔ کسی ملازم کو پکار لیا ہو تا۔

مامون الرشید کہنے لگا۔ دوست رات کے سناٹے میں آواز دینا مجھے اچھا نہیں لگا۔ جو آواز سنتا

Marfat.com

خواہ مخواہ پریشان ہوتا۔ اس کے علاوہ آواز دینے سے جو شخص بھی آتا۔ مجھ سے بلانے کی وجہ پوچھتا۔ پھر میں اسے آپ کی خاطر پانی لانے کو کہتا۔ وہ جاتا۔ پانی لاتا۔ پھر آپ پیتے۔ اس لمبے وقت میں آپ کی بے چین طبیعت کو شاید جلدی چین نہ ملتا۔ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ جتنی جلدی ہو سکے۔ آپ کی طبیعت قرار پکڑے۔ ویسے بھی حضور ﷺ کا فرمان یقیناً آپ کے پیش نظر ہو گا کہ

قوم کا سردار تو قوم کا خادم ہی ہوتا ہے۔

آج کے سردار بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جو خدمت لینا جانتے ہیں۔ خدمت کرنا انہوں نے سیکھا ہی نہیں۔ ایسی خدمات تو کجا جو ہمارے اسلاف بجالاتے تھے۔ ان خدمات سے بھی جی چراتے ہیں جو ان کے فرائض میں شامل ہیں بلکہ ان کی ایسی خدمات نہایت مہنگے داموں بکنے لگی ہیں۔

Marfat.com

خلیفۃ الرسول ﷺ

12 ربیع الاول 11ھ کا دن مسلمانانِ عالم کے لئے قیامت سے کم نہ تھا۔ وہ ہستی جس نے غلاموں کو آقا بنادیا تھا۔ گڈریوں کو حکمرانی کے گر سکھادیئے تھے جس نے راہ انسان کو صحیح رستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ ہستی آج اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی حضور نبی کریم ﷺ کی رحلت پر ہر شخص غمزدہ تھا۔

اس کڑے وقت میں دل ہاتھوں سے چھوٹے جارہے تھے۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ ادھر یہ حال تھا ادھر ثقیفہ بنی ساعدہ میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ سلطنت اسلامیہ کی کشتی ڈول رہی تھی۔ ایک گھٹاٹوپ تاریکی ہر جانب سے بڑھ رہی تھی۔ کہ مسلمانوں نے دل قابو میں کئے اور ایک اہم فیصلہ کر لیا۔ امید کی کرن نے روشنی پھیلانی شروع کر دی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔ لوگوں کو اطمینان میسر آگیا اور لوگ خوش ہو گئے۔

ثقیفہ بنی ساعدہ سے خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانہ نبوی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک یتیم لڑکی روتے ہوئے ان سے لپٹ گئی وہ بہت ہی غمزدہ تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا یقیناً اس معصوم بچی کو حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کا غم ہے۔ آپ نے اسے اٹھالیا۔ اس کا ماتھا چوما۔

فرمایا بیٹی صبر کرو حضور ﷺ کو اپنے اللہ کے پاس جانا تھا وہ چلے گئے۔

لڑکی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا آپ درست فرماتے ہیں۔ ہمیں صبر ہی کرنا ہوگا۔ مگر میں نے سنا ہے اب آپ خلیفہ بن گئے ہیں۔ لوگوں کے حقوق اور جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری آپ کے سپرد ہو گئی ہے۔

فرمایا بیٹی! آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ قوم کی بے پناہ ذمہ داریوں کا بوجھ میرے نازک کندھوں پر رکھ دیا گیا ہے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ اس بوڑھے کو عہدہ براہونے کی توفیق و ہمت بخشے۔

Marfat.com

مگر آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ ہماری بکریاں دوہا کرتے تھے۔اب اس کے لئے وقت آپ کے پاس نہ ہوگا۔ میرا تو کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔ان بکریوں کو اب کون دوہے گا۔اس سے قبل آپ روزانہ شام کو ہمارے گھر آکر یہ خدمت انجام دیتے تھے۔اب دیکھئے ہمارا کیا بنتا ہے؟

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیصر و کسریٰ کے جانشین نہیں تھے۔ کہ اپنے عشرت کدے سے نکلنا گوارا نہ کرتے۔ فرمایا۔

بیٹی تو نہ گھبرا۔ میں خلیفہ بن گیا ہوں تو کیا ہوا میں آخر انسان بھی تو ہوں۔ میری انسانیت انشاءاللہ میرے ہاتھ میں رہے گی۔ میرا معمول جاری رہے گا۔ کیونکہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یتیموں اور بیواؤں کی خدمت بھی عبادت ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہونے کے باوجود دوران خلافت نہایت پابندی سے اس یتیم لڑکی کی بکریاں دوہنے کی خدمت انجام دیتے رہے۔

آج کے بننے والے حکمران خدمت خلق کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر کرسی پر بیٹھتے ہی سب وعدے بھول جاتے ہیں۔نہ قریب کی دکھی انسانیت دکھائی دیتی ہے نہ دور کے بے یار و مددگار نظر آتے ہیں۔ اقتدار کا نشہ ان کے کانوں میں روئی ٹھونس دیتا ہے کہ وہ کسی کی کوئی آواز نہ سنیں۔

از سید محمد متین ہاشمی

Marfat.com

پہرہ

ایک بار ایک قافلہ سامان تجارت لے کر مدینہ پاک میں آیا۔ رات پڑ رہی تھی۔ یہ لوگ کسی مصلحت کے تحت مدینہ کے باہر ہی فروکش ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس قافلہ کے آنے اور مدینہ سے باہر زمین گیر ہونے کی خبر ہوئی۔ تو عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تلوار لٹکا کر قافلے کی جانب چل دیئے۔ رستے میں حضرت عبد للہ بن عباس رضی اللہ عنہما ملے۔

انہوں نے پوچھا۔ کہ آپ رات کے اندھیرے میں شہر سے باہر کس لئے جا رہے ہیں۔ فرمایا میں نے سنا ہے کہ باہر کوئی تجارتی قافلہ آیا ہے۔ ان کے مال و جان پر پہرہ دینے جا رہا ہوں۔

عرض کیا۔ اے خلیفۃ المومنین قافلے والے اپنے پہرے کا انتظام خود کرتے ہیں۔ وہ رات بھر باری باری یہ ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں۔ آپ کیوں متفکر ہوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ بے شک وہ اپنی حفاظت کا انتظام کرتے ہیں۔ لیکن بحثیت خلیفہ میرا بھی فرض بنتا ہے۔ کہ اسے اپنی ذمہ داری سمجھوں۔ آؤ عبد اللہ میرے ساتھ تم بھی چلے آؤ۔ رات اچھی بسر ہو جائے گی۔

چنانچہ آپ دونوں رات بھر اس قافلے پر پہرہ دیتے رہے۔ مگر قافلہ والوں کو خبر تک بھی نہ ہوئی۔ کہ خلیفہ وقت نے رات بھر اس کام میں آنکھ تک نہیں جھپکی۔

جب صبح کی اذانیں ہوئیں تو آپ نے بلند آواز سے پکارا۔ مسلمانو! بیدار ہو جاؤ۔ نماز فجر ادا کرو۔

اس آواز سے قافلہ والوں کو پتہ چلا کہ ان کا خلیفہ ان کے مال اور جان کو لٹیروں سے بچانے کے لئے رات بھر پہرہ دیتا رہا ہے۔

جس دور کی یہ بات ہے اس وقت چوری چوکاری اور لوٹ مار اس قدر نہ تھی جس قدر آج ہے۔ اور پھر حضرت خلیفۃ عمر رضی اللہ عنہ کا عہد تو اس خطرہ سے بالکل محفوظ تھا۔ مگر پھر بھی حاکم وقت نے اس بات کے احتمال میں ایسے لوگوں سے قافلے کی حفاظت کرنے کی غرض سے رات

Marfat.com

بھر پہرہ دیا۔

آج کے حاکموں میں یہ احساس فکر کہاں وہ تو ائر کنڈیشنگ یا ہیٹر لگے کمروں میں راتیں مزے سے گزارتے ہیں اور لٹنے والے لٹتے رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات لوٹنے والے وہی لوگ نکل آتے ہیں جن کے ذمے ایسے لوگوں کی حفاظت کا کام ہے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

خدمت

مدینہ پاک سے باہر ایک غریب نابینا بڑھیا رہتی تھی۔ جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اس کا خاوند۔ بیٹا اور بھائی جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے۔ ان کے غم اور فراق میں رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں کھودی تھیں۔ اب اس کی ضروریات زندگی فراہم کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ مگر مسلمان اسے بھولے نہیں ہیں۔ دانہ کپڑا اسے بھیجتے رہتے تھے۔

تاہم روزانہ کے کام اسے خود ہی کرنے پڑتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے پانی کا برتن اٹھائے آتے دیکھا۔ وہ لاٹھی ٹیک ٹیک کر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ نہ جانے وہ یہ پانی کتنی دور سے روزانہ لاتی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اس بڑھیا سے پانی کا برتن پکڑ لیا۔ اور اس کا بازو تھامے اس کے گھر تک لے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے معمول بنالیا کہ روزانہ صبح کے وقت اس کے گھڑوں میں پانی بھر جایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ بڑھیا کے ہاں پانی کون بھرتا ہے۔ یہاں تک کہ خود اس بڑھیا کو بھی علم نہ تھا کہ اس کے گھر میں پانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھرنے کو آتے ہیں۔ اس کے لئے ایسے ہی تھا کہ اس کے گھر میں نلکا لگا ہوا ہے۔ وہ پانی بھرنے والے کو دعائیں دیتی رہتی۔

آخر ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حسب معمول پانی بھرنے کے لئے تشریف لائے۔ تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ گھڑے بالکل تازہ بھرے ہوئے ہیں۔

پوچھا۔ بڑی بی یہ پانی کون بھر گیا ہے؟

بڑھیا نے عرض کیا بیٹا! وہی جو پہلے بھرا کرتا تھا۔

آپ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پانی تو روزانہ میں ہی بھرا کرتا ہوں۔ آج یہ خدمت کس نے انجام دے دی ہے۔ پھر اس فکر کے ساتھ واپس چلے آئے۔ دوسرے دن جو گئے تو پانی پھر بھرا ہوا تھا۔ اب بھی واپس آگئے۔ تیسرے دن بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اب آپ نے خیال کیا کہ

Marfat.com

اگر یہ پانی بھرنے کی ذمہ داری کسی اور میرے مسلمان بھائی نے لی ہے تو مجھے بڑھیا کے گھر کی صفائی وجھاڑو وغیرہ کر دینی چاہئے۔ مگر اس بات نے انہیں اور حیران کر دیا کہ گھر میں صفائی بھی کی ہوئی ہے۔ اور ہر چیز سلیقے سے اپنے اپنے مقام پر پڑی ہے۔

وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ دیکھا جائے کہ یہ کام کون کرنے والا ہے۔ اگلے دن وہ بہت ہی جلدی بڑھیا کے مکان پر آئے۔ تو دیکھا ایک بوڑھا شخص باہر نکل رہا ہے۔ اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالی ہوئی تھی۔ جانے میں اس کے قدم جوانوں سے تیز اٹھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اور اس کی راہ میں کھڑے ہو گئے۔ پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی نقاب الٹ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نقاب پوش شخص کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

عرض کیا۔ اے خلیفۃ الرسول آپ!

فرمایا۔ ہاں! میں۔ آپ نے اس بڑھیا کی خاصی خدمت کر لی ہے۔ اب بحیثیت ایک خلیفہ کے میری ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنی رعایا کے ایسے مجبور لوگوں کی ضروریات کا نہ صرف خیال بلکہ ان کے کام بھی آیا کروں۔ آپ تو خوب جانتے ہیں کہ میری قوم کا سردار ہی قوم کا خادم ہوتا ہے۔ یہ خدمت میرا ہی حق بنتا ہے اور مجھے ہی یہ خدمت انجام دینے دیں۔ اور کسی سے اس کا اظہار نہ کریں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ زندگی بھر اس بڑھیا کی یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

آج کے حکمران بھلا اتنے کہاں بیدار ہوں گے کہ غریبوں کی خبر گیری بھی کریں اور ان کے کام بھی آئیں۔ اگر کسی مصلحت کے تحت کسی کا کوئی کام کر بھی دیں تو اخبار نویسوں اور ٹی وی کیمرہ والوں کے جھرمٹ میں کریں گے۔ تاکہ خوب چرچا ہو۔ اسی تصنع اور دکھاوے نے ہی احساس غرباء مفقود کر دیا ہے۔ حیرانی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس طرح سے کسی غریب کی مدد ایک ہزار روپیہ سے کی جاتی ہے تو اس کی تشہیر پر کئی ہزار خرچ آجاتے ہیں۔

غریبوں اور بے کسوں کے اس طرح کام کرنے سے یہ امراء طبقہ ان کے ماحول اور ان کی سطح پر آکر اگر اپنے پاس کی سہولتیں اور نعمتیں دیکھیں تو اسے یقیناً ذات باری تعالیٰ کا بار بار شکر ادا کرنے کا موقعہ ملے گا۔ اور غریبوں کو جب یہ سہولتیں میسر ہوں گی تو ان کے لب ہمیشہ دعاگو رہیں گے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

مساوات

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی نا خوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اقبال

Marfat.com

گرفت

حج کے دنوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مختلف علاقوں کے وفود سے ملاقات کرتے تو وہاں کے لوگوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے۔ حاکم اعلیٰ اور اس کی کارگزاریوں کا پوچھتے۔ ایک دفعہ آپ حمص کے لوگوں سے ایسی ہی گفتگو فرما رہے تھے۔

پوچھا۔ کہئے آپ کا امیر کیسا ہے؟ تمہارے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے؟ کیا وہ انصاف کرتا ہے؟

اہل حمصی نے خلیفہ کو جواب میں عرض کیا۔ امیر ویسے تو اچھا آدمی ہے مگر......

آپ نے پوچھا۔ مگر کیا؟ تم چپ کیوں ہو گئے؟ بے خوف ہو کر اس کی کمزوری بتاؤ تاکہ اس کا تدارک کیا جائے۔ اور اصلاح حال ہو۔

ایک حمص نے عرض کیا۔ ایک معمولی سی بات ہے۔ ممکن ہے ہم اس سے واقف نہ ہوں۔

ہاں۔ ہاں۔ کہئے کیا بات ہے؟ معمولی سے بڑی بات بھی بن سکتی ہے۔

عرض کیا۔ ہمارے امیر نے اپنے لئے ایک محل تعمیر کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ اس میں رہائش پذیر ہیں۔

فرمایا۔ اے اہل حمص بے شک یہ معمولی سی بات ہے! کیا سارے حمص والوں کے پاس اس جیسے محلات ہیں؟

عرض کیا۔ نہیں حضور!

تو پھر گورنر کو کیا حق ہے کہ وہ ایسے محل میں ٹھاٹھ کی زندگی گزارے۔

آپ نے اسی وقت ایک شخص کو حمص میں روانہ کر دیا۔ کہ وہ جا کر گورنر کے محل کا دروازہ جلا دے۔ اور گورنر کو میرے پاس لائے۔

چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اس شخص نے جا کر لکڑیاں اکٹھی کیں۔ محل کے دروازے میں رکھیں اور آگ لگا دی۔ جب یہ حمص کے حاجی واپس پہنچے تو گورنر کے محل کا دروازہ جلا ہوا تھا۔

Marfat.com

اور ادھر۔ یہ گورنر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں کھڑا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ اسے تین دن تک دھوپ میں کھڑا رکھا جائے۔ اور پھر اس کے قیمتی اور پر تکلف کپڑے اتروا دیئے گئے اور ان کی بجائے ایک موٹا کمبل دیا گیا۔ اب حکم دیا گیا کہ وہ پانی بھر بھر کے لائے اور بیت المال کے اونٹوں کو پلائے۔

وہ (جو کل گورنر تھا) آج نوکروں کی طرح اونٹوں کو پانی پلانے لگا۔ اس کا بدن چور چور ہو گیا۔ ہاتھوں اور پاؤں میں چھالے بن گئے۔ اب آپ نے پوچھا اے امیر حمص! کیا تم تھک گئے ہو۔

عرض کیا۔ جی حضور!

فرمایا۔ کیوں؟ ایسے کام تو تم پہلے بھی کرتے تھے۔

دبی زبان میں عرض کیا۔ اب اس کام کو چھوڑے ہوئے مدت بیت گئی ہے۔

اس لئے بالاخانہ تعمیر کروا کے آرام سے رہتے ہو۔ اور عام مسلمانوں سے اونچے ہو کر۔ اچھا آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ تمہاری گورنری دوبارہ بحال کی جاتی ہے۔

کہنے لگا۔ حضور! اب کسی اور کو گورنر بنا کر بھیج دیں۔ میں نے اب گورنری کیا کرنی ہے۔ میری حیثیت کیا ہے؟ اس سے لوگ آگاہ ہو گئے ہیں۔ میری ذات سے کون خوف کھائے گا۔ اور کون منکرات سے باز آئے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم پہلے کسی اور شخص کی تربیت کریں پھر اسے بھیجیں۔ آپ ان لوگوں میں اپنے کو ترجیح نہ دیں ان جیسا بن جائیں تو وہ خود بخود آپ کو ممتاز کر دیں گے۔

آخر اس گورنر کو حمص میں جانا پڑا۔ اب اہل حمص کو کوئی شکایت اس سے نہ ہوئی۔

آج مرکز کی گرفت صوبوں میں شاید ڈھیلی ہے کہ صوبے کے عوام گاہے گاہے علیحدگی کی آواز بلند کرنے لگتے ہیں۔ یا مرکز بذات خود بے شمار کمزوریوں سے مملو ہے۔ صوبے میں جو کچھ ہو کسی مصلحت کی بنا پر مرکز خاموش رہتا ہے۔ اصل میں چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں پر تنبیہ نہ کرنے کا اثر لگتا ہے۔ کہ اب برے اثرات جڑ پکڑ چکے ہیں۔ ہمارے اسلاف برائی کو دوسرا سانس لینے سے پہلے پکڑ لیتے تھے۔ لہٰذا ان کے ادوار حکومت سنہرے ادوار بن گئے۔

داستان عمل از ایم عبدالرحمٰن خان

Marfat.com

آقا اور غلام

ذی الحجہ 15ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ بڑا کامیاب رہا۔ عیسائی صلح پر آمادہ ہو گئے۔ مگر انہوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود یہاں تشریف لائیں۔ اطاعت کی ساری شرطیں ان سے طے ہوں گی۔ اور وہی سب سے پہلے صلحنامہ پر دستخط ثبت فرمائیں گے۔

اسلامی لشکر کے امیر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات لکھ بھیجی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو ساتھ لیا اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ صرف ایک اونٹنی آپ کے پاس تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ہیں اور غلام مہار تھامے آگے آگے چل رہا ہے۔ پہلی منزل طے کرنے کے بعد جب دوسری منزل کا آغاز ہوا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلام سے فرمایا اب آپ اونٹنی پر سوار ہوں گے۔ اور میں مہار پکڑے ساتھ ساتھ جاؤں گا۔

غلام نے عرض کیا۔ میرے آقا! ایسا کیوں؟ کیا مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہے۔

فرمایا آپ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بھی تو میری طرح ایک انسان ہیں۔ آپ کے بھی آرام اور تھکاوٹ کے تقاضے ہیں۔ پہلی منزل تک تم چلتے رہے ہو۔ میں اونٹنی پر آرام سے سفر کرتا رہا اب آپ کی باری بنتی ہے۔

بہر حال غلام کو ہی اونٹنی پر بیٹھنا پڑا۔ اس طرح باری باری اونٹنی پر سفر کرتے یہ سفر طے ہوتا رہا۔ اور اتفاق کی بات یہ کہ جب یہ دونوں مسافر بیت المقدس میں پہنچے تو اونٹنی پر سوار ہونے کی باری غلام کی تھی۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر فوجی افسر نہایت قیمتی اور صاف ستھرے لباس زیب تن کر کے استقبال کرنے کو آگے بڑھے۔ عیسائی پادری بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جونہی انہوں نے ان مسافروں کو دیکھا تو ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کہ مسلمانوں کا امیر تو اونٹنی کی مہار تھامے چلا آ رہا ہے۔ اور اس کا غلام مزے سے اونٹنی پر سوار ہے۔ یہ مساوات کا منظر دیکھ کر بڑے خوش

Marfat.com

ہوئے۔ان سب لوگروں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے التجا کی کہ یہ لوگ اچھے لباس کو پسند کرتے ہیں۔ بہتر ہو گا جو لباس ہم آپ کے لئے تیار کر کے لائے ہیں وہ مسافرانہ لباس کی جگہ پہن لیں۔

فرمایا۔ عزیزو! یہ تکلفات غیر ضروری ہیں۔ ہمارے لئے ذریعہ عزت اسلام ہے۔اور ہمارے لئے یہی کافی ہے۔

آپ چار دن یہاں ٹھہرے مندرجہ ذیل شرطوں کے تحت صلح ہوئی۔

1۔اس تحریر کی رو سے آپ کو امن و امان دیا جاتا ہے۔ کہ آپ کے جان و مال۔ عزت۔ گرجا۔ صلیبیں۔ تندرست۔اور بیمار انسان کو امان دی جاتی ہے۔اور تمام اہل مذہب محفوظ اور مامون ہیں۔

2۔اس معاہدے کی رو سے گرجاؤں کے اندر مسلمان نہ رہنے پائیں گے۔نہ گرجاؤں کو گرایا جائے گا۔نہ ان کے احاطوں کو نہ صلیبوں کو اور نہ مال میں کمی کی جائے گی۔

3۔مذہب کے بارے میں کسی مذہب پر سختی نہیں کی جائے گی۔نہ کسی کو تکلیف دی جائے گی۔ عقیدے میں ہر شخص آزاد ہے۔

4۔ مگر ایلیا میں یہودی نہیں رہنے پائیں گے۔

5۔جزیہ دینا اہل ایلیا کا فرض ہے۔

6۔یونانی اور غارت گروں کو نکال دینا ہو گا۔

7۔ شہر سے نکلنے والوں کی جان اور مال کی حفاظت کی جائے گی۔

8۔ایلیا میں قیام کرنے والا بھی محفوظ رہے گا۔ مگر اسے جزیہ دینا ہو گا۔

9۔اگر اہل ایلیا میں سے کوئی خاص شخص باہر جانا چاہے تو اسے بھی امن دیا جائے گا۔اس کا مال۔ صلیبیں اور سب کچھ محفوظ رہے۔ حتیٰ کہ وہ جائے امن میں پہنچ جائے۔

10۔جب تک ایلیا والے جزیہ ادا کرتے رہیں گے خلیفہ اس معاہدہ کے پابند رہیں گے۔ہمارے خدا اور رسول شاہد و عادل ہیں۔

اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا۔ عیسائیوں نے کہا اے مومنوں کے امیر! آپ اس گرجا میں نماز ادا فرمالیں۔

فرمایا۔ نہیں۔ میرے یہاں نماز پڑھنے سے مسلمان اسے مسجد سمجھ لیں گے۔اپنا حق جتائیں

Marfat.com

گے۔اس سے آپ کو تکلیف ہو گی۔

ہمارے آج کے حکمران اپنے ماتحتوں کے درمیان رہتے ہیں۔وہ کب اپنی آرام دہ گاڑیوں میں انہیں بٹھاتے ہیں۔اور پھر ملازمین کے ساتھ اس سطح پر آکر جانا کہ آقا و نوکر کے درمیان فرق نہ ہو سکے۔ایسا جذبہ رکھنے والے اب کہاں؟۔امراء نچلی سطح پر آکر اگر اس نیچے والے شخص کے دل کو چیر کر دیکھیں تو اس میں ان گنت خوشیاں اور مسرتیں جلوہ گر ہوں گی۔ایک چھوٹے انسان کے ساتھ یہ سلوک یقیناً بڑے آدمی کے خدا کو راضی کرنے کا سامان بن سکتا ہے۔

علاوہ ازیں آج کے فاتح کل کے حکمران بنتے ہیں۔انہیں اپنے مفتوحین کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے کہ وہ اپنے حاکموں کے شاکی نہ بن سکیں۔

دربار عمر کے فیصلے

Marfat.com

زمانہ قحط

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ نہ ڈھنگ کے کپڑے پہنتے تھے اور نہ ہی کوئی مرغن غذا کھاتے اس کے مقابلے میں عبادات اور امور سلطنت کی ذمہ داریاں اس قدر زیادہ تھیں کہ آپ کی صحت گرنے لگی۔

ایک دن آپ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

ابو جان! آپ عمدہ غذا کھایا کریں۔ تاکہ امور خلافت زیادہ مستعدی کے ساتھ انجام دے سکیں۔ علاوہ ازیں امور عبادات کی ادائیگی میں آپ قوی رہ سکیں۔

آپ اپنے بچوں کے یہ مشورے بڑی توجہ سے سنتے رہے۔ بچے خوش تھے کہ ان کا مشورہ والد محترم کو پسند ہے۔ اور اس پر ضرور عمل کریں گے۔ تاہم وہ والد ماجد کے جواب کے ضرور منتظر تھے۔ وہ بار بار اپنے والد محترم کو دیکھتے کہ دیکھیں کس نوعیت کا انہیں جواب ملتا ہے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بچو! آپ کے اس مشورے کا شکریہ۔ لیکن میرے سامنے جو اسوہ حیات ہے میں اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا نمونہ زندگی میں نے بڑی توجہ اور غور سے دیکھا ہے۔ اور ان کے بعد اپنے دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دستور حیات اور معیار زندگی کا ایک ایک لمحہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اگر میں ان کی روش اور دستور کے مطابق عمل نہیں کروں گا۔ تو وہ منزل کیسے پاؤں گا۔ جس منزل پر وہ فائز ہو سکے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بیان کرتے ہیں کہ 17ھ میں اہل مدینہ پر قحط کے سال کا زمانہ آیا تو رعایا کے ایک ایک فرد کے لئے ضروریات زندگی کی کمی محسوس کی گئی۔ یہ ایک سال کا دور بڑی مشکل کا دور تھا۔ آپ نے بیت المال کا دروازہ قحط زدگان کے لئے کھول دیا۔ مگر اپنے اوپر گھی اور گوشت کی مکمل پابندی لگا دی۔ کہ کیا خبر میں گھی اور گوشت کھاؤں اور عام لوگوں کو یہ دونوں

Marfat.com

چیزیں میسر نہ ہوں۔ گھی کی بجائے آپ نے روغن زیتون کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جس سے آپ کے پیٹ میں قراقر رہنے لگی۔ آپ نے حلق میں انگلیاں ڈالیں اور قے کر دی۔ فرمایا ہمارے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ عوام تو قحط کی مصیبت میں گرفتار ہوں مگر ہم زیتون کے روغن میں پکے ہوئے کھانے مزے سے کھائیں۔

ان دنوں حضرت عتبہ بن فرقد نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے اچھی غذا کا استعمال کیوں چھوڑ دیا ہے۔ اچھی غذا نہ کھانے سے کمزوری اور بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ اس طرح اگر آپ صاحب فراش ہو گئے تو امور سلطنت کے نظام میں خرابی واقع ہو سکتی ہے۔

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا افسوس اس چند روزہ زندگی میں اچھی غذا سے متمتع ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

آج کے امراء تو اپنے ملک کا پانی بھی پسند نہیں کرتے۔ ان کے لئے فرانس سے سپیشل پانی آتا ہے وہ عمدہ کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور ان کھانوں میں اکثر ایسے کھانے ہوتے ہیں جو وہ مختلف دعوتوں اور تقریبوں میں کھاتے ہیں۔ ایسی تقریبیں عموماً حکومت وقت سے تعلق گانٹھنے اور مراعات حاصل کرنے کی غرض سے منعقد کی جاتی ہیں اور یہ مراعات دینے میں انہیں اس لئے انکار نہیں ہوتا کہ انہیں عمدہ کھانے اور تحائف سے نوازا گیا ہے۔

داستان عمل از ایم عبد الرحمن خان

Marfat.com

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

کا عظیم شاہکار

تفسیر ابن کثیر (زیر طبع)

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ **ضیاء المصنفین**

بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء، علامہ محمد اکرم الازہری

علامہ محمد سعید الازہری، علامہ محمد الطاف حسین الازہری

سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

انشاءاللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

جلد اس علمی کارنامے کو منصۂ شہود پر لانے کا

شرف حاصل کرے گا۔

Marfat.com

ہماری نئی مطبوعات

میلاد رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	مؤلف:۔ حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی
جمال قرب الٰہی	مرتبہ:۔ سید غلام دستگیری زیدی نقشبندی
جمال ذکر الٰہی	مرتبہ:۔ سید غلام دستگیر زیدی نقشبندی
زہد کی حقیقت	مؤلف حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ
مراقبہ کی حقیقت	مؤلف:۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ
توبہ کی حقیقت	مؤلف حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ
علم کی حقیقت	مؤلف:۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ
تذکرۃ الروح	مؤلف:۔ حضرت علامہ جلدل الدین سیوطی
تذکرۃ الموت	مؤلف:۔ حضرت علامہ جلدل الدین سیوطی
تذکرۃ القبر	مؤلف:۔ حضرت علامہ جلدل الدین سیوطی
علم و عرفان	مؤلف:۔ مولانا محمد شریف نقشبندی
عاشورہ	مؤلف:۔ حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔ فون:۔ 7221953

Marfat.com

Marfat.com

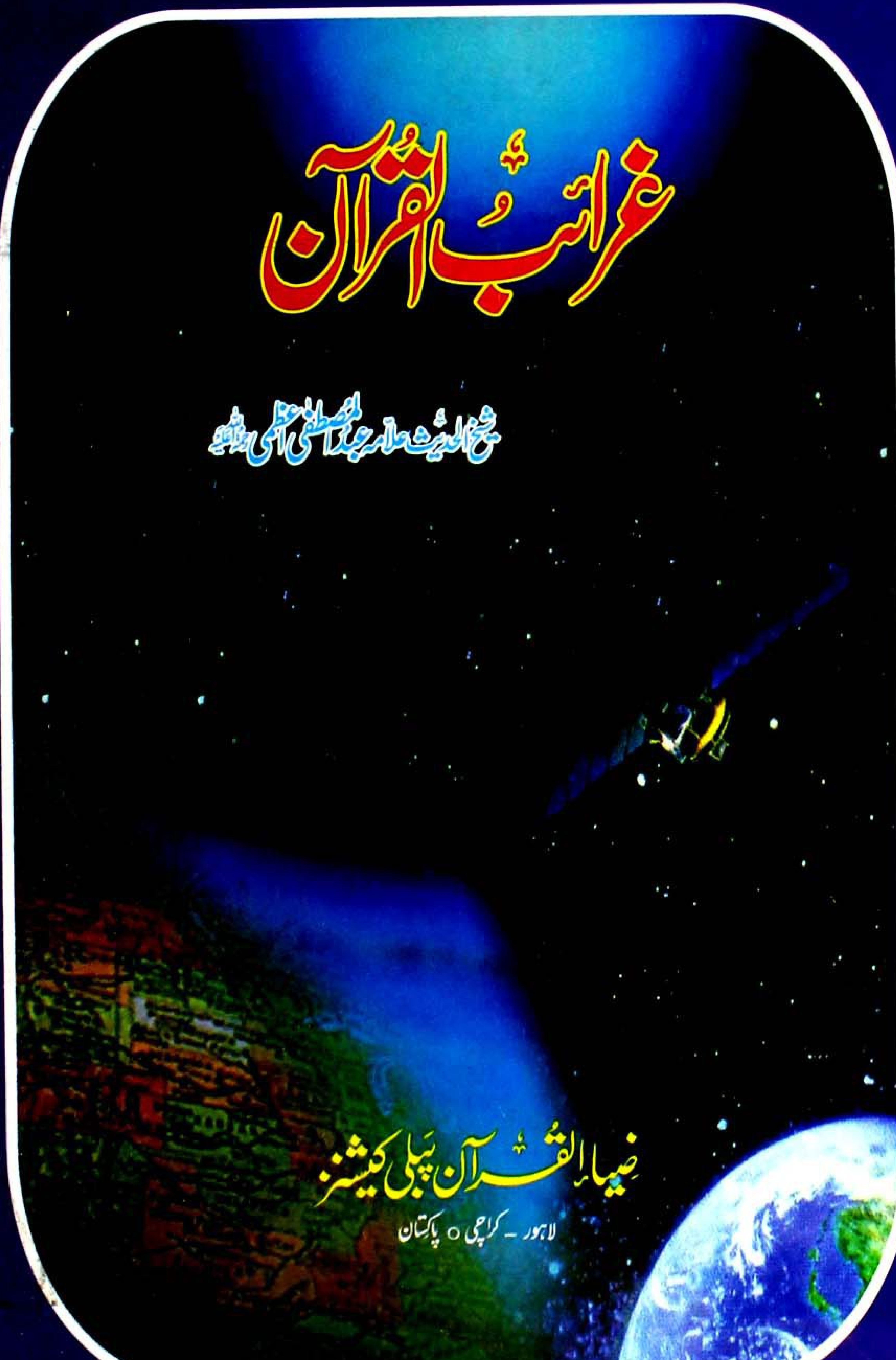
غرائب القرآن
شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

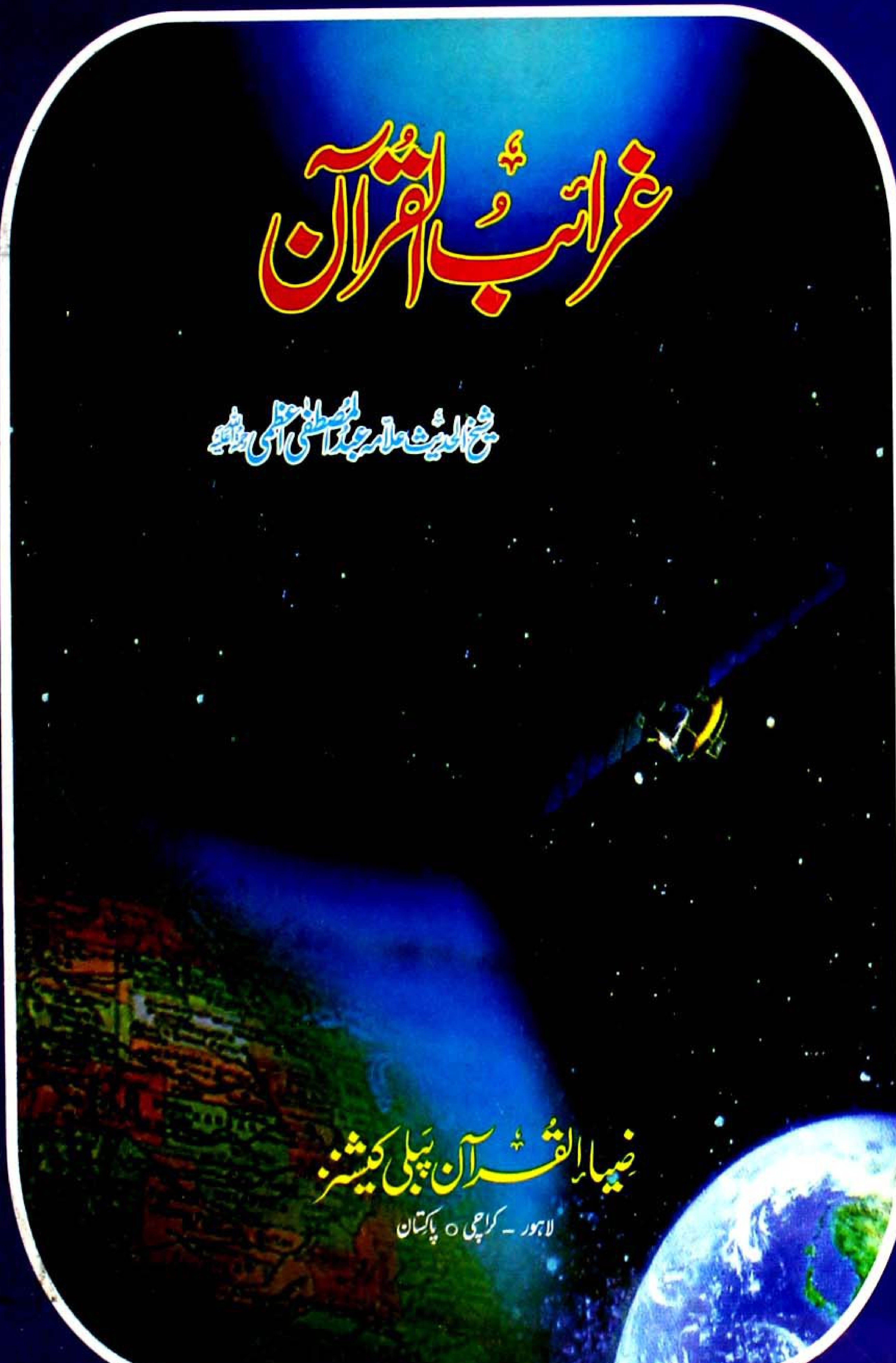

غرائبُ القرآن

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ٥ پاکستان

Marfat.com